فلسفۂ اجتماع

از

عبدالماجد بی۔اے

مقدمہ

مملکت فرانس کی کسی عدالت کے سامنے ایک مقدمہ درپیش ہے، جج کے گرد جوری حلقہ کئے ہوئے ہین، ملزم کی طرف سے پیروکار مشہور و معروف فرینچ بیرسٹر مسیو لاشاو ہے۔ وہ تقریر شروع کرتا ہے، اور ساتھ ہی جج اور ممبران جوری متاثر ہونے لگتے ہین۔ لیکن ایک خاص جوری اس عام کیفیت سے مستثنی ہے۔ اسے مقدمہ کے واقعات کی رتی رتی اطلاع ہو چکی ہے۔ وہ دل مین یہ عہد کر کے آیا ہے، کہ وکلا و بیرسٹرون کی خطابت اُسے کسی طرح شاہراہ انصاف سے منحرف نہ ہونے دیگی، مانا کہ بریت جرم پر تقریر کرنے والا نہایت مشہور سحر بیان بیرسٹر ہے، مگر اس سے کیا ہوتا ہے، وہ خود ذاتی طور پر ملزم کے مجرم ہونے کو متحقق کر چکا ہے، اور آج وہ ہرگز اپنے حس عدل پروری کو وکیلانہ چرب زبانی سے نہ مغلوب ہونے دیگا۔ لاشاو کی تقریر کو شروع ہوے دس منٹ، پندرہ منٹ، بیس منٹ ہو چکے ہین، اور تمام سامعین اسکے زور بیان و فصاحت پر مرحبا و آفرین کہہ رہے ہین، لیکن اس جوری کا یقین واثق اب بھی بالکل غیر متزلزل ہے۔ ناواقفون کا فریب مین آجانا ممکن ہے۔ لیکن اُسے ناواقف کون کہہ سکتا ہے؟ وہ ذاتی طور پر اس معاملہ کی تحقیق کر کے ملزم کے قصوروار ہونے کے نتیجہ پر پہنچ چکا ہے، اور اسکے یقین کامل کو دنیا کی کون سی زبان آوری شکست

دے سکتی ہے ؟ - آدھ گھنٹہ ہو گیا، پینتیس، چالیس، یہانتک کہ پورے پینتالیس منٹ گزر گئے، اور عہد راسخ، ابتک خطابیات کی حملہ آوریون سے غیر مغلوب ہے۔ مسیو لاشاو کا جوش تقریر اب اپنے منتہائے شباب پر ہے، سامعین مین سے ہر شخص ہمہ تن گوش ہے، اور عدالت کے در و دیوار کے ساتھ حاضرین کے دلون سے بھی اسکے موثر الفاظ کی صدائے بازگشت آرہی ہے، کہ بے شان و گمان دفعۃً وہ اپنی تقریر مین قطع کلام کرکے، حاکم عدالت سے مخاطب ہو کر کہتا ہے،

"براہ مہربانی چپراسی کو حکم دیجیے، کہ سامنے کے دریچہ پر پردہ چھوڑ دے۔ ادھر سے دھوپ آرہی ہے، جس سے فلان جوری صاحب کو تکلیف ہو رہی ہے"!

یہ جملہ ایک عمل تسخیر تھا، عہد و پیمان عزم و ثبات کا قلعہ بات کی بات مین مسخر ہو گیا - چہرہ پر سرخی کا آنا، لبون پر خفیف مسکراہٹ کا نمودار ہونا، اور زبان کا شکریہ کے لیے کھلنا آناً فاناً کا کام تھا، بالآخر چند منٹ کے بعد جب ملزم کی رہائی کا حکم سنایا گیا تو دیکھنے والون نے دیکھا، کہ اس فرمان رہائی پر ان جوری صاحب کے بھی دستخط تھے!

نفس بشری کی اثر پذیری و تلون کی یہ کیسی روشن مثال ہے!

یورپ کی بین الاقوامی صلح کانفرنس کی طرف سے ایک پادری صاحب ہندوستان کے ایک مشہور شہر مین بھی عقاید صلح و آشتی کی تبلیغ کے لیے مقرر کیے جاتے ہین - یہان روزانہ شام کو کسی نمایان مقام پر وہ صلح و آشتی حلم و درگزر کی خوبیون پر وعظ کرتے ہین، اور غیظ و غضب کو دنیا کی سخت ترین لعنت سے تعبیر کرتے ہین - سامعین اِن کی آزمایش کے لئے اثناء تقریر مین ان کو طرح طرح چھیڑتے مین، لیکن اُن کو کبھی

اشتعال نہین آتا۔ شدید ترین سخت کلامیون کا جواب بھی وہ ہمیشہ خندہ روئی کے ساتھ دیتے ہین۔ ایک عرصہ کے تجربہ کے بعد لوگون کو یقین ہو جاتا ہے کہ پادری صاحب ایک پیکر حلم و متانت اور مجسمہ ضبط و تحمل ہین۔ خاص معتبر و ثقہ اشخاص کا بیان ہے، کہ انھون نے کبھی پرایوٹ صحبتون مین بھی انھین برہم یا چین بہ جبین ہوتے نہین دیکھا۔ یہی پادری صاحب ایک مرتبہ گھر مین کھانے پر بیٹھتے ہین تو ہندستانی باورچی غلطی سے کھانے مین نمک زیادہ کر دیتا ہے، پادری صاحب اُسے بلا کر فہمایش کرتے ہین، دوسرے دن اتفاق سے وہ پھر ویسی ہی غلطی کرتا ہے، پادری صاحب آج بھی اُسے فہمایش کرتے ہین، مگر کسی قدر خشونت کے ساتھ۔ لیکن جب تیسرے دن، پادری صاحب دن بھر کے تھکے ماندے، رات کے وقت کھانے پر بیٹھتے ہین، اور باوجود اپنی مکرر فہمایش کے، پھر نمک زیادہ پاتے ہین، تو فرط غضب سے کھانا اُٹھا کر پھینک دیتے ہین، اور باورچی کو انتہائی سخت سُست الفاظ سے یاد کرتے ہین، بلکہ جب وہ سامنے سے ہٹ جانا چاہتا ہے، تو اسے مارنے دوڑتے ہین۔ بعض دلگی باز اس پیکر متانت کی اس غیر متین حالت کو چھپکر دیکھتے ہین، اور اس پر ایک گونہ تعجب کرتے ہین۔

سقراط، یونانی فلسفہ کے نظام شمسی کا آفتاب ہوا ہے۔ ارسطو، فلاطون، دیوجانس، اپیکورس، جملہ اساطین فلسفہ نے، جنکے ذریعہ سے علم و حکمت کی روشنی آج تمام عالم مین موجود ہے، براہ راست یا بالواسطہ علم کا پہلا جرعہ اسی ساقی کے دست کرم سے لیا تھا۔ علم و فضل کے ساتھ زہد و اتقا بھی اسکی گھٹی مین پڑا تھا۔

سارا یونان اسکی پاکبازی کا قائل تھا، دیانت داری، راست بازی، حلم، ضبط نفس، وغیرہ تمام محاسن اخلاق جو اخلاقیات کے عنوانات جلی ہوتے ہین، سب اسکی ذات مین مجتمع سمجھے جاتے تھے۔ اسکے خاص رازدار و دستون کی یہ متفق علیہ روایت ہے، کہ اسکا قدم کبھی شاہراہ اخلاق سے باہر نہین پڑا۔ ان زبردست شواہد نے خود ہمین اسکی معصومیت کا معتقد کردیا، اور ہمین یہ یقین آچلا کہ خواہ کچھ ہو، مگر یہ ناممکن ہے، کہ سقراط کے قدم کو کسی شدید سے شدید تقوی شکن صحبت مین لغزش ہوسکے۔ لیکن دفعۃً اسی مرقع کا دوسرا ورق ہمارے سامنے کھلتا ہے، اور ہمین یہ تماشا نظر آنے لگتا ہے، کہ ایسپیا نامی ایک زن بازاری کے گرد اسکے حلقہ بگوشون کا مجمع ہے[۱] اور اسی حلقہ مین حضرت سقراط بھی موجود ہین، ہم اس نظارہ کو اپنی نگاہ کا دھوکا تسلیم کرکے اسکی طرف سے اپنا منھ پھیر لیتے ہین، لیکن معًا یہ دوسرا سین سامنے آجاتا ہے، کہ ایک دوسری آبرو باختہ عورت ڈیوٹیما کی خلوت سرا گرم ہے، اور اس دربار کے حاشیہ نشینون مین پھر سقراط کی صورت جلوہ گر ہے۔ ہم اب بھی حسن ظن سے کام لیتے، لیکن تیسرا منظر اس سے بھی زیادہ بے پردہ ہمارے سامنے آموجود ہوتا ہے۔ ایک محفل نشاط برپا ہے، ایک نہایت خوشرو امرد ساقی گری کر رہا ہے، جام پر جام دورہ کر رہا ہے، اور جو شخص سب سے زیادہ شوق و بیتابی کے ساتھ اس ساقی ہوش ربا (الکیبیڈس نامی) کے ہاتھ سے جام لے رہا ہے، وہ وہی پیکر علم و فضل، وہی تمثال ورع و تقوی، وہی زاہد نفس کش ہے، جسکو دنیا سقراط کے نام سے پکارتی ہے!

---

[۱] چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کا مضمون نگار عام مورخین کے خلاف یہ دعوی کرتا ہے کہ ایسپیا زن بازاری نہ تھی۔ اسکا بیان اگر صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے، تاہم اسکی بدچلنی و آوارگی کے نہایت قوی تاریخی شواہد موجود ہین۔

کیا فطرت بشری کی تناقض عملی کی اس سے روشن تر نظیر کسی کے تصور مین آسکتی ہے؟

۱۹۰۵ء مین اسلامی ہند کا ممتاز ترین عالم، پیمبر اسلام کی خانگی زندگی کے متعلق ایک تصنیف شائع کرتا ہے، جسکی عبارت مین بعض مولویون کو سوء ادب کی جھلک نظر آتی ہے، اور اس سے حاسدون کی جماعت فائدہ اُٹھانا چاہتی ہے، اس اثنا مین یہ خبر مشہور ہوتی ہے، کہ اسی زمانہ مین، دہلی مین مولویون کا جو جلسہ ہونے والا ہے اُس مین اس کتاب کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش کی جائے گی، یہ خبر پھیلتی ہے، مگر اکثرون کو اس پر اسلیے یقین نہین آتا، کہ اس جماعت مین بعض غیر متعصب و آزاد خیال مولوی صاحبان بھی شامل ہین، جو ہرگز اس تنگ خیالی کو جائز نہین رکھ سکتے، خصوصاً وہ مشہور عالم تو ہر حال مین اسکی مخالفت شدید کریگا، جسکی آزاد خیالی و وسیع المشربی ایک عالم کو مسلم ہے، جو رواداری کی ایک زندہ تصویر ہے، جس نے سیزدہ صد سالہ تاریخ اسلام کے چہرہ سے تعصب و عدم مسالمت کے ہر داغ کو ایک ایک کرکے دھونے مین اپنی عمر صرف کردی، اور جس نے ایک نہایت مبسوط و محققانہ رسالہ کے ذریعہ سے دنیا پر ثابت کردیا، کہ خلیفہ عمر فاروق پر کتبخانہ اسکندریہ کی بربادی کا الزام لگانا ایک بے بنیاد تاریخی غلطی کا ارتکاب کرنا ہے۔ لیکن واقعات کی رفتار اس حسن ظن کو قائم نہین رہنے دیتی، علما کی اسی کمیٹی کی طرف سے ایک فتویٰ شایع ہوتا ہے، کہ اس کتاب کا مصنف کافر اور اسکو برباد کردینا ہر مسلمان پر لازم، چنانچہ اسکی تعمیل مین اس کتاب کی تمام جلدین یکجا کرکے اُن مین علانیہ آگ لگادی جاتی ہے، اور ادب و انشا پردازی کا ایک ناقابل تقلید

نمونہ اور منتہائے تحقیق و کاوش کا ثمرہ، چند منٹ مین تو وہ خاکستر بن جاتا ہے
بالآخر جب اسکی تلاش ہوتی ہے، کہ
کس کس کی مُہر تھی سرِ محضر لگی ہوئی؟
تو یہ حقیقت رونما ہوتی ہے، کہ اس حزب المحرّقین کے ایک رکن وہ مشہور فاضل
بھی تھے، جنکی زندگی کا مقصد وحید، مسلمانونکو مسالمت، تحمل اور رواداری کا درس دینا تھا،
مگر جنھون نے اس کتاب کے "قتل نامہ"، پر بلا جبر و اکراہ و بطیب خاطر اپنے دستخط ثبت فرمادیے۔
جو لوگ حیات نفسی کے حقیقی طریق کار سے ناواقف اور نفس بشری کی یکرنگی
و یکسانیت کے معتقد تھے، وہ اس انکشاف سے محو حیرت ہو گئے۔۔

اگر کوئی شخص اپنے عالم رویا کا بالالتزام جائزہ لیتا رہے، تو اکثر اسے اپنا
عکس اپنے سے اتنا مختلف نظر آئے گا، کہ خود اُسے شناخت کرنے مین دقت ہوگی۔
ایک نہایت جری و جوانمرد سپاہی یہ خواب دیکھتا ہے، کہ اسکے مکان مین ایک
چور گھس آیا ہے، جس سے وہ اسقدر خائف ہو گیا ہے، کہ بجائے مدافعت
کے، اس کا سارا جسم لرز رہا ہے۔ ایک نہایت بزدل اور استعمال اسلحہ سے ناواقف
شخص کو خواب مین یہ نظر آتا ہے کہ وہ میدان جنگ مین بہ کمال دلیری مصروف
قتال ہے۔ یا پھر ایک نہایت متقی و پاکباز بزرگ، خواب مین، اپنے تئین بعض سخت
شرمناک و شہوت پرستانہ افعال مین مبتلا پاتے ہین، غرض اسی طرح ہم مین سے
ہر شخص خواب مین ایسی عجیب عجیب صورتین، ایسے عجیب و غریب مناظر دیکھتا ہے،
جو بیداری مین کبھی اُسکے تصور مین نہ تھے، اور بارہا اپنے تئین ایسے افعال کا مرتکب

پاتا ہے، جن کے سدد ور کی طرف کبھی اسکا وہم وگمان بھی نہین جاتا تھا۔

اس طرح کے پیہم تجربات کے بعد یہ راز بالکل آشکار ہو جاتا ہے، کہ انسان کی حیات نفسی، حالات بیداری وخواب مین ایک دوسرے سے بالکل متباین ہوتی ہے، اور ایک ہی شخصیت کے اندر بالکل مخالف ومتضاد اجزا کام کرتے رہتے ہین۔

حضرت مسیح کی ولادت کو ابھی تین صدیون سے زائد زمانہ باقی ہے یونانی تمدن وفلسفہ کا آفتاب نصف النہار پر ہے۔ سکندر اعظم کی وفات کا واقعہ ابھی بالکل تازہ ہے۔ عین اس زمانہ مین دار الحکومت یونان مین ایک عصمت فروش عورت فراینی کی دلربائیون کا چرچا پھیلنے لگتا ہے، اسکا حسن اس بلا کا تھا، کہ اُسوقت کے بہتر سے بہتر نقاش یا مصور کو جب کبھی مجرد حسن ونزاکت کا مرقع تیار کرنا ہوتا، تو بجاے اپنی قوت تخئیل پر زور دینے کے وہ حسن وجمال کی اسی تمثال مادی کا عکس اُتار لیتا۔ گویا نقاشون اور مصورون کی جماعت مین یہ ایک عقیدہ مسلّم تھا، کہ ''حسن وجمال،، ایک ایسا اسم ہے، جسکا مسمّٰی تمام عالم مادی مین، بجز فراینی کے جسم کے اور کوئی ہو ہی نہین سکتا۔ مگر یہ فراینی باین دلربائی، اپنے عقائد کے لحاظ سے سخت بدمذہب تھی اور صرف یہی نہین، بلکہ اسکی بدمذہبی متعدی تھی، جو اسکے حاشیہ نشینون کی جماعت کثیر مین سرایت کرتی جاتی تھی۔ یہانتک کہ کچھ روز مین عالیین حکومت کو یہ صاف محسوس ہونے لگا، کہ اسکی وجہ سے ہمارے ملک کی مذہبی واخلاقی فضا مسموم ہوتی جارہی ہے، اور اس خطرہ کا سدّباب کرنا چاہیے۔ یہ ارادہ کر کے فراینی پر تخریب عقائد واخلاق کی دفعہ عاید کر کے نہایت اہتمام سے مقدمہ

چلایا گیا، اور ایک ایسی عدالت مین پیش کیا گیا جسکے تمام جج نہایت درجہ محتاط، مستقل مزاج، وانصاف پرست ہونے کے ساتھ اسقدر مُسن تھے، کہ کسی کو یہ احتمال بھی نہ تھا، کہ ان پر جذبات کا جادو چل سکے گا، بہر حال مقدمہ پیش ہوا۔ برئیت جرم کی طرف سے یونان کا مشہور ترین وکیل، ہایپریڈس تھا، جو ملزمہ کے خاص شیدائیون مین تھا اُس نے اپنی طلاقت لسانی کی پوری طاقت صرف کر دی، مگر حقایق وواقعات کی سخت چٹان کے سامنے خطابیات کی موجین بے اثر رہین۔ جرم بالکل ثابت تھا، شہادت قطعاً غیر مشتبہ تھی، ججان عدالت کسی سخت سزا کا حکم دیا ہی چاہتے تھے، کہ دفعتہً فرائنی نے اپنے چہرہ کو بے نقاب کر دیا، اور صرف اسی پر اکتفا نہ کی، بلکہ ساتھ ہی اکبارگی اپنے جسم کا بالائی حصہ کمر تک عریان کر دیا۔ اس ادا کے ظاہر ہوتے ہی ججان عدالت بیخود ہو گئے۔ نگاہون مین خیرگی پیدا ہوئی، جذبات کشی، انصاف پرستی، فرض شناسی، خوف رسوائی، دیانت داری کی متحدہ قوتنے ہتیار ڈال دیئے، اور معاً کل کبیر السن، محتاط، ومعدلت شعار کرسی نشنیان عدالت نے متفقہ طور پر ملزم کی رہائی کا حکم سنا دیا۔

نفس انسانی کی ان نیرنگیون کے سامنے کیا دنیا کے کسی بڑے سے بڑے مضبوط ومستقل کیریکٹر کے شخص پر بھی اعتماد کامل کیا جا سکتا ہے؟

---

۱ ناظرین کو یہ خیال رکھنا چاہیے، کہ یونانی قانون مین لامذہبی کی تلقین واشاعت ایک شدید ترین جرم تھی جسکی سزا اکثر حالتون مین موت ہوتی تھی، سقراط اسی الزام مین شہید کیا گیا تھا۔

۲ بعض مورخون نے بالائی حصہ۔ جسم کی عریانی کی قید نہین لگائی ہے بلکہ صرف اتنا لکھا ہے کہ "فرائنی نے دفعتہً اپنے تئین برہنہ کر دیا"، مگر ہم نے اُن مورخون کا تتبع کیا ہے، جنکی روایت ناظرین کو نسبتہً کم مستعبد معلوم ہو گی۔

پیرمرد، عورت، بچہ، بلکہ کسی غیر مسلح جوان شخص پر بھی تلوار اُٹھانا آئین سپہگری مین شدید ترین معصیت ہے۔ بیگناہون اور کمزورون پر حملہ کرنا صرف قزاقون یا رہزنون کا شیوہ ہے، جو فوجی نقطۂ نظر سے انتہاے بزدلی کی علامت ہے اور جو فن سپہگری کے لیے داغ ہے، لیکن بااینہمہ جب جنگ شروع ہو جاتی ہے تو کتنے سپاہی کتنے افسران فوج، کتنے جنرل، اپنے تئین اُس طرز عمل سے بالاتر رکھ سکتے ہین، جسکا انتساب ایک سپاہی کے نام کے ساتھ اسکی انتہائی تحقیر ہے۔ رسالۂ ہذا زیر ترتیب تھا، کہ یورپ مین اُس عظیم الشان جنگ کے چھڑنے کی خبر آتی ہے، جسکے ہولناک نتائج کا تصور ہی ہر امن پسند و عافیت دوست شخص کے لئے روح فرسا ہے، اس جنگ مین وہ قومین شریک ہوتی ہین، اور نہایت فخر کے ساتھ شریک ہوتی ہین، جنھین اپنے تمدن، شائستگی، و علم پر ناز تھا، اور جن کے فضل و کمال کے سامنے، قدیم مصر، یونان، و روم کے کارنامہ بھی دب گئے تھے، انھین مہذب و شائستہ اقوام کی فوجین جسوقت قتل و خون کے اکھاڑے مین قدم رکھتی ہین، تو ان کی سفاکی، شقاوت، و سبعیت کے آگے، افریقہ کے وحشیون کو بھی شرم آنے لگتی ہے، پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہیے، کہ یہ فوجین تمام تر ادنی طبقہ کے افراد قوم پر مشتمل نہین ہوتین، بلکہ اکثر ان کا مقدمۃ الجیش اُن بزرگان قوم سے مرکب ہوتا ہے، جو حالت امن مین علم و فضل کے دیوتا سمجھے جاتے تھے، جرمنی ساری دنیا کو تہذیب و تمدن کے درس دینے کا مدعی تھا، لیکن یہی جرمنی قہر و غضب کا عفریت بنکر اُٹھتا ہے، اور لووین کے نہایت قدیم و مشہور کتب خانہ اور واجب الاحترام دار العلوم کو چشم زدن مین تودۂ خاکستر بنا دیتا ہے۔ ہیگل کو دنیا نے ہمیشہ

اس حیثیت سے جانا، کہ وہ علم الحیات کے۔ صدہا مسائل کا منکشف اور جرمنی کا وارد ان ہے، لیکن آج دفعۃً یہ حقیقت بے نقاب ہو کر آتی ہے، کہ وہ شمشیر بکف میدان جنگ مین اپنے ابنائے جنس کو خون مین غسل کرتے دیکھ کر مسرور ہو رہا ہے۔ پروفیسر ونٹ و منسٹربرگ نے اپنی ساری عمر نفسیات کے مباحث مین صرف کر دی، اور واقعہ یہ ہے، کہ آج اُن سے بہتر عالم اس فن کا تمام دنیا مین نہین، لیکن اس موقع پر وہ اسقدر حواس باختہ ہوتے ہین، کہ اپنی تمام قوت لوگون کو شرکت جنگ کی ترغیب مین صرف کر رہے ہین۔ اناطول فرانس اسوقت فرنچ انشا پردازون کا مسلم امام تھا، مگر جنگ کے شروع ہوتے ہی یہ نظارہ رونما ہوتا ہے، کہ اس کی انگلیان، قرطاس و قلم کی جگہ، سیف و تفنگ سے کھیل کر رہی ہین۔ انگلستان کا مشہور عالم کیمیائیات سر ولیم رامزے، کل تک جرمن علما ء سائنس کی مدح و ثنا مین رطب اللسان تھا، مگر آج اُسے یہ دفعۃً انکشاف ہوتا ہے کہ جرمن سائنس دانون مین اجتہاد و انکشاف، ایجاد و اختراع کی مطلق قابلیت نہین[1]۔

کیا ان حالات سے یہ صریح نتیجہ نہین نکلتا، کہ مہذب اشخاص ہمیشہ مہذب نہین رہتے، اور معقول پسند افراد ہمہ وقت معقول پسند نہین رہتے؟ علم و جہالت آدمیت و سبعیت، تہذیب و وحشت مین صرف چند سکنڈ کا آگا پیچھا ہوتا ہے اور دونون کے حدود ایک ہی جسم کے اندر باہم متصل و پیوستہ رہتے ہین۔

شریف خاندان کی باعصمت لڑکیان، شرم و حیا کی تصویر ہوتی ہین، ان کی

---

[1] رسالہ ”نیچر“ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۴ء۔

آنکھین فحش مناظر سے اور ان کے کان فحش الفاظ سے، یکسر نا آشنا ہوتے ہین، بلکہ اگر ان کے دماغ مین بھی اتفاقاً کوئی ایسا تصور پیدا ہوتا ہے، جس مین کوئی بعید سا بعید پہلو لذائذ جنسی کا نکلتا ہو، تو وہ فرط حجاب وحیا سے جھجک اُٹھتی ہین، لیکن یہی غیرت وناموس کی پتلیان جب اپنے تئین اپنے شوہرون کے آغوش اختلاط مین دے دیتی ہین، تو اسوقت ان کے جذبات شرم وحجاب، غیرت وحیا کو کیا ہو جاتا ہے؟ کیا ان کو اسوقت کی انتہائی بیحجابیون اور اپنے عام کیرکٹر مین کوئی تناقض نہین نظر آتا؟ نہین مطلق نہین۔

وہ فطرت کے اس قانون کے سامنے بے بس ہین، کہ اختلاف حالات کے ساتھ انسانی کیرکٹر کے رنگ لازماً بدلتے رہتے ہین۔

۱۸۹۵ء کا ذکر ہے کہ فرانسیسی اخبارات مین ایک مقدمہ کی بظاہر نہایت حیرت انگیز روداد شائع ہوئی ہے جسکے واقعات حسب ذیل ہین:- ایک مقام پہ کسی بچہ کی لاش پڑی ہوئی تھی، اتفاقاً ایک دوسرا لڑکا ادھر آنکلا، اور اس نے بیان کیا، کہ یہ تو میرے اسکول کے فلان دوست کی لاش ہے۔ اس پر اس کی مان کو خبر کی گئی، وہ آئی، اور لاش کو دیکھتے ہی چلائی، کہ یہ تو میرا بچہ ہے، پھر اُس نے اسکے جسم ولباس کو بغور دیکھکر کہا، کہ ‟اُسکی پیشانی پر جو نشان ہے، یہ خاص میرے بچہ کی شناخت ہے، معلوم ہوتا ہے کسی شقی نے اسے قتل کر ڈالا“ اس کے بعد اُس مان کے بہنوئی کو اطلاع ہوئی، جس نے آکر بیان کیا، کہ ہان یہ میرا پیارا بھانجہ ہے، حاکم کو شاید اب بھی تسکین نہین ہوئی، اُس نے مزید شہادت طلب کی

متعدد معزز گواہ پیش ہوے، اور سب نے بالاتفاق یہ گواہی دی، کہ یہ وہی لڑکا
ہے - انھین گواہون مین اُس لڑکے کے اسکول ماسٹر بھی تھے، جنھون نے ایک
بڑی شناخت یہ بتائی، کہ اس لاش کے گلے مین جو تمغہ پڑا ہے، یہ وہی ہے، جو
اس بچہ کو اسکول سے انعام مین ملا تھا کیا کسی دعوے کی تائید مین اس سے
زیادہ قطعی الدلالت شہادت آسانی سے تصور مین آسکتی ہے؟ لیکن واقعات
مابعد نے ثابت کر دیا، کہ یہ تمام ذخیرۂ شہادت مجموعہ خرافات تھا، جس لڑکے کی واقعۃً یہ
لاش تھی، وہ پیرس کا تھا ہی نہین، وہ بورڈو کا تھا، وہین قتل کیا گیا، اور اُس کی
لاش پیرس مین لاکر ڈال دی گئی، چنانچہ بالآخر خالو، استاد، کلاس فیلو، و دیگر
معززہ گواہون مین سے سب نے اپنی غلط شناسی کا اعتراف کیا،

جن لوگون کا یہ خیال تھا، کہ کسی رائے پر بہت سے اشخاص کا متفق ہوجانا
اسکی صحت و واقعیت کی دلیل ہے، وہ اس رُوداد کو پڑھ کر سوچ مین آگئے

صفحات بالا مین ناظرین کو متعدد واقعات سے، جو تاریخ یا روزانہ زندگی کے
مشاہدات سے ماخوذ ہین، روشناس کیا گیا - لیکن کیا ان، بہ ظاہر باہم غیر مربوط معلومات
کے اندراج سے ناظرین کی محض تفریح طبع یا ضیافت ذوق منظور تھی؟ نہین، انکا
اصلی مقصد، متفرق مادی مثالون کے ذریعہ سے ایک اہم ترین حقیقت نفسیاتی
کو ذہن نشین کرانا تھا جس سے لاعلم رہ کر کوئی شخص انسان کی حیات نفسی کے
حقیقی طریق کار کو نہین سمجھ سکتا اس سے ہماری مراد اس عام عقیدہ کی تغلیط
سے ہے، کہ انسان کا کیرکٹر یا مزاج شروع سے آخر تک یکسان رہتا ہے - فطرت

بشری کے متعلق جو خیالات عام طور پر شایع ہین، ان مین سے اس سے زیادہ بعید از واقعیت کوئی دوسرا خیال نہین۔ درحقیقت، نفس انسانی کی تشبیہ مطلقاً کسی صاف سطح سے نہین دی جا سکتی، جو یکسر ہموار ہو۔ وہ اگر سطح ہے بھی، تو ایسی جو متعدد ناہمواریون سے لبریز ہے۔ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ بجز اُن خصایص نوعی کے، جن کا ہر فرد بشر مین پایا جانا لازمی ہے، اور بجز اُن خصائص قومی کے جن کا کسی خاص قوم کے تمام افراد مین موجود ہونا ضروری ہے، افراد کے خصائص ذاتی تمامتر موثرات خارجی کے تابع و محکوم ہوتے ہین، اور چونکہ یہ موثرات خارجی ہر لحظہ تبدیل ہوتے رہتے ہین، اسلیے نفس بشری بھی ایک مستمر تلون کی حالت مین رہتا ہے، البتہ چونکہ یہ تغیرات عموماً خفیف مدارج اور تدریجی رفتار کے ساتھ واقع ہوتے رہتے ہین، اسلیے عام نظرون سے مخفی رہتے ہین۔ مگر جب کبھی ماحول یعنے گرد و پیش کے حالات مین کوئی غیر معمولی تغیر ہوتا ہے، تو اسکے ماتحت انسان کے مزاج و طبیعت مین بھی دفعۃً ایسا نمایان انقلاب ہو جاتا ہے، کہ ہر شخص کی نظر اُس پر پڑنے لگتی ہے۔ یہ بے شبہہ صحیح ہے کہ ہم اپنی روزانہ گفتگو مین ہر شخص کے ساتھ ایک خاص کیریکٹر یا افتاد طبیعت کا انتساب کرتے ہین، مثلاً فلان نیک چلن ہے، فلان بد مزاج ہے، فلان دانشمند ہے، فلان علم دوست ہے، لیکن اس سے ہماری مراد ہمیشہ یہ ہوتی ہے، یا یہ ہونا چاہیے کہ فلان شخص کا مزاج اس طرح کا صرف اوسطاً یا بہ لحاظ اکثریت حالات ہے، ورنہ نیک چلنی، بد مزاجی دانشمندی، علم دوستی، وغیرہ مین سے ایک خصوصیت بھی ایسی نہین، جسے کوئی شخص ہر حالت مین اور ہر موقع پر ملحوظ رکھتا ہو۔

اصل یہ ہے کہ انسان کی حیات نفسی دو بالکل مختلف ومتبائن عناصر سے مرکب ہے۔ اس کا ایک پہلو وہ ہے، جسے ہم نفس شاعرہ یا نفس ذاتی سے موسوم کرتے ہین، اور جسکے تحت مین وہ تمام کیفیات داخل ہین، جن مین انسان اپنے پورے شعور وارادہ سے پورا کام لیتا ہے۔ یہ شعبۂ نفسی، نظام عصبی کے مراکز اعلیٰ یعنے دماغ کا محکوم ہوتا ہے۔ اسی کے مقابل دوسرا عنصر، حیات نفسی کا وہ ہے، جسے نفس نیم شعوری یا نفس تحت الذات کہہ سکتے ہین، یہ اُن کیفیات پر مشتمل ہے جن مین انسان محض شعور خفی سے کام لیتا ہے، اور قوائے شعوری وارادی معطل رہتے ہین (مثلاً حالت خواب مین) یہ شعبۂ نظام عصبی کے مراکز ادنیٰ یعنے نخاع ونخاع مستطیل کا محکوم ہوتا ہے، حیات انسانی جن افعال کے مجموعہ سے عبارت ہے، انسان اگر اُن کی تحلیل کرے، تو معلوم ہوگا کہ اُنکا بیشتر حصہ اسی شعور خفی کی ماتحتی مین انجام پاتا ہے، افعال قسری[1]، افعال اضطراری[2]، افعال عادی[3] کے علاوہ جذبات، احساسات، معتقدات، ومحرکات عمل، عموماً اسی نیم شعوریت یا نفس تحت الذات کے مظاہر ہوتے ہین، اور اِن کے بعد جو کچھہ باقی رہ جاتا ہے، وہ اعمال عقلی کا حصہ ہے، جو دماغ کا محکوم ہوتا ہے۔ لیکن پھر غور کرو

[1] مثلاً حرکت قلب، دَوران خون، تنفس، اور معدہ، جگر، انتڑیون وغیرہ کے حرکات۔

[2] مثلاً کھانسنا، چھینکنا، ہنسنا، آنکھ جھپک جانا وغیرہ۔

[3] یعنے وہ افعال جنھین ابتداءً ہم نے قصد وارادہ سے اختیار کیا تھا، مگر اب وہ از خود ہم سے سرزد ہوتے رہتے ہین۔ مثلاً ہم ایک خاص انداز سے چلتے ہین، ایک خاص اسلوب نشست وبرخاست کا رکھتے ہین، ایک خاص لہجہ مین گفتگو کرتے ہین، اور یہ سب بربنائے عادت ہوتا ہے۔

کہ ان تمام چیزون کو حذف کرنے کے بعد، حیات نفسی کا جزو باقی ہی کون سا رہ جاتا ہے؟ سوا اسکے اور کچھ نہین، کہ مفردات تحت الشعور ہین، یعنے اُن اجزاء ذہنی ہین، جو شعور خفی کے عناصر ترکیبی کا کام دیتے ہین، ایک خاص نظم و ترتیب پیدا کی جاسکے۔ تو گویا شعور کا فریضۂ اصلی تمامتر یہ ٹھہرتا ہے کہ تحت الشعور کے مفردات متفرق ہین تنظیم و تنسیق پیدا کرے، اور دماغ کے وظیفۂ طبعی کا نچوڑ یہ آکر نکلتا ہے، کہ نخاع و نخاع مستطیل کے افعال و وظائف کی نگرانی کرتا رہے۔

اسکو زیادہ توضیح سے یون سمجھنا چاہیے، کہ خارج سے جو تہیجات آآکر ہر لحظہ نظام عصبی مین داخل ہوتے ہین، اور جو شعور خفی کے مواد کا کام دیتے ہین، وہ اکثر ایک دوسرے سے بالکل مختلف، بلکہ کبھی کبھی باہم بالکل متضاد و متناقض ہوتے ہین۔ ان کے تناقض کو اگر بدستور اسی حال پر چھوڑ دیا جائے، تو انسانی زندگی دشوار کیا معنی، ناممکن ہوجائے۔ پس لازمی ہے کہ ان تناقضات کو رفع کیا جائے اور شعور خفی کے متباین عناصر کو ایک خاص نظام و ترتیب کے ماتحت لایا جائے چنانچہ ایک خاص عضو، اسی مقصد کے لئے مخصوص ہے، اور اس کا نام دماغ ہے جسکے وظیفہ طبعی کو نفسیات کی اصطلاح مین وقوف، یا شعور عقلی کہتے ہین ہے فرض کرو، کہ زید ایک شخص ہے جسکے بعض افعال سے ہمین تکلیف ہوئی ہے اور بعض سے مسرت۔ تو ایسے شخص کو ہم اپنا محسن قرار دین گے یا دشمن؟ نظام عصبی مین اسکے متعلق دونون طرح کے تہیجات داخل ہوچکے ہین، دونون طرح کے نقوش قائم ہوچکے ہین، اور شعور خفی مین اسکے بارہ مین

دو متضاد رجحانات پیدا ہو چکے ہیں۔ اب ایسے موقع پر، اکثریت کی بنا پر کوئی فیصلہ کرنا، اور اس شخص کی طرف خوشی یا ناخوشی کا کوئی ایک جذبہ متعین طور پر قائم کرنا، دماغ کا کام ہے۔ یا مثلاً فرض کرو کہ ایک شخص ہمارا بہت بڑا دوست و محسن ہے، جو شروع سے برابر ہمارے ساتھ دوستی کرتا رہا ہے، مگر اب ایک خاص وقت پر اسکی طرف سے ہمیں سخت تکلیف پہونچی ہے، ایسی حالت میں ہمیں دفعۃً اشتعال ہوتا ہے، اور ہم بے اختیار یہ چاہتے ہیں کہ اُسے کوئی نہایت شدید سزا دیں۔ یہ خواہش، یہ جذبہ، یہ ہیجان، ایک نیم شعوری یا نخاعی فعل ہے، لیکن ہم ہی میں ایک دوسری قوت ایسی ودیعت ہے، جو انجام کار کا خیال دلا کر ہمیں اپنے ارادہ کو قوت سے فعل میں لانے سے روکتی ہے، یہ قوت عقل یا شعور عقلی کی ہوتی ہے، اور اسی کا مستقر دماغ [۱] ہے، خلاصہ یہ، کہ ہیجانات خارجی سے براہ راست متاثر ہونا، اور محرکات عمل کو بجنسہ قبول کرنا، نظام عصبی کے مراکز اسفل، یا نخاع و نخاع مستطیل کا کام ہے، اور ان افعال کی ایک افسرانہ حیثیت سے نگرانی کرتے رہنا دماغ کا کام ہے۔

لیکن دماغ و نخاع کا یہ تعلق صرف ایک عام حیثیت سے بیان کیا گیا

---

[۱] دماغ و نخاع کی ساخت، اور ان کے باہمی تعلقات کو سمجھنے کے لئے ناظرین کو "فلسفہ جذبات" کا باب دوم اول سے آخر تک پڑھنا چاہیے۔ یہاں اگر اس کا خلاصہ بھی درج کیا جائے، تو موجب طوالت ہوگا۔ نظام عصبی کے مراکز اعلیٰ و اسفل سے یہ مراد ہے، کہ عصبی مادہ کے جو خلایا (یا ذرات مدوّر)، نظام عصبی کے سب سے بالائی حصہ، یعنی دماغ کے اوپر نیچے ٹکڑوں میں ہوتے ہیں، وہ اعلیٰ مراکز عصبی کہلاتے ہیں، اور جو خلایا پست دزیرین قطعات، یعنی نخاع و نخاع مستطیل میں ہوتے ہیں، اُنھیں اسفل مراکز عصبی کہتے ہیں۔

جو بیداری کی حالت میں اوسطاً ہر فرد بشر کے ذہن میں پایا جاتا ہے۔ اور جب وقت
تک یہ تعلق قائم ہے، اُسی وقت تک یہ کہنا درست ہے، کہ نفس اپنی حالت
شاعرہ میں ہے، لیکن انسان کی زندگی میں ایسے مواقع بھی پیش آتے ہیں، اور
بہ کثرت پیش آتے رہتے ہیں، جب تعلقات کی یہ ترتیب اُلٹ جاتی ہے، دماغ
بجائے افسر و حاکم کے ماتحت و محکوم ہو جاتا ہے، اور وظائف نخاعی غلبہ و تصرف
حاصل کر لیتے ہیں، اس تعلق معکوس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی انسان کی سیرت
و کردار کے متعلق، اُسکے عام طرز زندگی کو دیکھ کر ہم نے اوسطاً جو نتائج نکالے تھے
وہ باطل ہو جاتے ہیں، اس سے جو توقعات قائم کیے تھے، وہ غلط ثابت ہونے
لگتے ہیں، اور خود وہ شخص اپنے تئیں جن مشاعر و افکار، احساسات و جذبات کا
حامل سمجھتا تھا، اب وہ اُس سے بالکل مختلف نظر آنے لگتے ہیں، اس قلب
ماہیت ذہنی، اس استحالہ نفسی کا بہترین نمونہ ہر شخص کو اپنے خوابوں میں مل سکتا
ہے، دن بھر کی محنت و مشغولیت کے بعد اعلیٰ مراکز عصبی کو یقیناً آرام کی حاجت
ہوتی ہے، جسے دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہیے، کہ وہ اپنے فرائض سے
معطل ہو جاتے ہیں، اور ان کے ذرات و خلایا میں بجائے حرکت کے ایک
طرح کا جمود آجاتا ہے، بس اسی کا نام نیند ہے، سو جانے پر، جب مراکز اعلیٰ
کے فرایض معطل ہو جاتے ہیں، تو مراکز اسفل کو غلبہ و تسلط کا موقع مل جاتا ہے،
اُسوقت انسان کی قوت فکر و عقل ماند ہوتی ہے، اب نہ وہ مآل اندیشی سے
کام لے سکتا ہے، نہ کسی قانون یا اخلاق کا پابند ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اپنے
تئیں وہ عجیب و غریب، بلکہ بعض مرتبہ سخت مضحکہ انگیز مناظر کا تماشا گاہ پاتا ہے

کبھی اُسے خواب مین یہ نظر آتا ہے کہ اُس نے اپنے عزیز ترین دوست کو قتل کر ڈالا ہے، کبھی یہ دیکھتا ہے کہ وہ خود قتل ہوگیا ہے، اور کبھی اپنے تئین ایسے سخت اخلاق شکن مشاغل مین مصروف پاتا ہے، جن کی طرف عالم بیداری مین کبھی اُسکا خیال نہین گیا تھا۔ سیرت (کیریکٹر) کا یہ غیر متوقع تغیر، یہ محیر العقول انقلاب، تمامتر معلول ہوتا ہے اسی دماغی تعطل اور نخاعی تسلط کا۔

مگر غلبۂ نخاعی کی یہ کیفیت، صرف عالم رویا پر موقوف نہین، عالم بیداری مین بھی اسی طرح کی حالتین ہم سب پر طاری ہوتی رہتی ہین۔ شدید دہشت وہراس کے عالم مین کس کے حواس بجا رہتے ہین؟ سخت اشتعال کی حالت مین کون شخص اپنے آپ مین رہتا ہے؟ جوش عشق مین کس کی نظر انجام پر رہتی ہے؟ فرط غم مین کس کے ہوش ٹھکانے رہتے ہین؟ اس قبیل کی کیفیات نادر الوقوع نہین، بلکہ کثرت سے پیش آتی رہتی ہین۔ ان سب مین مشترک یہ ہے کہ انسان سے اضطراراً ایسے افعال سرزد ہونے لگتے ہین، جو اُس کی عام سیرت کے بالکل منافی ہوتے ہین، اور جن کے ارتکاب کا اُسکی ذات سے سان وگمان بھی نہین ہوتا[1]۔ اس طرح شواہد سے اس حقیقت پر کافی روشنی پڑتی ہے، کہ سیرت بشری کی اوپری سطح کے نیچے بہت سے ایسے خصایص نفسی

---

[1] "اپنے آپ مین نہ رہنا"، "آپے سے باہر ہو جانا"، "بیخود ہو جانا"، "از خود رفتہ ہونا"، یہ اور اسی طرح کے دیگر محاورات جو زبان مین شائع ہین اُن سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ استحالۂ نفسی، عوام کے لیے بھی ایک غیر معلوم شے نہین، البتہ یہ ضرور ہے، کہ اس کی اصل ماہیت اور اہمیت سے بجز چند ماہرین فن کے اور کوئی باخبر نہین۔

مخفی رہتے ہین، جو سیرت نمایان کے بالکل منافی ہوتے ہین۔ معمولی حالات کے درمیان، یہ پردۂ خفا مین رہتے ہین، لیکن جب کبھی کوئی ایسا غیر معمولی واقعہ، کوئی ایسا قوی مہیج، رونما ہو جاتا ہے، جو اپنی اچانک تیزی و قوت سے عام نفسی توازن کو درہم و برہم کر دیتا ہے، اور نفس کے عناصر ترکیبی کے باہمی تعلقات کی فطری ترتیب اُلٹ دیتا ہے، تو یہ دبے دبائے جذبات اکبارگی نہایت خوفناک تیزی سے نکل پڑتے ہین، اور اپنی نیرنگیون سے دیکھنے والون کو محو حیرت کر دیتے ہین۔ اسفل مراکز عصبی کے سامنے اعلیٰ مراکز عصبی کی شکست قوائے نخاعی کے مقابلہ مین قوائے دماغی کی سپر افگندگی اور نفس تحت الشعور سے نفس شاعرہ کی مغلوبیت کا یہ ایک بالکل قطعی و لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ نفس بشری کے جن خصائص پر ضعف و مجہولیت کا پردہ پڑا ہوتا ہے، وہ دفعۃً نمایان ہو جاتے ہین، جو نمایان ہوتے ہین، وہ دب جاتے ہین، جس استعداد کا محض امکان ہوتا ہے، وہ قوت سے فعل مین آجاتی ہے، جس شے کو ذرا پیش تر خاکستر سمجھا جاتا تھا، اُسکے نیچے سے اکبارگی شعلے نکلنے لگتے ہین، اور بہیئت مجموعی سیرت بشری کے خط و خال مین، اسقدر عظیم الشان انقلاب ہو جاتا ہے، کہ ہر شخص کو خود اپنا عکس شناخت کرنا محال ہو جاتا ہے۔

تجربہ و مشاہدہ سے ثابت ہوتا ہے، کہ منجملہ دیگر اسباب کے، جو توازن نفس کو درہم و برہم کر دیتے ہین، اور سیرت بشری کی ہموار سطح کو شدت سے پُرشکن بنا دیتے ہین، ایک خاص و اہم سبب، اجتماع، یعنے افراد کا جزو جماعت بنتا ہے نفسیات اجتماع کی تفصیل تو آئندہ ابواب مین آئے گی، یہان صرف یہ بتانا ہے

کہ نفسیات فردیہ کیونکر نفسیات جمعیہ مین تبدیل ہوجاتی ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر، کن کن شرائط کے جمع ہوجانے پر نفس ذاتی کی قلب ماہیت ہوکر اُس مین نفس اجتماعی کے خصائص پیدا ہوجاتے ہین۔

نفس اجتماعی کی بابت اس سے زائد کچھ نہین، کہ وہ نفس ذاتی ہی ہوتا ہے، جس کا توازن طبعی مختل ہوگیا ہے، اس اختلال توازن کے اسباب جیسا کہ ڈاکٹر سیڈس نے بہ کمال وقت نظر تشخیص کیے ہین، حسب ذیل ہوتے ہین۔

(۱) **حرکات ارادی کی تحدید**۔ پہلا سبب، حالت اجتماع مین افراد کے اعمال وحرکات ارادی کا محدود ہوجانا ہے۔

اگر ہم اپنے نفس سے سوال کرین، کہ کیا شے ہے، جو ہم مین انفرادیت یا شخصیت کا احساس پیدا کرتی ہے؟ تو اس کا جواب صرف ایک ہوسکتا ہے یعنے ہماری نقل وحرکت ارادی، فرض کرو، کہ ہم سے نقل وحرکت ارادی کی قوت سلب ہوجائے، ہم اپنے قصد سے نہ بات چیت کرسکین، نہ چل پھر سکین نہ اپنی جگہ پر ہاتھ پیر کو جنبش دے سکین، تو پھر کیا شے باقی رہ جائے گی، جو ہم مین یہ احساس پیدا کرسکتی ہے، کہ ہم مستقلاً ایک نفس ذاتی یا ایک مستقل شخصیت رکھتے ہین یقیناً کچھ نہین۔ یا پھر، اسی طرح، اگر نفسیات طفولیت کا مطالعہ کیا جائے، تو معلوم ہوگا، کہ بچہ مین جذبہ انانیت[۱] ہمیشہ اسکی قدرت

---

[۱] ''انانیت'' سے یہان کبر وخود پرستی مفہوم نہین، بلکہ اُس سے مراد خود شعوری، یعنے نفس کے اس احساس سے ہے، کہ وہ اپنا ایک مستقل وعلیحدہ ذاتی وجود رکھتا ہے، (بقیہ بر صفحہ ۲۱)

حرکات ارادی کے تناسب ہوتا ہے۔ یعنے جسوقت تک بچہ حرکات ارادی پر قادر نہین ہوتا، اُس مین شعورِ ذات پیدا ہی نہین ہوتا، لیکن جون جون اُس مین نقل و حرکت ارادی کی قابلیت بڑھتی جاتی ہے، اُسی نسبت سے اُس مین اپنی شخصیت کا احساس بھی زیادہ وضاحت، زیادہ تیقن، اور زیادہ استحکام کے ساتھ پیدا ہوتا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ خود شعوری و حرکات ارادی کا نشو و نما پہلو بہ پہلو ہوتا ہے، اور اگر کسی ذریعہ سے حرکات ارادی محدود ہو جائین، تو لازمی طور پر ہمارا شعورِ شخصی بھی ماند پڑ جائے گا، اور نفس ذاتی کی قدرتی ساخت و ترکیب مین اختلاط انگیز فرق واقع ہو جائے گا۔

دلیل کا پہلا مقدمہ ہو چکا۔ دوسرا مقدمہ مشاہدہ کی اُس حقیقت پر مبنی ہے کہ جماعت مین، تحدید حرکات ارادی کی خصوصیت بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہے نتیجہ یہ نکلا کہ افراد جماعت کا شعورِ ذات، لامحالہ ناقص رہ جاتا ہے، اور اُن کے

(بقیہ از صفحہ ۲۰) انانیت، شخصیت، شعورِ ذات، الغوئیت، خود شعوری یہہ سب مُرادف اصطلاحات ہین۔ انانیت کی توضیح ہم نے "فلسفۂ جذبات" مین ان الفاظ مین کی تھی

"شیرخوارگی مین بچہ کا شعور جس ناقص حالت مین ہوتا ہے وہ ظاہر ہے، اسوقت تک وہ یہ بالکل نہین سمجھتا کہ وہ خود بھی کوئی ذات یا شخصیت رکھتا ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ سرے سے ذات یا شخصیت کا مفہوم ہی اسکی سمجھ سے باہر ہوتا ہے۔ البتہ جب اس دور سے نکلتا ہے، تب وہ سمجھنے لگتا ہے کہ مثل دیگر ہستیون کے وہ بھی ایک مستقل و قائم بالذات وجود رکھتا ہے، اور یہ کہ دنیا کی دوسری ہستیون کے مقابلہ مین اسکی ہستی قوی یا کمزور ہے۔ اس اپنی ذات، خودی، یا شخصیت کے شعور سے اُس مین جو کیفیت جذبی پیدا ہوتی ہے اسی کا نام جذبۂ انانیت ہے"۔ صفحہ ۱۹۰ و ۱۹۱

تو اسے دماغی کا میدان عمل تنگ و محدود ہو جاتا ہے، ہم مین سے کون شخص
ایسا ہے، جو کسی اجتماع عظیم کا جزو ہو کر پوری آزادی کے ساتھ نقل و حرکت
کر سکتا ہے؟ اور اگر نہین کر سکتا، تو ماننا پڑیگا، کہ اسکی سطح دماغی پست ہو گئی،
اور عقلی حیثیت سے وہ اُس مرتبہ پر نہین رہا، جس پر وہ جزو اجتماع بننے سے
پیشتر تھا۔ فطرت بشری کا یہ ایک ناقابل تغیر قانون ہے، کہ اجتماع کی وسعت
اور افراد کی خود شعوری کے درمیان تناسب معکوس ہوتا ہے۔

(۲) **سکون خیال و یکسوئی**۔ جماعت کی حیات شاعرہ کا دوسرا بڑا
دشمن، اُسکے افراد مین غیر معمولی سکون خیال، مرکز توجہ، و یکسوئی کا پیدا ہو جانا ہے۔
ناظرین مین سے جو لوگ خود مسمریزم و ہپناٹزم سے واقف ہین، یا کم از
کم جنھون نے دوسرون پر یہ عمل ہوتے دیکھا ہے وہ اس نکتہ کو آسانی سے
سمجھ سکتے ہین۔ ہپناٹزم کے عمل کے مختلف طریقہ ہین۔ بعض عامل، معمول کے
جسم پر اوپر سے نیچے کی طرف ہاتھ پھیرتے ہین، بعض اُس کی نگاہ بو تام یا کسی
اور چمکدار شے پر جماتے ہین، بعض اپنی نگاہ اسکی نگاہ سے لڑاتے ہین وغیرہ
لیکن ان سب طریقون مین، با این ہمہ اختلاف طرق مشترک یہ ہوتا ہے کہ معمول
کی توجہ اور تمام چیزون کی طرف سے ہٹا کر کسی ایک خاص شے پر محدود کر دی
جاتی ہے، تم نے خیال کیا ہو گا کہ عمل کرتے ہوے عاملین اسکا بھی خاص اہتمام
رکھتے ہین کہ کمرہ مین شور و غل نہ ہوتا ہو، اس کا مقصد بھی یہی ہے، کہ معمول کی
توجہ منتشر نہ ہونے پائے۔ ایسے موقع پر، نفسیات کی اصطلاح مین جو کچھ ہوتا ہے
وہ یہ ہے، کہ تہیجات درآمد کا راستہ اسقدر رُک جاتا ہے، کہ وہ یا تو نظام عصبی

مرکزی کے اُن قطعات تک پہونچنے ہی نہین پاتے، جہان پہونچکر حرکت عصبی
حالت شعوری مین تبدیل ہوتی ہے، یا اگر پہونچ بھی جاتے ہین، تو خلایا ے
مرکزی مین وہ حرکات نہین پیدا ہونے پاتین، جو تکوین حالت شاعرہ کی مستلزم
ہین، غرض بہر صورت عامل اپنی قوت ارادی سے کام لیکر، معمول کی توجہ کو
یکسو کر کے، اُسکا مرکز صرف اپنے احکام کو بنا لیتا ہے، اور اسکے سوا خارج
سے آنے والے تمام تہیجات کا دروازہ، معمول پر بند کر دیتا ہے، اس یکسوئی
خیال و مرکزیت توجہ کا جو اثر معمول پر پڑتا ہے، جس کو رانہ اطاعت کے ساتھ
وہ عامل کے تمام احکام کی تعمیل کرتا ہے، بلکہ جس قطعیت کے ساتھ وہ عامل
کے ہاتھ مین ایک بیجان آلہ بن جاتا ہے، اُس کا تماشہ ناظرین بارہا دیکھ چکے
ہون گے، اور اس سے یہ حقیقت اُن پر منکشف ہو گئی ہو گی، کہ یکسوئی خیال
و مرکزیت توجہ، حیات شاعرہ کے حق مین کس درجہ سم قاتل کا حکم رکھتی ہے۔

اب ذرا کسی اجتماع عظیم کا تصور کرو، اور دیکھو کہ اُس مین بھی اسی مرکزیت
توجہ کا کس قدر سامان جمع ہو جاتا ہے، سامنے پلیٹ فارم پر ایک سحر بیان
خطیب تقریر کر رہا ہے، موضوع تقریر کسی مذہبی یا سیاسی ہیجان سے
کام لیتا ہے، ہزارون آدمی سامنے ہین، لیکن خطابیات کی یہ سحر طرازی ہے
کہ ہزارہا متنفس مین اسوقت گویا ایک شخص بھی ذی روح نہین، ہر شخص ہمہ
تن گوش ہمہ تن چشم ہے۔ ہر کان، مقرر کی آواز کا استقبال کر رہا ہے، اور
ہر آنکھ اُسکے چہرہ پر گڑی ہوئی ہے۔ شور و غل کا نام نہین سکون و خاموشی کا
یہ عالم ہے کہ مکھی کی بھنبھناہٹ تک سنائی دیتی ہے۔ اور کرسی کے ہٹانے

یا کسی کو کھانسی آنے کا شعور تو نا قابل برداشت معلوم ہوتا ہے، ہر قلب گویا مسحور رہے، اور ایک ربودگی کے عالم مین کسی عجیب و غریب واقعہ کا منتظر و متوقع ہے، مشہور روسی انشا پرداز کونٹ ٹالسٹائے، ضمناً ایک موقع پر ایک مجمع کا مرقع ان الفاظ مین کھینچتا ہے:-

"مجمع پر ایک سکون کا عالم طاری تھا، اور ہر شخص گویا ایک دوسرے کو آگے کی طرف بلا قصد ڈھکیل رہا تھا۔ ایک دوسرے پر پلا پڑتا تھا، فضا آدمیون کی کثرت سے مسموم ہوگئی تھی، سانس لینا دشوار تھا، حرکت کرنا محال تھا، اور ہر شخص کسی عجیب غریب کسی پُر اسرار کسی عظیم الشان واقعہ کے انتظار مین تھا، غرض اس مجموعی حالت کا دیر تک قائم رکھنا ناممکن تھا، جو لوگ آگے کی قطارون مین تھے، اور جو سب کچھ دیکھ اور سُن رہے تھے اُن کی قطع یہ تھی، کہ مُنھ کھلے ہوے تھے، آنکھین پھیلی ہوئی تھین، اور اُن سے خوف و ہیبت ٹپک رہی تھی۔ اس وضع سے کھڑے ہوے یہ لوگ پشت والون کے دباؤ اور دھکّون کو روک رہے تھے"

غور کرو، یہ حالت بہ لحاظ سکون فکر یکسوئی ذہن، و مرکزیت توجہ، اُس حالت سے کس درجہ مشابہ و مماثل ہے، جو عمل ہپناٹزم کے وقت، معمول کی ہوتی ہے اور اسکا لازمی اقتضا یہ ہے، کہ افراد جماعت کی حیات نفسی مین قوائے نخاعی، قوائے دماغی پر غالب آجائین۔

(۴) سریانِ تاثیر۔ جماعت کی حیات شاعرہ کے قاطعات فہرست مین سب سے آخری، مگر سب سے جلی، عنوان اسکی اس خصوصیت کا ہے، کہ اُس مین ہر اثر غیر معمولی سرعت و قوت سے پھیل جاتا ہے۔

اسکے اثرات اسقدر واضح ہین، کہ غالباً کسی تصریح کی بھی حاجت نہین شخصیت کا اقتضا یہ ہے، کہ ہر فرد اپنی اپنی ذات کے تناسب، فکر، احساس، و ارادہ سے کام لے، اور ہر مہیج سے اسی قدر متاثر ہو۔ جتنا معمولی حالات کے درمیان اُسے انفرادً متاثر ہونا چاہیے۔ لیکن حالت اجتماع مین، شعور ذاتی کا یہ وصف امتیازی، مطلق نہین قائم رہنے پاتا۔ حالت اجتماع مین ہر مہیج اپنی عام و معمولی قوت سے سو گنی، ہزار گنی، لاکھ گنی، قوت حاصل کر لیتا ہے، جماعت کا ہر فرد جب نظر اُٹھاتا ہے، تو اُسے چارون طرف ایسے ہی لوگ دکھائی دیتے ہین، جو خود بھی اُسی طرح متاثر ہین، اور اس سے اُس فرد کا تاثر بدرجہا بڑھ جاتا ہے گویا ایک عام و مشترک مہیج کے علاوہ، جماعت کا ہر فرد بجاے خود، باقی ماندہ افراد کے لیے مہیج کا کام دیتا ہے، اور اسطرح ہر فرد مہیج اصلی کے علاوہ صدہا ہزارہا بلکہ بیشمار مہیجات سے متاثر ہونے لگتا ہے۔ یہین سے ڈاکٹر سیڈس نے اس کلیہ کی بنا ڈالی ہے، کہ جو جماعت جسقدر کثیر التعداد افراد پر مشتمل ہوتی ہے اسی تناسب سے اسکے ہر فرد مین قوت تاثر بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور یہ فوق الحد تاثر بداہتہً حیات شاعرہ کے منافی ہے۔ کلیہ مذکور کی توضیح مزید کے لیے ہم ایک مثال ڈاکٹر موصوف ہی کے صفحات سے نقل کرتے ہین۔ فرض کرو کہ ایک جماعت ۱۰۰۰ افراد پر مشتمل ہے، جس پر ایک سحر بیان خطیب کوئی

اثر ڈالنا چاہتا ہے۔ یہ بھی فرض کر لو، کہ جو اثر اُس خطیب کو پیدا کرنا مدنظر ہے اسکی قوت کا درجہ ۵۰ ہے، اور حاضرین مین سے ہر فرد مین اسکا صرف نصف ہی اثر پیدا ہو سکتا ہے۔ تو گویا خطیب، ہر فرد مین ۲۵ درجہ کا اثر پیدا کرتا ہے اور ہر فرد خود اپنی جگہ ہر دوسرے فرد مین $\frac{1}{2}$ ۱۲- درجہ کا اثر پیدا کرتا ہے۔ اس حساب سے خطیب کا پیدا کردہ اثر ہر فرد پر ۱۰۰۰ × ۲۵ یعنی ۲۵۰۰۰- درجہ کا ہوا، اور جو اثر ہر فرد نے ہر دوسرے فرد پر پیدا کیا ہے وہ ۱۰۰۰ + $\frac{1}{2}$ ۱۲ یعنی ۱۲۵۰۰ درجہ کا ہوا۔ اب اگر جماعت کے مجموعی تاثر کا حساب کرنا چاہین، تو افراد کی تعداد (یعنی ۱۰۰۰) سے اسے ضرب دیکر، اس مین اثر کا وہ درجہ جوڑ دین، جو خود خطیب نے پیدا کیا ہے (یعنی ۲۵۰۰۰) پس اس طرح جماعت کے مجموعی تاثر کا شمار (۲۵۰۰۰+ (۱۰۰۰×۱۲۵۰۰)) یعنی ۱۲۵۲۵۰۰۰ درجہ تک پہونچ جاتا ہے !!!۔

یہ لحاظ رکھنا چاہیے، کہ اس مثال مین افراد جماعت کی تعداد صرف ایک ہزار فرض کی گئی ہے۔ اس سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو، کہ جو جماعت ہزارون، لاکھون، بلکہ کرورون افراد پر مشتمل ہوتی ہے، اسکے مدارج تاثر کا حساب لگانا کیا بڑے بڑے ریاضی دان کے لیے بھی دشوار نہین ؟۔

بیانات بالا کا ماحصل ناظرین کے ذہن مین شاید دفعات ذیل کی صورت مین زیادہ محفوظ رہے :۔

(۱) افراد کی سیرت، یا کیرکٹر، عبارت ہے، اُن کے اُس کردار سے جو خود شعوری

شخصیت، یا انفرادیت پر مبنی ہوتا ہے،

(۲) انسانی زندگی مین ایسے مواقع بہ کثرت پیش آتے ہین، جب سیرت شاعرہ یا شخصیت، لاشعوریت سے مغلوب ہو جاتی ہے۔

(۳) اس مغلوبیت شعور و فنائ شخصیت کے باعث انسان سے اضطراراً ایسے اعمال صادر ہونے لگتے ہین، جو اسکی عام سیرت کے لحاظ سے نہایت حیرت انگیز، بلکہ بعض دفعہ اُس سے بالکل متناقض، ہوتے ہین۔ فرشتہ خود فقۃً شرارت مجسم ہو جاتا ہے، دانشمند احمق بن جاتا ہے، اور پیکر متانت، عفریت غضب ظاہر ہونے لگتا ہے،

(۴) اس تحت الشعور یا شعور خفی کی تکوین کا ایک نہایت اہم و نمایان مظہر نفوس انسانی کا حالت اجتماع مین ہوتا ہے۔

اسی اجتماع کے فلسفہ، یا زیادہ صحیح طور پر اسکی نفسیات کی تفصیل کرنا صفحات آیندہ کا فرض ہے۔
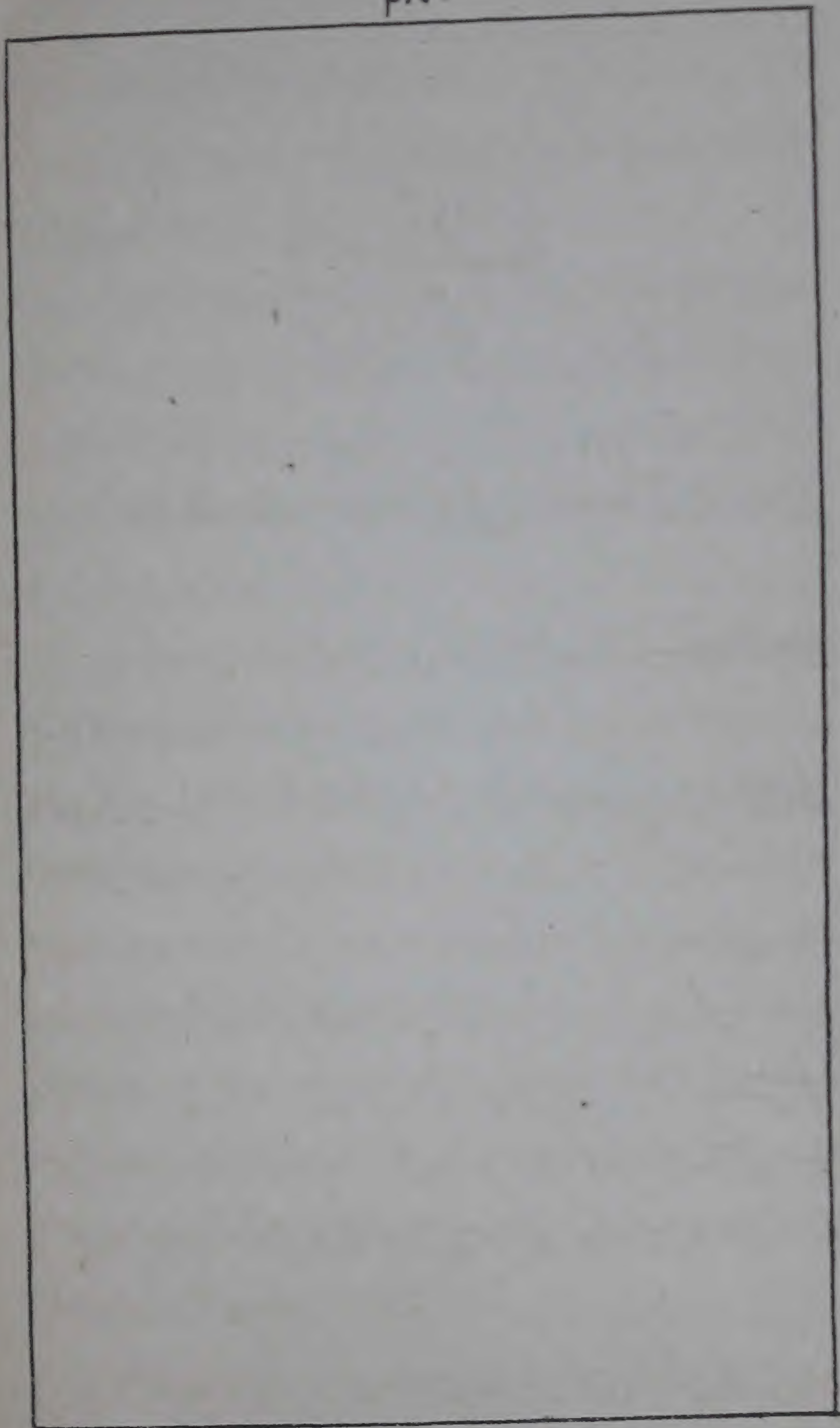
باب (۱)

جماعات کے اجمالی خصائص

جو لوگ اُس عالمگیر ناموس طبعی کے اصول و فروع سے واقف ہین، جسکا نام قانون ارتقاء ہے، انھین شاید یہ بتانے کی حاجت نہین کہ اس قانون کی ایک اہم ترین تفریع توارث عمرانی کا وجود ہے، میراث عمرانی کی اصطلاح اُن تمام چیزون پر حاوی ہے، جو کسی ہیئت اجتماعیہ کے افراد، اپنے اسلاف سے، کسی حیثیت سے، بہ طور ترکہ یا ورثہ کے پاتے ہین۔ دولت و جائداد، علوم و فنون، زبان و ادب، اخلاق و آداب، شرع و آئین، معتقدات و تخیلات، شاعر و افکار، احساسات و جذبات، حظوظ و آرام، غرض ہر وہ شے جو کسی حیثیت سے بھی ہیئت اجتماعی کے وجود کا رکن یا جزو بن سکتی ہے، اکسی جماعت کے قیام مین کچھ بھی معین ہو سکتی ہے، میراث عمرانی کے مفہوم مین داخل ہے،

یہ حقیقت غالباً کسی زیادہ تصریح کی محتاج نہین، کہ اگر یہ تمام چیزین

افراد کو اُن کی ولادت کے ساتھ ایک بڑی حد تک بنی بنائی اور تیار شدہ نہ مل جاتین، تو حیات اجتماعی کا شیرازہ چند روز کیا، چند لمحہ بھی بندھا نہین رہ سکتا تھا اور جب حیات اجتماعی کا قیام ناممکن تھا، تو ظاہر ہے کہ افراد کی ہستیان بھی تا دیر نہین قائم رہ سکتی تھین، غور کرو، کہ اگر ہمین پیدا ہوتے ہی اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے زبان نہ مل جاتی، تو ہم کیونکر اپنے ضروریات و حوائج کو دوسرون پر ظاہر کر سکتے؟ کیسے اپنے درد و غم مین دوسرون کو شریک کر سکتے؟ کس طرح اپنی تکالیف شاقہ دوسرون کی مدد سے رفع کر سکتے؟ یا اگر ایک متعارف نظام اخلاق و آداب پیشتر سے نہ موجود ہوتا، تو کیونکر ہم اپنے ابنائے جنس سے راہ و رسم پیدا کر سکتے؟ کس طرح فضائل و رذائل اخلاق کے درمیان حد فاصل قائم کرتے؟ کس بنا پر بعض افعال کو ترک اور بعض کو اختیار کرتے؟ یا پھر اگر دنیا مین قدم رکھتے ہی، ہمین خواص اشیا کا علم ایک بڑی حد تک ارثاً نہ حاصل ہو جاتا، تو لامحالہ ہمین اپنے گرد و پیش کی ہر چھوٹی سی چھوٹی چیز کا علم اپنے ذاتی تجربہ و آزمایش سے حاصل کرنا ہوتا، اور یہ یقینی ہے، کہ اسی دوران تجربہ مین ہمارا خاتمہ ہو جاتا، "آگ جلاتی ہے"، "پانی ڈبوتا ہے"، "زہر ہلاک کرتا ہے"، اگر اِن چیزون کا علم ہمارے ذاتی تجربہ و تحقیقات کا محتاج ہوتا، تو خود خیال کرو، کہ ہم مین سے کتنون کی جانین اسی تحقیقات کی نذر ہو جاتین! غرض اسی طرح میراث عمرانی کے جتنے مفردات ہین، غور کرنے سے اُن مین سے ہر عنصر کی عظیم الشان اہمیت ظاہر ہو گی، پس اگر افراد کو ان کی ولادت کے ساتھ ہی معلومات و احساسات کا ایک نہایت وسیع ذخیرہ، بلا ذاتی تحقیق و تفتیش شخصی

جد و جہد کے، محض ارثاً نہ حاصل ہوجایا کرتا، تو نظام جماعت کی شیرازہ بندی قطعاً ناممکن تھی، اور ساتھ ہی حیات انفرادی کی ایک ایک گھڑی خطرات و مشکلات سے لبریز ہوتی

لیکن، کیا اس میراث عمرانی مین ہر شخص برابر کا شریک ہوتا ہے؟ کیا اس نعمت عظمیٰ کو بھی اس ترکہ بیش بہا کے حصول کے لیے کسی قید و شرط کی حاجت نہین؟ کیا ہر وہ ہستی، جس پر انسان کا اطلاق ہو سکتا ہے، اس کی مساوی حقدار ہوتی ہے؟ مشاہدہ ان سوالات کا جواب نفی مین دیتا ہے دار و زندان کا وجود، پاگل خانہ و اصلاح خانہ کا قیام، پولیس و عدالت کی کارفرمائی یہ تمام واقعات زبان حال سے شہادت دے رہے ہین، کہ ہر شخص کو اس ورثہ مین یکسان حصہ نہین ملا ہے، بلکہ بہت سے افراد ایسے ہین، جو اس دولت سے ایک بڑی حد تک محروم ہین (مثلاً مجانین، حمقا، یا جرائم پیشہ گروہ)، اور اس محرومی کی سزا و پاداش کے لیے یہ مختلف ذرائع و مقامات عالم وجود مین لائے گئے ہین، اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ کیا اسباب ہین، جو بعض افراد کو اس علم ارث مین حصہ دار بننے کے ناقابل بنا دیتے ہین، اور اُن سے اسکی شرکت کی اہلیت و صلاحیت سلب کر لیتے ہین؟

اسکے دریافت کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے، کہ جن مختلف افراد یا طبقات سے اس ارث کے حصول کی قابلیت سلب ہوگئی ہے، یہ دیکھا جائے کہ اُن سب مین، باین اختلاف باہمی خصوصیات مشترک کیا ہین؟

اس نظر سے ہم سب سے پہلے مجانین کو لیتے ہین، خوب غور کر کے

دیکھو، کہ ایک دیوانہ یا مجنون، عام صحیح الدماغ افراد سے، کن حیثیات سے مختلف یا متمائز ہوتا ہے؟ صرف اس لحاظ سے کہ سوسائٹی نے جو آداب و ضوابط مقرر کیے ہین، وہ اسکی عقل و فہم کی دسترس سے باہر ہوتے ہین۔ سوسائٹی چاہتی ہے کہ مختلف اشخاص سے مخاطب ہوتے وقت فرق مراتب ملحوظ رکھا جائے، لیکن مجنون کو اسکا لحاظ نہین رہتا۔ سوسائٹی کا قانون ہے کہ ہر شخص کو اپنی تقریر کے مختلف حصون مین ایک ربط و نظم مرعی رکھنا چاہیے، مگر بیٹری سے اسکی پابندی نہین ہو سکتی، آئین معاشرت کا اقتضا یہ ہے، کہ ہر شخص لباس ساتر پہنے، لیکن دیوانہ کو عریانی محض مین بھی کوئی مضائقہ نظر نہین آتا، عدالت عمرانی کا فیصلہ یہ ہے، کہ کوئی شخص اپنے طرز عمل سے دوسرون کے اشتعال یا دل آزاری کا باعث نہ بنے، لیکن مخبوط الحواس کو اس طرح کی حرکات مین مطلق تامل نہین ہوتا غرض سوسائٹی، افراد کے ذمہ جو خدمات عاید کرتی ہے اور جن ذمہ داریون کی اُن سے توقع رکھتی ہے، مجنون انھین برتنا تو ایک طرف، انھین سمجھ بھی نہین سکتا، اور یہی اُسکا جنون ہے۔

بعینہ یہی حال اُن افراد کا بھی ہوتا ہے، جو احمق یا بدعقل کہلاتے ہین۔ اپنے گرد و پیش، اس قسم کے افراد کو دیکھو، تو صاف معلوم ہوگا، کہ یہ لوگ بھی اُن تعلیمات کو جو سوسائٹی ہر وقت دیتی رہتی ہے، جذب یا ہضم نہین کر سکتے۔ نظام اجتماعی اپنی ترقی یافتہ صورت مین، افراد سے چاہتا ہے، کہ وہ کافی قوت حافظہ رکھتے ہون، تاکہ اہم واقعات یاد رکھ سکین، ذہانت و قوت مشاہدہ رکھتے ہون، تاکہ خواص اشیا کو سمجھ سکین، قوت استدلال سے بہرہ ور ہون تاکہ استنباط

نتائج کرسکین، خاندان وجماعت کے متعلق اپنے عام فرائض انجام دین، دوسرون کے حقوق ادا کرسکین، اور حاکم ومحکوم، زن وشو، خورد وبزرگ کے فروق تعلقات کا لحاظ رکھین، لیکن احمق یا ناقص العقل، ان تعلیمات کو اخذ کرنے اور پھر اُن پر عمل کرنے کے ناقابل ہوتا ہے، اور اسی باعث ناقص العقل کہلاتا ہے۔

اور پھر نتائج کے اعتبار سے بالکل یہی کیفیت اُن افراد کی بھی ہوتی ہے جو جرائم پیشہ ہوتے ہین۔ البتہ عادی مجرم، اور مجنون ناقص العقل کے درمیان یہ فرق ہوتا ہے کہ بہ خلاف مجنون واحمق کے جو سوسائٹی کے آئین وضوابط کو گویا سمجھ ہی نہین سکتے، مجرم اُنھین سمجھتا ہے، مگر ان کے مطابق عمل نہین کرتا، وہ جانتا ہے، کہ بعض مقاصد کے حصول کے لیے سوسائٹی نے ایک خاص شاہراہ مقرر کردی ہے، مگر وہ اس پر نہین چلتا۔ وہ واقف ہے، کہ سوسائٹی کے فوائد کے لیے خاص خاص مواقع پر خاص خاص طریق عمل متعین ہین، مگر وہ عملاً ان کی تقلید نہین کرتا۔ خلاصہ یہ کہ گو وہ نافہم وبےعقل نہین ہوتا، تاہم اسکی قوت عمل، سوسائٹی کے اثرات سے غیر متاثر رہتی ہے۔

اب ہر سہ طبقات بالا یعنے دیوالون، احمقون اور مجرمون، کی جو سب کے سب میراث عمرانی سے محروم یا تقریباً محروم رہتے ہین خصوصیات مشترک پر یکجائی نظر کرنے سے یہ صاف معلوم ہوجاتا ہے، کہ جو شے ان سب مین عام ہے، وہ ان کا یہ وصف ہے، کہ یہ عقلی خواہ عملی حیثیت سے سوسائٹی کے اثرات وتعلیمات سے غیر مستفید رہتے ہین۔ اور اسی باعث حیات اجتماعی سے بیگانہ بلکہ ایک طرح پر خارج رہتے ہین۔ گویا نظام جماعت کی شیرازہ بندی تمام تر

اس امر پر منحصر و موقوف ہے، کہ افراد، سوسائیٹی کے اثرات و تعلیمات سے متاثر ہون۔ اس بنا پر کہہ سکتے ہین کہ حیات اجتماعی کا جوہر حقیقی یا مایۂ خمیر افراد کی تعلیم پزیری ہے۔

اور پھر یہ نتیجہ محض سلبی و منفیانہ شواہد سے نہین پیدا ہوتا، بلکہ اس کی تائید پر مشاہدہ کی ایجابی و ثبوتی شہادت بھی موجود ہے۔ ایک مرتبہ اور غور کرو، کہ جن اشخاص کی سوشل حیثیت سے نہایت قدر و عزت کی جاتی ہے، اُن کا وصف مخصوص کیا ہوتا ہے؟ صرف یہ کہ وہ سوسائیٹی کے مروجہ آداب و دستور سے خوب واقف ہوتے ہین، افراد کے باہمی فروق کو ہر جگہ ملحوظ رکھتے ہین، اور خردی و بزرگی، اُستادی و شاگردی، قرابت و ہم نسلی، اخوت و دوستی، زوجیت و فرزندی وغیرہ رشتوں کی پاسداری کسی وقت نہین چھوڑتے، شادی غمی، ولادت، موت، ازدواج، وغیرہ ہر تقریب مین وہ اپنا طرز عمل وہی رکھتے ہین جو ایسے موقع پر اپنے گرد و پیش رائج دیکھتے ہین۔ وضع و قطع، لباس و غذا، اور عام طرز معیشت کے بارہ مین، جس راستہ پر وہ اپنے ہموطنون اور ہمچشمون کو چلتے ہوے دیکھتے ہین، خود بھی انھین کے نقش قدم پر پڑ لیتے ہین، جو مسلمات و معتقدات انکی سوسائیٹی مین شائع و مقبول ہوتے ہین، اُن پر وہ بھی بلا تکلف ایمان لے آتے ہین، اور جو خیالات و نظریات اُن کے ہمنشینون مین غیر مقبول و مردود ہوتے ہین، وہ اُن کے نزدیک بھی مضحکہ خیز ہوتے ہین، جو اوصاف و خصائص اُن کے حلقۂ صحبت مین تہذیب، شائستگی، خوش مذاقی، یا کمال کے علامات خیال کیئے جاتے ہین، وہ اُن مین بدرجۂ اتم موجود

ہوتے ہین، اور جو چیزین اُن کی سوسائیٹی کے نقطۂ خیال سے بدمذاقی پر
دلالت کرتی ہین، اُن سے وہ بمراحل دور رہتے ہین، الغرض جو لوگ اپنے
حلقۂ احباب واعزہ کی زیب وزینت کا باعث ہوتے ہین، جو لوگ اپنی صحبت
مین ایک جوہر تابان کی حیثیت رکھتے ہین، جو لوگ روزمرہ کی حیات اجتماعی
کے رستمِ داستان ہوتے ہین، وہ ہمیشہ وہی اشخاص ہوتے ہین، جنھون نے
سوسائیٹی کی تعلیمات سے انتہائی استفادہ کیا ہے، اور جو سوسائیٹی کے اثرات
سے بدرجۂ غایت متاثر ہو چکے ہین۔ اور یہ اس امر کی ایک مزید شہادت ہے
کہ سوسائیٹی مین افراد کے مقبول ہونے، یا بہ دیگر الفاظ، ہیئت اجتماعی کے
بہ حُسن اسلوب قائم رہنے کا اصل الاصول، افراد کی تعلیم پزیری ہے۔

مگر، خود یہ تعلیم پزیری کیا شے ہے؟ اسکے معنے یہ ہین، کہ افراد، یعنے
متعلمین کے نفوس مین ایک خاص طرح کی لچک ہونی چاہیے، کہ وہ موثرات
خارجی کو جذب وہضم کرسکین، اور نہ صرف اسی قدر، بلکہ ان مین یہ خصوصیت بھی
ہونا چاہیے، کہ خود اپنی طرف سے کوشش کر کے اِن موثرات سے متاثر ہون،
تو گویا تعلیم پزیری مشتمل ہے، دو رُخ یا دو پہلوؤن پر، جن مین سے ایک حیثیت
انفعالی ہے یعنے وہ کیفیت جس مین نفس، موثرات خارجی سے متاثر ہو رہا
ہے اور دوسری فاعلی، یعنے وہ کیفیت جس مین نفس خود اپنے تئین موثرات
خارجی کے زیر اثر لا رہا ہے۔ اس دُہری کیفیت نفسی کو ادا کرنے کے لیے زبان
نے دو اصطلاحین مقرر کر دی ہین۔

ایک[1] محاکات (یا نقالی) یعنے نفس کی کیفیت فاعلی۔

دوسرے اثر پزیری یعنے نفس کی حیثیت انفعالی، پس یہ دو الفاظ
در حقیقت دو مختلف و متباین مفاہیم پر دلالت نہین کرتے، بلکہ ان اسماء کے
مسمی ایک ہی کیفیت کے دو پہلو، ایک ہی تصویر کے دو رخ، ایک ہی
واقعہ کی دو تعبیرین ہین۔ اور یہین سے اس قانون کی بنیاد پڑتی ہے، کہ
افراد کے نفوس مین قوت محاکات ہمیشہ انکی قوت اثر پزیری کے تناسب
ہوتی ہے۔

یہان تک ہم مختلف و متعدد شواہد کی بنا پر اس نتیجہ پر پہونچے کہ محاکات
یا اثر پزیری، حیات اجتماعی کے لیے بہ منزلۂ بنیاد کار کے ہے، اور مدنیت انسانی
کی جو کچھ مدح و ستایش کی جاتی ہے، وہ حقیقۃً اسکی قوت تقلید و محاکات ہی کی
مدح و ستایش ہوتی ہے۔ کس قدر صحیح کہا ہے پروفیسر جیمس نے کہ

"انسان اصولاً بس ایک تقلید کرنے والا حیوان ہے، اسکی
ساری تعلیم پزیری، بلکہ در حقیقت اسکی ساری ترقی تمدن کا دار و
مدار اسکی ایک اسی خصوصیت پر ہے، جیسے رشک، تفوق،
و مسابقت کی قوتون سے اور تقویت پہونچتی رہتی ہے"

(جیمس پرنسپلز آف سایکالوجی، جلد ۲۔ صفحہ ۴۰۸)

لیکن اگرچہ حیات اجتماعی کی تشکیل مین انسان کی قوت محاکات و تقلید
ایک نہایت اہم مرتبہ رکھتی ہے تاہم مزید غور سے معلوم ہوگا، کہ یہی اسکا عنصر
وحید نہین، بلکہ اس مین بہت بڑا دخل اسکی ایک اور خصوصیت کو بھی ہے

اسکا نام ہم تجدید شخصیت رکھ سکتے ہین، اس سے مدعا اس حقیقت کا اظہار ہے کہ افراد جون ہی جزو جماعت بنکر باہم تعاون شروع کرتے ہین ان مین یہ جدید خاصہ پیدا ہوجاتا ہے کہ ان کے ذاتی ارادے جماعت کے ارادے سے مغلوب ہوجاتے ہین، کائنات کے ہر شعبہ مین معاوضہ اور داد و ستد کا قانون جاری ہے، کوئی شے کسی کو بلا معاوضہ نہین حاصل ہوسکتی، ہر فرد، جو کسی جماعت کا جزو ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اُسی نظام جماعت کے طفیل مین امن سکون، و بیشمار حوادث سے تحفظ حاصل کرتا ہے، لیکن یہ بیش بہا نعمتین مفت نہین مل جاتین، ان کے لیے اُسے قیمت ادا کرنا ہوتی ہے۔ اور اس قیمت کی شکل یہ ہوتی ہے، کہ ہر فرد، جماعت کی خواہشات اور ارادون کے سامنے اپنے ذاتی خواہشون اور ارادون کی گردن جھکا دے،

یہ خصوصیت کچھ تنہا نوع بشر کے ساتھ مخصوص نہین، بلکہ مظاہر فطرت کے ہر گوشے مین اسکی جلوہ آرائیان نظر آتی ہین۔ اور یہ قانون جس طرح انسانی مجمعون پر عائد ہوتا ہے، اسی طرح ہر دیگر اجتماع حیوانات و جمادات پر محیط ہے یہانتک کہ یہ قانون اگر طبیعات کے کسی رسالہ مین درج کیا جائے، تو اس مین بھی یہ ویسا ہی موزون و منطبق ہوگا، جیسا رسالۂ ہذا مین۔ کیونکہ فی الحقیقت جس طرح کسی انسانی اجتماع مین افراد اپنی شخصی حریّت سے لازمًا دست بردار ہوجاتے ہین، بالعینہ اسی طرح ہر مادی اجتماع مین بھی ذرّات کی حرکت ایک بہت بڑی حد تک سلب ہوجاتی ہے، فرض کرو، کہ ایک لوہے کی سلاخ ہمارے سامنے موجود ہے، اور ہم اُسے چند ٹکڑون مین توڑنا چاہتے ہین

اسکی سب سے آسان صورت یہ ہے، کہ ہم اسے آگ پر گرم کرتے ہین، اور حرارت
پاکر وہ نرم ہو جاتی ہے، لیکن خود یہ حرارت پہونچانا، بجز اسکے کوئی معنی نہین
رکھتا، کہ ہم نے اس سلاخ کے ذرّات مین زیادہ انتشار پیدا کر دیا، یعنی اب
ہر ذرّہ سابق کی بہ نسبت بجاے خود زیادہ آزادی کے ساتھ متحرک ہو گیا۔ اور
اس طرح ہم مشاہدۃً اس نتیجہ پر پہونچ گئے، کہ کسی اجتماع مادی کے اجزاء ترکیبی
مین زیادہ آزادیِ حرکت پیدا کرنا، لازماً اس مین تفرق و انتشار پیدا کر دینا ہے۔
یا پھر فرض کرو، کہ ہمارے سامنے پانی رکھا ہوا ہے، اور ہم اُسے برف کی صورت
مین بستہ کرنا چاہتے ہین، اب اس غرض کے لیے ہم خواہ کوئی سا بھی میکانکی
طریقہ اختیار کرین، مگر اسکا ماحصل ہمیشہ یہی ہوگا کہ ہم اسکے ذرّات کی حرکت کو
محدود کر رہے ہین، اور جون جون یہ مفرد ذرّات زیادہ محدود الحرکت و بطی السّیر
ہوتے جائین گے اتنا ہی یہ باہم زیادہ پیوستہ و ملتصق ہون گے، اور اسی نسبت
سے انکے مجموعہ مین انجماد زیادہ بڑھتا جائے گا، جو اس امر کی مزید شہادت ہے
کہ انجماد و اجتماع کی قوت مین ذرات کی تحدید حرّیت کے مناسبت کے ساتھ،
اضافہ ہو جاتا ہے، طوالت کے خوف سے ہم یہان انھین دو مثالون پر اکتفا
کرتے ہین، ورنہ عالم مادّی مین اس قانون کے بیشمار نظائر مل سکتے ہین،

ہان تو جیسا ہم ابھی کہہ رہے تھے، یہ قانون جس قوت، وسعت و تعمیم کے
ساتھ کیمیائی مرکبات و میکانکی اجتماعات پر حاوی ہے، اسی قوت، وسعت و تعمیم
کے ساتھ انسانی اجتماعات پر بھی عامل ہے، بلکہ سچ یہ ہے، کہ ہمارے ذہن
مین کسی ایسی انسانی جماعت کا تصور پیدا ہونا ہی دشوار ہے، جسکے تمام افراد

مطلق الاختیار ہون، یا اپنی بڑھی ہوئی آزادی رکھتے ہون، کہ جو کچھ چاہین، بلا کھٹکے کر گذرین، ہم جب کسی جماعت کا تصور کرتے ہین، خواہ وہ کیسی ہی غیر منتظم وابتدائی صورت مین ہو، تو اس مین اتنا یقیناً پاتے ہین، کہ افراد کے آزادی اعمال کے لیے کچھ نہ کچھ حدود ضرور مقرر ہین، ورنہ کسی جماعت کا قیام ایک لمحہ کے لیے بھی ناممکن ہوگا، خود غور کرو، کہ جب ہر شخص اپنی اپنی رائے وخواہش کے مطابق کام کرنے کے لیے آزاد ہوگا، تو کیا صورت ہے، کہ مختلف اشخاص کی آرا مین اختلاف وتصادم نہ پیدا ہو؟ اور ظاہر ہے کہ یہ اختلاف باہمی، قیام جماعت ونظام اجتماع کے حق مین سم قاتل ہے، پس کوئی طریق عمل، خواہ عقلی حیثیت سے، کتنا ہی بیجا، نامناسب وغیر معقول ہو، لیکن اگر جماعت کے نزدیک متفق علیہ ہے، تو افادۂ اجتماعی اور بقاے جماعت کے نقطۂ خیال سے یقیناً قابل ترجیح ہے اُس طریق عمل پر جو، گو عقلی حیثیت سے کتنا ہی درست ومعقول ہو، مگر اس سے شیرازۂ جماعت کی پراگندگی، یا اجماع مین خلل اندازی کا احتمال ہو، بہ قول ڈاکٹر مرسیر کے، ذرا خیال تو کرو، کہ

"اگر کسی گلہ یا جھنڈ مین سے چند حیوانات ایک راستہ پر چلنے لگین اور چند دوسرے پر، یا بعض تیز چلین اور بعض سست، تو نتیجہ کیا ہوگا؟ یہ ہوگا، کہ گلہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیون مین تقسیم ہو جائے گا یا پھر اگر ہر جانور اپنا اپنا راستہ الگ اختیار کرلے، یا ہر جانور کی شرح رفتار، دوسرے سے مختلف ہو، تو نتیجہ یہ ہوگا کہ گلہ بالکل شکست ہو جائے گا، ہر جانور اپنی اپنی جگہ پر ممکن ہے کہ زندہ رہے

لیکن گلہ کا وجود تو سرے سے فنا ہو جائے گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ افراد کی حریت فعلی کی تحدید، حیات اجتماعی کے لیے قطعًا لازمی ہے، اور اسکے بغیر کسی جماعت کا قیام ممکن ہی نہین"

مختصر لفظون مین، محاکات و تقلید کے بعد جو شے حیات اجتماعی کے لیے سنگ بنیاد کا کام دیتی ہے، وہ افراد کی سلب حریّت و فنا، شخصیت ہے۔

اب حیات اجتماعی سے چند منٹ کے لیے قطع نظر کر کے نفس انسانی کے ایک اور قانون کی طرف متوجہ ہوتے ہین، وہ قانون یہ ہے، کہ وہ تمام خصائص نفسی جو تنازع للبقا مین کسی وقت نوع یا افراد کے لیے مفید رہ چکے ہین، وہ اس زمانہ مین بھی جبکہ انکی حیثیت افادی مٹ چکی ہے، پورے زور و قوت کے ساتھ ظاہر ہونے لگتے ہین، بشرطے کہ ان کے متلازمات، یا اُن متلازمات کے مماثل واقعات عالم وجود مین آجائین۔

یہ قانون علم النفس کے لیے اس لحاظ سے بالکل نیا ہے کہ نفسیات کے سارے لٹریچر مین ان الفاظ کے ساتھ اسکا اندراج کہین نہین مل سکتا اس بنا پر ممکن ہے کہ تعلیم یافتہ ناظرین، اسے تمامتر مصنف ہذا کا اجتہاد خیال کرین، لیکن درحقیقت یہ حُسن ظن مبالغہ آمیز ہوگا، جن لوگون نے ڈارون کی کتاب "مظاہر جذبات" Expression of Emotions کا مطالعہ کیا ہے، وہ واقف ہین، کہ اس محقق اعظم نے ایک جگہ اُن قوانین کو شمار کرتے ہوئے جن کے تابع جذبہ کے آثار جسمی ہوتے ہین، قانون التزام عوائد مفیدہ کا

ذکر کیا ہے۔ ہم نے اس کلیہ کی تشریح مع مثالون کے اپنی کتاب "فلسفہ جذبات"
مین کی ہے، جس مین سے ذیل کا طویل اقتباس موجودہ ناظرین کی واقفیت
کے لیے نقل کرتے ہین:-

"اس قانون کا منشا یہ ہے، کہ جو حرکات یا تغیرات جسمانی
کسی زمانے مین کسی خواہش کے پورا کرنے یا کسی ناگوار احساس
کے رفع کرنے مین معین تھے، انسان انھین نسلاً بعد نسلٍ
عمل مین لاتے لاتے اُن کا اتنا خوگرفتہ ہو گیا، کہ وہ اُصولِ
توارث کے بموجب اسکے نظام عصبی مین منقش ہو گئے ہین
اور گو اب اُن سے کوئی نفع نہ ہوتا ہو، لیکن ایک ضعیف صورت مین
وہ برابر اضطراراً واقع ہوتے رہتے ہین، اور اُنکی موجودہ ضعیف
و ہلکی صورت اُن کے سابق قوی و شدید صورت کی یادگار کا
کام دیتی ہے، اس قانون کے شواہد روزانہ زندگی مین نہایت
کثرت سے ملتے ہین۔ خطرہ سے بھاگنا، بداہۃً حفظ جان کے لیے
ضروری ہے، اور ابتداءً ہم نے اسے یقیناً اپنے ارادہ سے اختیار
کیا ہوگا، لیکن اب یہ حالت ہے، کہ کسی معمولی درجہ کے خطرناک
نظارہ کو دیکھ کر یا کسی مہیب آواز کو سُن کر ہم دفعۃً چونک پڑتے
ہین۔ یہ اضطراراً چونک پڑنا یا جھجک اُٹھنا اُسی ابتدائی عادت
فرار کی ایک ہلکی صورت ہے، جذبۂ خوف، صیانت حیات کا
آلۂ ایجابی ہے، یعنے اسی کی اعانت سے ہم اپنے تئین عوائق

مہلکہ سے محفوظ رکھتے ہین، لیکن غور کر کے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ خوف کے آثار جسمانی (بدن مین رعشہ پڑ جانا، دل دھڑکنے لگنا، آنسو بہنے لگنا، وغیرہ) تمام تر وہی ہین، جو کم و بیش قوت کے ساتھ کسی واقعی تکلیف یا مؤدی الی الفنا حالت مین انسان پر طاری ہوتے ہین۔

غصہ کی حالت مین ہم دوسرے پر جھپکتے ہین اسے اپنی گرفت مین لانا چاہتے ہین، اُسکی زدوکوب کرتے ہین، مگر ظاہر ہے کہ یہ تمام آثار جسمانی اُن حرکات کی یادگار ہین، جنھین ہمارے وحشی اسلاف اپنے مخالف کے فنا کرنے یا اپنے شکار کے ہلاک کرتے وقت عمل مین لاتے تھے۔ پھر غصے کی حالت مین ہمارے نتھنے پھول جاتے ہین، مگر یہ اس لیے کہ تنفس مین سہولت ہو، اور اسکا باعث یہ ہے، کہ انسان اپنے ابتدائی عہد توحش مین جب کسی دشمن یا شکار پر حملہ کرتا، تو اسکا کوئی عضو اپنے مُنھ مین دبا لیتا، اور اس طرح چونکہ مُنھ سے سانس لینے کا راستہ بند ہو جاتا، اس لیے ضرور تھا، کہ ناک کا منفذ تنفس زیادہ وسیع ہو جائے، اور یہ اسی زمانے کی یادگار ہے کہ آج غصہ کی حالت مین ہمارے منخرین پھول جاتے ہین، اور پھر اسی جذبۂ غضب یا زیادہ صحیح طور پر طعن کی (جو جذبۂ غضب ہی کی ایک شکل ہے) ایک خاص

علامت بالائی لب کا اوپر سکڑ جانا، اور اوپری قطار کے بعض دانتون کا کھل جانا ہے۔ اس واقعہ کی علت اگر تلاش کرنا ہو تو اس امر کو خیال رکھو کہ ہمارے اسلاف کے انیاب[1] بہت بڑے ہوتے تھے۔ جو فطری آلۂ حرب کا کام دیتے تھے، اور اس لیے حملہ کرتے وقت اُن پر سے گوشت کا پردہ ہٹا لینا، اور اِن کو باہر نکال لینا ضروری تھا، (جیسا کتّے غرانے اور حملہ کرنے کے وقت کیا کرتے ہین) ظاہر ہے کہ آج طنز و طعن کے وقت یہ فعل کچھ بھی مفید نہین ہوتا، تاہم اسکا وجود ایک گذشتہ مُفید فعل کی یادگار کی حیثیت سے باقی ہے۔ یا مثلاً کُشتی اور ہاتا پائی کے وقت، جس فریق کا رُخ آفتاب کی تیز شعاعون کی جانب نہ ہو گا، وہ یقیناً فائدہ مین رہے گا، پھر اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ کر دھوپ کی آڑ کرنا چاہے، تو یہ بداہۃً اسکے حق مین مضر ہو گا، پس اسکی بہترین صورت یہ ہے، کہ پیشانی پر از خود ایسی شکنین پڑ جایا کرین، جن سے آنکھین تمازت و خیرگی سے محفوظ رہین، اسی کا دوسرا نام تیور پر بل پڑ جانا ہے، اور گو آج اس سے غضبناک شخص کا کوئی نفع نہین ہوتا، تاہم بطور ایک گذشتہ فعل مفید کی یادگار کے،

---

[1] انیاب، سامنے کے وہ چار دانت (دو بالائی اور دو زیرین جبڑے مین) ہین، جو کسی غذا (مثلاً گوشت) کے پھاڑنے کا کام دیتے ہین۔

اب تک قائم ہے"

امثلۂ بالا سے، جو ڈارون و اسپنسر کے مذاق کے مطابق تھین، یہ بخوبی واضح ہو گیا ہو گا، کہ جذبات کے آثار جسمانی کی تشکیل مین، یہ قانون کس بڑی حد تک موثر ہے، لیکن ڈارون چونکہ نفسیات کا ماہر نہ تھا، اس سے سخت فروگذاشت یہ ہوئی، کہ اُس نے اسکا دائرہ عمل صرف جذبات تک محدود رکھا، حالانکہ اس قانون کے حدود ہرگز اتنے مختصر نہین، بلکہ اسقدر وسیع ہین کہ ان کے تحت مین تمام کیفیات نفس آجاتی ہین۔ جذبات کے متعلق متعدد مثالین ابھی گزر چکین، لیکن نظر دوڑاؤ، تو اسی کثرت سے ارادہ و توقف کے طبقات مین بھی اسکی مثالین ملین گی۔ ہم مین سے ہر شخص کچھ نہ کچھ خاص عادتین رکھتا ہے، اور اکثر یہ ہوتا ہے، کہ جسوقت وہ یہ عادات ابتداءً اختیار کرنے لگتا ہے، اُس زمانے مین یہ اس کے لیے مفید ہوتی ہین، لیکن امتداد زمانہ و تغیر حالات کے ساتھ عموماً اُن عادات کے فوائد جاتے رہتے ہین اور وہ عادتین بھی چھوٹ جاتی ہین۔ تاہم آیندہ چل کر جب اُن پچھلے حالات کے مشابہ و مماثل حالات محض اتفاقی طور پر جمع ہو جاتے ہین، تو وہ عادات سابقہ بلا قصد و ارادہ، بلکہ بعض مرتبہ باوجود ان کی روک تھام کی کوشش کے، اضطراراً عود کر آتی ہین، حالانکہ اب اُن کا وجود سراسر غیر مفید و بے موقع، بلکہ بعض مرتبہ، صریحاً مضر ہوتا ہے، ایک شخص اپنی طویل بیماری کے اثناء مین دواءً شراب استعمال کرنا شروع کرتا ہے، جس سے رفتہ رفتہ میخواری کی عادت پڑ جاتی ہے۔ آخر کار اُسے صحت ہو جاتی ہے، اور یہ عادت چھوٹ جاتی ہے۔ مگر ایک زمانہ کے بعد

اتفاقاً وہ شخص ایسے حالات کے درمیان آجاتا ہے، جو اسکے زمانۂ علالت کے حالات کے مماثل و مشابہ ہوتے ہین، ایسی حالت مین وہ شخص بے اختیارانہ جام کو منھ سے لگا لیتا ہے۔ یہ ایک مثال ہے انسانی ارادون کے طبقہ مین قانون مذکورۂ بالا کے عملدرآمد کی، اسی طرح وقوف کے دائرہ مین اگر قانون بالا کے نظائر تلاش کرتا ہون، تو یہ امر پیش نظر رکھو، کہ آج کل کے تعلیم یافتہ افراد کس کثرت سے اُن مسلمات و معتقدات کے پیرو ہین جو ایک زمانہ مین ناتربیت یافتہ نفوس کے حق مین ضروری و مفید تھے، مگر جنکا بطلان ایک تعلیم یافتہ دماغ کے لیے واضح بلکہ بدیہی ہے۔ آج بڑے سے بڑے حکماء عصر بھی اپنے ذہن مین غیر مادی ہستیون (مثلاً خدا، روح، وغیرہ) کے تصور کو، مادیت و تجسیم سے منزہ نہین کر سکتے۔ حالانکہ یہ عقیدہ ایسا ہے، جو گو ارتقاء انسانیت کی منازل اولین مین ضروری تھا، مگر آج عقلی حیثیت سے خود انھین لوگون کے نزدیک مضحکہ خیز ہے۔ غرض اس طرح نہ صرف جذبات بلکہ انسان کے وقوف و ارادہ کے طبقات مین بھی قانون مذکور کے متعدد شواہد ملتے ہین۔

ممکن تھا کہ اس موقع پر ناظرین کو حیاتیات کے اس مشہور قانون کی یاد دلائی جاتی، جس سے علم حیوانات کا ہر ابجد خوان واقف ہے جسکا منشا یہ ہے، کہ وہ خصائص جسمی جو بعض حالات مین نوع یا افراد کے لیے مفید ثابت ہوئے ہین، اپنے موافق، یا حالات سابقہ کے مماثل، حالات پاکر پھر ظہور کرنے لگتے ہین۔ اور پھر یہ ممکن تھا، کہ اس قانون کو اُس قانون سے ملا کر،

جسکی تصریح اوپر گزر چکی، ایک جدید قانون کی تدوین کی جاتی، جو اپنی وسعت کے لحاظ سے ہمہ گیر ہوتا، اور جو نفس و جسم، ذہنیات و مادیات دونون پر یکسان حامل ہوتا، لیکن ہم اسوقت نفسیات پر لکھ رہے ہین، نہ کہ الہیات و عام فلسفہ پر، اسلیے اس مبحث کو یہان قلم انداز کرتے ہین۔

ان بیانات کے خلاصہ کو اگر منطقی حیثیت سے ترتیب دینا چاہین، تو مقدمات ذیل کی شکل مین رکھ سکتے ہین۔

(۱) جو خصایص نفسی، کسی زمانہ یا بعض حالات مین، نوع یا افراد کے لیے مفید رہ چکے ہین، وہ اُن حالات کے مماثلات کے ظہور پر اضطراراً پیدا ہونے لگتے ہین۔

(۲) تقلید، تحدید حریت وغیرہ بعض خصایص نفسی، نظام اجتماعی کی تشکیل کے لیے بیحد مفید بلکہ لازمی ثابت ہو چکے ہین۔

ان مقدمات کے ملانے سے ہر معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ

آج بھی جب کبھی ایسی صورت پیش آجائے گی، جو کسی حیثیت سے ابتدائی نظام اجتماعی کے مماثل ہے، تو تقلید، تحدید حریت وغیرہ خصایص معلومہ اُسی زور و قوت کے ساتھ افراد مین اضطراراً پیدا ہوجائین گے۔

یہ ہے منطق کا وہ قیاسی نتیجہ جسکی تصدیق مشاہدہ کے استقرائی نتایج ہماری

عملی زندگی مین ہر ہر قدم پر کرتے جاتے ہین۔ مشاہدہ بتاتا ہے، کہ جون ہی چند افراد
مل کر کوئی جماعت قائم کرتے ہین، یا کسی خاص غرض مشترک کے لیے مجتمع ہوتے
ہین، ان افراد مین اُن کے عام خصائص ذہنی سے علٰحدہ، کچھ جدید خصائص
پیدا ہو جاتے ہین، اور یہ خصائص وہی ہوتے ہین، جن کے دم سے نظام
جماعت کا وجود قایم ہی، یا جو دکم از کم حیات اجتماعی کے لوازم مین داخل ہین
ان خصائص کا ایک اجمالی و سرسری ذکر تو اوپر گزر چکا، اب ان کے عنوانات
مہم کی تفصیل آیندہ ابواب مین ملے گی۔

مگر اس سلسلہ مین ناظرین کو یہ خوب ملحوظ رکھنا چاہیے، کہ رسالہ ہٰذا مین
جہان کہین جماعت کے خصائص بتائے گئے ہین، وہان "جماعت" سے
یہ مراد ہرگز نہین رکھی گئی ہے، کہ اُسکے اجزاء ترکیبی، یا افراد کسی جگہ اکٹھا بھی ضرور
ہون، افراد مین، نفس اجتماعی کے تمام خصائص پیدا کر دینے، یا انھین جزو جماعت
بنا دینے کے لیے، مادی یکجائی ہرگز لازمی نہین، بلکہ صرف اشتراک خیال
کافی ہے، جسے دوسرے الفاظ مین نفسی یکجائی کہہ سکتے ہین، اور جسکے لیے
انگریزی مین (Psychological Crowd) کی اصطلاح موجود ہے، صحرائے
افریقہ مین ایک کلمہ گو شہید کیا جاتا ہے، لیکن اسکے قاتلون سے نفرت و
انتقام کے جذبات ہندوستان تک مین پیدا ہو جاتے ہین، قیصر جرمنی سفیر
انگلستان کی توہین کرتا ہے، مگر ہزارون میل کے فاصلہ پر کناڈا و آسٹریلیا کی
نوآبادیان جوش غضب سے بیخود ہو جاتی ہین، آسٹریا کا ولیعہد سرویہ مین
قتل ہوتا ہے، مگر روئے زمین پر جہان جہان آسٹروی عشرتکدہ ہین سب مع

بیچراغ ہو جاتے ہین۔ یہ سب شواہد ہین اسی حقیقت کے، کہ نفس اجتماعی کے
تشکیل، جغرافیانہ حدود، یا کسی مادی وجسمانی اتصال پر موقوف نہین، بلکہ تمام تر
نتیجہ ہین نفسیاتی اتصال یا اشتراک خیال کا، بے شبہہ، مدنیت انسانی کے
دور اولین مین اشتراک خیال پیدا کرنے کا بھی ایک ذریعہ تھا، کہ افراد یکجا
مجتمع ہون، لیکن تمدن کی ترقی نے اب ایک مدت دراز سے نفس اجتماعی کی
تشکیل کو، افراد کی یکجائی وجسمانی اتصال سے بے نیاز کر دیا ہے۔ ہم قومی،
ہم مذہبی، ہم زبانی، ہم تعلیمی، ہم وطنی، ہم نسلی، وغیرہ ایسی متعدد قوتین پیدا
ہو گئی ہین، جو افراد کو، باوجود اُن کے درمیان ہزارون میل کے فاصلہ اور اُن
مین باہم مطلق شناسائی نہ ہونے کے جزو جماعت بنا دینے کے لیے بالکل کافی
ہین، پھر ان سب قوتون سے بھی بڑھ کر جن چیزون نے پچھلی دو ایک صدیون
سے عمل کرنا شروع کیا ہے، وہ وسائل سفر کی سہولت، اخبارات کا اجرا
اور کتابون کی اشاعت ہین، مختلف دماغون مین یکسانیت، مختلف افکار کی
ہم سطحی، مختلف اذہان کی ایک ہی محور پر گردش، اتحاد مقاصد، اتحاد اغراض
اشتراک خیال، غرض وہ تمام چیزین جو نفس اجتماعی کی مظاہر ہو سکتی ہین آج
دور دراز ملکون مین یکسان نظر آتی ہین۔ اور یہ اسی کا اثر ہے، کہ رسالۂ ہذا کی
ترتیب کے وقت، جنگ کے متعلق جو افواہین، رنگون و مدراس مین شایع
ہوتی ہین، معاً اُن کی صدائے بازگشت، کراچی و پشاور مین سنائی دینے لگتی
ہے۔ نفس اجتماعی بھی گویا ایک لہر ہے، جو بعض مواقع پر دنیا کے ایک سرے سے
دوسرے سرے تک دوڑ جاتی ہے۔

اس طرح یہ بھی بالکل ممکن ہے کہ کسی مقام پر محض اتفاقی اسباب سے ہزارہون لاکھون آدمی اکٹھا ہو جائین، لیکن اگر وہ سب ایک دوسرے کے خیالات واحساسات سے اجنبی محض ہین، اگر اُن کے درمیان کوئی اشتراک خیال نہین، اگر اُن کے اغراض متحد نہین، تو خواہ وہ کتنے ہی کثیر التعداد ہون، مگر افراد ہی رہین گے، اور اُن کے مجموعہ پر نفسیات کی اصطلاح مین جماعت یا اجتماع کا لفظ کبھی صادق نہ آئے گا۔

باب (۲)

ضعف عقل، تخئیل آرائی، مبالغہ پسندی

جماعت کے خصایص نفسی کا مجمل ذکر اوپر گزر چکا، اس اجمال کی تفصیل کرتے وقت جماعات کی جو خصوصیت سب سے زیادہ نمایان نظر آتی ہے، وہ انکی ضعیف العقلی ہے، جیسا پچھلے باب مین کہا جا چکا ہے، جس بنیاد پر نظام جماعت کی ساری عمارت قایم ہے، وہ اتحاد آرا ہے، اختلاف آرا حیات عمرانی کا قاطع ہے، کیونکہ جب ہر شخص نے اپنا راستہ علیحدہ اختیار کر لیا، تو گو مسافرون کا مجموعی شمار جون کا تون رہا، لیکن قافلہ کا وجود کہان باقی رہا؟ برخلاف اسکے، اگر جماعت کا کوئی متفقہ فیصلہ، چند یا اکثر ارکان کے لیے مضر یا مہلک ہی ثابت ہو، تو بھی دو چار، دس بیس، کچھ افراد تو آخر کار بچین گے، اور انھین بقیہ افراد سے نظام جماعت کا شیرازہ قائم رہے گا۔ پس اعمال اجتماعی کا مطمح نظر کھو خواہ محور فکر، یہ ہوتا ہے کہ اتحاد آرا قائم رہے، اور اس مقصد کے حصول کے لیے، جماعت ہر طرح کے ایثار، ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار رہیگی

لیکن یہ طریق تصفیہ، فصل خصومات کا یہ طریقہ، بداہۃً عقل و منطق کے مطابق فیصلہ کرنے کے منافی ہے، اسی لیے جماعت کے قوائے عقلی نسبۃً کمزور رہتے ہین۔ دنیا کی ہر زندہ شے کی طرح، عقل و فہم اپنے نشو و نما کے لیے اسکی محتاج ہے، کہ اس سے کام لیا جائے، لیکن جب اس سے عرصہ تک کام نہین لیا گیا تو اسکا قدرتی نتیجہ یہ نکلا، کہ بجائے نمو کے اس مین انحطاط پیدا ہو گیا، بجائے صیقل کے قوت تعقل، زنگ آلود ہو گئی، اور قوی ہونے کی جگہ اعمال فکری ماندپڑ گئے ہزارون لاکھون سال کے عمل متواتر سے یہ خصوصیت، جماعت کی سرشت و خمیر مین داخل ہو گئی ہے، اور اب اگر کوئی جماعت، من حیث الجماعت، اسکو اپنے سے علحدہ کرنے کی سعی کر رہی ہے، تو اسے یقین کر لینا چاہیے، کہ وہ ایک سعی لاحاصل مین مصروف ہے۔

تم نے بارہا یہ واقعہ دیکھا ہو گا کہ وہ افراد جن کو تم بہت بڑے عالی دماغ و معاملہ فہم خیال کرتے تھے، کسی کمیٹی یا انجمن مین شرکت کے لیے گئے ہین، مگر وہان جا کر انھون نے بعض ایسی رایون کا اظہار کیا ہے، جن پر ایک بچہ کو بھی ہنسی آتی ہے، تم نے یہ تماشہ بارہا دیکھا ہو گا، اور ہر بار اس پر حیرت کی ہو گی بلکہ بہت ممکن ہے کہ خود ذاتی طور پر تمھین اسکا تجربہ ہوا ہو یعنی تم کسی جلسہ مین کسی مسئلہ پر خوب تیار ہو کر گئے ہو، مگر وہان جا کر تمھاری زبان نے جن خیالات کو ادا کیا ہے، ان پر تمھین، جلسہ سے باہر نکل کر، عرصہ دراز تک افسوس یا ندامت رہی ہو، لیکن درحقیقت، اس طرح کے واقعات پر، تعجب، افسوس، ندامت سب لاحاصل ہے۔ ان نتائج مین نہ تمھارا قصور ہے، نہ کسی اور شخص کا، بلکہ یہ نتائج مین

خود حیات اجتماعی کی تشکیل کے ۔ نظام جماعت کی ساخت وترکیب ہی اس کی
متقاضی ہے، کہ اس طرح کے نتائج ظہور پذیر ہون ۔ افراد جسوقت سے جزو
جماعت ہونے لگتے ہین، اُسی وقت سے اپنی شخصیت کو خیرباد کہہ دیتے ہین، اور
یہ ظاہر ہے کہ ان کی عقل وفہم ان کی شخصیت ہی کے تابع ہوتی ہے ۔ کیا خوب
کہا ہے کی بان نے کہ ارسطو اسی وقت تک ارسطو ہے، جبتک ایک مصنف
محض کی حیثیت سے حجرہ نشین ہے، اور جسوقت وہ کسی جماعت کا رکن بنا
اُسی گھڑی سے منجملہ دیگر احمقون کے ایک احمق وہ بھی ہے ۔

قواے عقلی کے ماند پڑجانے کا ایک اثر یہ ہوتا ہے، کہ جماعت نہ تو
خود صحیح استنباط کرسکتی ہے، اور نہ دلائل وبراہین سے کوئی امر اسکے ذہن نشین
کیا جاسکتا ہے ۔ مہمل سے مہمل اعتراضات، اور ان کے مہمل تر جوابات دونون
اس کے نزدیک قابل قبول ہوتے ہین ۔ بحث مین متعلق وغیر متعلق کی تمیز
جاتی رہتی ہے، اور بڑے سے بڑے دور از کار جوابات سے اسکی پوری
تشفی ہوجاتی ہے، بشرطیکہ وہ خوشنما وپرشوکت الفاظ مین دیے گئے ہون جو
لوگ جماعت سے کام لیتے رہتے ہین، وہ اس نکتہ کو خوب سمجھ گئے ہین اور اپنی
تحریر وتقریر مین جماعت کی اس خصوصیت کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہین ابھی کچھ
زیادہ عرصہ نہین گزرا، کہ ہندوستان کے ایک اسلامی پرچہ کے اڈیٹر کو
جسکی زبان قلم پر ہر وقت قال اللہ وقال الرسول جاری رہتا تھا، کسی شخص
نے یہ لکھا کہ مجوزہ مسلم یونیورسٹی ایک خالص تعلیمی مسئلہ ہے، جسکے متعلق دیگر
فنون کی طرح، صرف ماہرین فن کی رائین قابل وقعت ہوسکتی ہین، اور آپ جو

غایت شغف و انہماک کے ساتھ اس پر مخالفانہ مضامین کا سلسلہ نکال رہے ہین، تو براہ کرم یہ فرمائیے، کہ خود آپ کو اس معاملہ مین بہ حیثیت ماہر فن کہانتک رائے زنی کا حق حاصل ہے؟ آپ نے مشرق یا مغرب کی کسی یونیورسٹی مین اعلیٰ یا ادنیٰ تعلیم پائی ہے؟ فن تعلیم کا کبھی مطالعہ کیا ہے؟ اصول تدریس و تربیت پر کبھی غور کرنے کا اتفاق ہوا ہے؟،، ان سوالات کے، جو اگرچہ ذاتیات پر مبنی تھے مگر ناقابل التفات نہین کہے جا سکتے، جواب مین اس ایڈیٹر نے بہ کمال جسارت اپنے پرچہ مین لکھا، کہ ،، الحمدللہ مین مشرق و مغرب کی کسی یونیورسٹی سے مستفید نہین ہون۔ البتہ مین نے استفادہ کیا ہے رب المشرقین ورب المغربین کی اُس رُوحانی یونیورسٹی سے، جس نے مجھے تمام کاغذی سند دینے والی درسگاہون سے بے نیاز کر دیا ہے،، غور کرو، کہ کیا اس جواب مین کچھ بھی معقولیت ہے؟ کیا اسے اصل سوالات سے کوئی لگاؤ ہے؟ لیکن چونکہ یہ خوشنما پُرشوکت الفاظ مین دیا گیا تھا، اور اس مین جس استدلال کی جگہ پبلک کے معتقدات مذہبی کو مخاطب کیا گیا تھا، اسلیے یہ نہایت موثر رہا ہندوستان کے اس سرے سے اُس سرے تک ناظرین کو بالکل معقول و تشفی بخش معلوم ہوا۔ ان ناظرین اخبار کی ایک بڑی تعداد تعلیم یافتہ اشخاص کی تھی، جو یقیناً بحث کے متعلق و غیر متعلق اجزا مین تمیز کر سکتے تھے، مگر چونکہ حیات شاعرہ پر نفس اجتماعی غالب آچکا تھا، کسی کو اسکا احساس تک نہوا، البتہ عام قوائے عقلی کے ضعف و انحطاط کے ساتھ، جماعت کی جس خصوصیت نفسی مین ترقی ہو جاتی ہے، وہ تخئیل ہے۔ جماعت کا تخیلہ اسقدر

غیر معمولی طور پر تیز و قوی ہوتا ہے، کہ وہ حقایق و واقعات کی دنیا سے بالکل الگ ہو کر تخیلات و مفروضات کے عالم مین رہتی ہے، کوئی تخیل خواہ کتنا ہی بعید از قیاس، مگر جماعت کے ذہن کی دسترس سے باہر نہین ہوتا۔ اجتماع نقیضین، اہل منطق کے نزدیک، محالات عقلی کی سب سے واضح و بدیہی مثال ہے، لیکن جماعت کی تخئیل کو اس مین بھی کوئی استبعاد نہین نظر آتا۔

اسی تخئیل کا ایک مظہر زود اعتقادی ہے، جماعت کا متخیلہ چونکہ غیر محدود ہوتا ہے، اور ساتھ ہی اسکی روک تھام کی جو زنجیرین عقل کی طرف سے عاید ہوتی ہین، وہ تقریباً یکسر حذف ہو چکی ہوتی ہین، اسلیے جماعت ہر خلاف عقل خبر کے باور کرنے اور ہر ناممکن واقعہ کو صحیح تسلیم کر لینے کے لیے مستعد رہتی ہے، سطور ہذا کی تحریر کے وقت (یعنے اکتوبر ۱۴ سنہ ۱۹ع مین) مصنف اپنے گرد و پیش یہ تماشہ دیکھتا ہے، کہ یورپ کی ہولناک جنگ کے متعلق ہر طرح کی بیسر و پا افواہین نہایت کثرت سے مشہور ہو رہی ہین اور وہ لوگ تک جو سوسائٹی مین اپنی تعلیم و واقفیت کے لحاظ سے ممتاز خیال کیے جاتے ہین، اُن پر بلا تامل ایمان لا رہے ہین۔ معمولی سیارہ، جنگ کے زمانہ مین، جماعت کو جرمن کا ہوائی جہاز نظر آتا ہے، جو روز شام کو شمالی ہند کی فضا پر منڈلایا کرتا ہے، اُسکی تیز چمک مین صاف برقی روشنی کی جھلک نظر آنے لگتی ہے، بلکہ اکثرون کو اُسکے اندر جرمن سپاہیون کی صورتین بھی بہت صاف دکھائی دیتی ہین۔ شاہ جارج لکھنؤ مین آ کر نظربند ہو جاتے ہین شاہ البرٹ، والی بلجیم، دہلی کے قلعہ مین پناہ گزین ہو جاتے ہین اور اسطرح کے

تمام مزخرفات پر ایمان لانے والے، ان کے سچے دل سے تصدیق کرنے والے محض ناخواندہ دیہاتی نہیں ہوتے، بلکہ گریجویٹ، وکیل بیرسٹر، تاجر، اڈیٹر، طبیب، ڈاکٹر غرض ہر طبقہ و درجہ کے ذمہ دار لوگ ہوتے ہین۔ نفس اجتماعی ہین زود اعتقادی و تخئیل آرائی کے سامنے عقل کی بے بسی کی، اس سے زیادہ واضح نظیر اور کیا ہو سکتی ہے!۔

بہ حیثیت مجموعی، جماعت کی حیات نفسی بہت کچھ بچون کی حیات نفسی کے مشابہ ہوتی ہے۔ کم عقلی بے غوری، جلد بازی، زود اعتقادی وغیرہ جیسے خصایص، بچون کی دماغی زندگی کے اجزاء امتیازی ہوتے ہین، تقریباً تمامتر وہی ہوتے ہین، جو جماعت کی بھی دماغی زندگی کے مواد کا کام دیتے ہین۔ اور یہ مماثلت بلاوجہ نہین جس طرح بچہ اپنی نشو و نما کی منازل مین اُن منازل ارتقائی کا گویا عکس ہوتا ہے، جو نوع نے اپنے ہر دور مین طے کی ہین، اور اس لیے شروع شروع اسکے خصایص بالکل وہی ہوتے ہین جو نوع انسان اپنے عہد ابتدائی مین رکھتی تھی، ٹھیک اسی طرح چونکہ جماعت بھی من حیث الجماعت، اسی ابتدائی عہد انسانیت کی یادگار ہوتی ہے، اسلیے اسکے خصایص مین اُن خصایص کا اعادہ ہونا لازمی ہے، جو دور توحش مین انسان کے لیے بہ منزلہ لوازم تھے، چنانچہ ہم مشاہدۃً یہی پاتے ہین کہ وہی زود اعتقادی نافہمی، کم عقلی وغیرہ خصایص جو انسانیت کے دور اولین کے یادگار ہین، اور جو موجودہ وحشی قبایل کے لیے مایۂ امتیاز ہین، انہین کی عہد ابے باز گشت آج اُن جماعات کے معتقدات و تخیلات سے ملتی

آتی ہے۔ جو تعلیم یافتہ و شایستہ افراد سے مرکب ہین۔

جماعت کی حیات نفسی کی اس سے بھی بہتر تشبیہ، بالغون کی اس کیفیت نفسی سے دی جاسکتی ہے، جو خواب کی حالت مین اُن پر طاری ہوتی ہے تم نے بارہا ایسے خواب دیکھے ہون گے، جن پر بیدار ہونے کے بعد تمھین سخت حیرت ہوئی ہوگی، بارہا تم نے خواب مین اپنے تئین ایسے افعال کا مرتکب پایا ہوگا، جو بیداری مین تم سے صادر ہونا ممکن نہین۔ عالم خواب و بیداری مین اس نامناسبت کا اصلی باعث یہ ہے کہ خواب مین ہماری شخصیت ہی نہین قائم رہتی، جو بیداری مین ہوتی ہے۔ بیداری مین ہمارا شعور جلی قائم رہتا ہے، ہم اپنے دماغ کے مراکز اعلیٰ سے کام لیتے ہین، اور اپنے افعال ارادی پر پورے حکمران و متصرف رہتے ہین۔ بہ خلاف اسکے خواب مین ہم خود اپنے حاکم و آقا نہین رہتے ہین۔ شعور جلی کے بجاے شعور خفی کام کرنے لگتا ہے، دماغ کے مراکز اعلیٰ معطل ہو کر اپنا کام نظام عصبی کے مراکز ادنیٰ کے سپرد کر دیتے ہین، اور ہمارے ہوش و حواس ہماری عقل و ارادہ کی دسترس سے باہر ہو جاتے ہین، اس تغیر حالات کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اضطراراً اپنے تئین خواب مین ایسے افعال کا مرتکب پانے لگتے ہین، جنکی اپنی ذات سے خود ہمین کبھی توقع نہین ہوسکتی تھی[۱]، اسکی وجہ ظاہر ہے،

[۱] حالی نے، جن کے عاشقانہ کلام مین بھی غالب کی طرح اکثر کوئی نہ کوئی حکیمانہ پہلو ضرور موجود ہوتا ہے ایک غزل مین یہ شعر کہا ہے،

رات انکو بات بات پہ سو سو دیے جواب ✣ مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا گمان نہ تھا ✣ (بقیہ بر صفحہ ۵۸)

یعنے یہی کہ خواب مین ہم وہ شخص ہی نہین رہتے، جو عالم بیداری مین ہوتے ہین اور نفس نومی کے مساوی ہی، غیر شعوری حالت نفس اجتماعی کی بھی ہوتی ہے، افراد جسوقت جزو جماعت ہونے لگتے ہین، تو اپنی شخصیت و انفرادیت سے پہلے ہی رخصت ہو چکتے ہین۔

عقل کی کمی اور تخئیل کی افراط کا ایک خاص مظہر یہ ہے، کہ استدلال و استشہاد، جماعت کے لیے بے معنی الفاظ رہ جاتے ہین۔ کسی دعوی کو باور کرنے کے لیے جماعتین نہ ثبوت کا مطالبہ کرتی ہین، اور نہ اسکے دلائل و شواہد کی تلاش کرتی ہین، بلکہ اِن کے یقین کے لیے صرف اتنا کافی ہوتا ہے، کہ جس شے کا انھین یقین دلانا منظور ہو، اسکی تصویر ان کی نظر کے سامنے پھر جائے کسی شے کا امکان، اور اسکی واقعیت، جماعت کے نقطۂ خیال سے، مرادف الفاظ ہین۔ اسی لیے اسرار جماعت کے رازدان جب اُسے کسی شے کی واقعیت کا یقین دلانا چاہتے ہین، تو اُس شے کا بیان نہایت تفصیل و توضیح سے کرتے ہین، جس سے اسکی تصویر کا ایک ایک خط و خال نظر کے سامنے آجاتا ہے، لیکن اسکی زحمت کبھی نہین گوارا کرتے، کہ یہ ثابت کرین کہ وہ واقعۃً موجود بھی ہے، ہم مین سے بہت لوگون نے شکسپیر کا ناٹک، جولیس سیزر،

(بقیہ از صفحہ ۵۷) واقعی شاعر کو ایسا موقع کہان نصیب ہو سکتا تھا، کہ اپنے محبوب سے رات مین تنہا ملے، مگر اتفاق سے ایسا موقع مل گیا، اس اچانک اور غیر متوقع اتفاق وقت نے شاعر کی زبان سے اُن خیالات کو ادا کیا، جن کی طرف خود اُسکا وہم و گمان نہین پہونچا تھا، اثنینیت نفس (Duality of mind) کی یہ کیا اچھی نظیر ہے!

پڑھا ہوگا، اس ناٹک مین انھین یہ منظر یقیناً یاد ہوگا، کہ جب سیزر قتل ہوچکتا ہے اور عام اہل شہر اسکے قتل کو نہ صرف اطمینان و پسندیدگی کی نظرون سے دیکھتے ہین، بلکہ اس پر بیحد جوش مسرت کا اظہار کرچکتے ہین، تو اسکے بعد سیزر کا ایک دوست انٹونی نامے آتا ہے، اور پلیٹ فارم پر کھڑے ہوکر سیزر کی حمایت وموافقت مین تقریر کرتا ہے۔ تقریر اگرچہ بہت طویل ہے، لیکن جانتے ہو کہ اس مین کیا ہے؟ کیا کہین واقعات کی مدد سے سیزر کی معصومیت ثابت کی گئی ہے؟ کیا اسکی برئیت مین کوئی استدلال پیش کیا گیا ہے؟ کیا کہین دلائل وشواہد کی بنا پر اسکے قاتلون کے بیانات کی تغلیط کی گئی ہے؟ نہین، یہ کچھ بھی نہین ہے۔ وہ ایک جگہ بھی یہ غیر ضروری زحمت اپنے سر نہین لیتا، کہ سیزر کا حق بجانب اور اسکے مخالفین کے برسر ناحق ہونے کا کوئی ثبوت پیش کرے وہ جو کچھ کرتا ہے، وہ صرف یہ ہے کہ سیزر کی عظیم الشان شخصیت، اسکی مظلومیت اور اسکی محسنانہ حیثیت کا بار بار ذکر کرتا ہے، تاکہ سامعین کے ذہن مین اسکی مظلومیت کی تصویر منقش ہوجائے۔ اور اپنی اس کوشش کو زیادہ موثر بنانے کے لیے وہ سیزر کی نعش پر سے چادر ہٹا دیتا ہے، اور زور دیکر کہتا ہے کہ ،، دیکھو اسکے جسم پر کس کثرت سے زخم لگائے گئے ہین! یہ کس بیدردی سے چور چور کیا گیا ہے،، بالغرض ہر طریقہ سے وہ اسکی مظلومیت ہی کے ہر پہلو کو نمایان کرتا ہے، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُسے اپنے مقصد مین پوری کامیابی ہوجاتی ہے، یہانتک کہ وہی اہل شہر جو چند گھنٹہ پیشتر سیزر کے قتل پر نعرہائے مسرت بلند کررہے تھے اب فوراً اسکے قاتلون سے انتقام لینے کے لیے چل کھڑے ہوتے ہین،

اور اس مثال کے لیے اتنی دور جانے کی کیا ضرورت ہے! آج خود
تمہارے گرد وپیش جن افراد نے جماعات کو اپنا معمول بنا رکھا ہے، جو شخص
ہیجانہ تحریر و تقریر مین مصروف رہتے ہین، اور جن لوگون نے اپنی خطیبانہ
قابلیت کو قیمت مین دیکر قبول عام و پیشوائی کا سودا کیا ہے، ان کا طریق
کار بعینہ یہی ہے، ان سب کی خصوصیت مشترک یہ ہے، کہ جب کوئی
اہم دعوی پیش کرتے ہین، تو اسکی اُن تمام درمیانی کڑیون کو، جو نفیاً یا
اثباتاً اسکے شواہد یا دلائل کا کام دے سکتی ہین، یا تو اپنے سلسلۂ بیان
مین سرے سے پی جاتے ہین، اور یا اگر انھین ظاہر بھی کرتے ہین، تو
اسقدر دبا کر کہ باوجود سامنے ہونے کے نگاہون سے مخفی رہین۔ اور اسکے
صرف اُن اجزاء کو خوب نمایان کرکے دکھلاتے ہین جن سے عوام کی قوت
متخیلہ خاص طور پر متاثر ہوتی ہے، مگر جو استدلالی حیثیت سے محض ناقابل
لحاظ ہوتے ہین، مثلاً جب وہ کسی انسٹیٹیوشن پر حملہ کرتے ہین، تو ان کی ساری
زبان آوری کا لب لباب اسی قدر ہوتا ہے، کہ "فلان انسٹیٹیوشن استبداد کا
مرکز ہے" "ہم استبداد کے دشمن ہین"، "ہم استبداد کو مٹا دینا چاہتے ہین"
"ہم قوم مین جمہوریت کی روح پھونکنا چاہتے ہین"، وغیرہ، لیکن یہ ثابت
کرنا یہ ہمیشہ نظر انداز کر جاتے ہین کہ جو خاص انسٹیٹیوشن ان کے حملون کا
ہدف ہے، اُس مین بھی وہ نقائص و معائب موجود ہین، جنکی بنا پر استبداد
علی العموم اسقدر بدنام ہے؛
اسی اسلوب بیان کی ایک دوسری شکل یہ ہے، کہ کسی مسئلہ پر بحث

کرتے ہوئے جو مقدمات متنازع فیہ ہین، اور جنکے طے ہونے ہی پر اصل بحث کا
دارمدار ہے، اُنھین اپنے موافق، مثل مسلّمات کے بیان کیا جائے، جن
مین اختلاف کی گنجایش نہین - اس سے نتیجہ خواہ مخواہ اپنے موافق نکلے گا
اور اس نتیجہ کو بہت آب وتاب سے اپنے مخالفین کے سامنے پیش کیا جاتا
حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ اگر وہ مقدمات، فریقین کو مسلّم ہوتے، تو اختلاف ہی
کیون پیدا ہوتا، نفس اجتماعی کا، مثل اُن تمام نفوس کے جو شعور خفی کی حالت
مین ہوتے ہین، یہ ایک وصف امتیازی ہے، کہ جو باتین اُسکے سامنے بطور
مسلّمات و متعارفات کے پیش کی جاتی ہین، انھین وہ بیچون وچرا تسلیم کرلیتا
ہے، اسلیے تمام ایسی تحریرین وتقریرین جو مقدمات مختلف فیہ کی اختلافی حیثیت
کو نہایت ہلکا بلکہ معدوم کرکے دکھاتی ہین - اپنے مقصد مین عموماً کامیاب
ہوجاتی ہین، یعنے مخاطبین فوراً انھین کے ہم نوا و ہم رائے ہوجاتے ہین -

اردو کا ممتاز ترین روزانہ اخبار، مجوّزہ مسلم یونیورسٹی پر دو کالمون کے
طویل آرٹیکل مین بحث کرکے یہ دکھانا چاہتا ہے، کہ گورنمنٹ کے حدود مداخلت
ہمارے لیے ناقابل قبول ہین، اس پر دلیل یہ پیش کرتا ہے، کہ یہ مداخلت
اس سے بہت زائد ہوگی، جتنی موجودہ حالت مین گورنمنٹ کو حاصل ہے،
اور یہ قومی خودداری کے منافی ہے، لیکن اصل سوال یہ ہے، کہ آپ خود
بھی تو اپنی موجودہ حالت سے بہت زیادہ بڑھنا اور پھیلنا چاہتے ہین
پس جب آپ اپنے حقوق وآزادی کو بدرجہا وسیع کرنا چاہتے ہین، تو کیون
نہ اُنھین کے تناسب سے اپنی ذمہ داریون و فرائض مین بھی اضافہ قبول

کیجیے (یہ ایک بالکل علیحدہ مسئلہ ہے کہ کون کون فرائض اُن حقوق کے متناسب ہین۔مگراس اصول کو تو بہر حال تسلیم کیجیے، کہ اضافہ حقوق کے ساتھ اضافہ فرائض بھی ناگزیر ہے) اخبار مذکور کے اصل الفاظ یہ ہین،

"سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ قابل لحاظ مسئلہ گورنمنٹ کی مداخلت کا ہے۔اس سے کوئی انکار نہین کرسکتا کہ گورنمنٹ کے لیے ایک حد تک اختیار مداخلت ضروری ہے۔لیکن جو اختلاف ہے وہ اسی حد کے تعین مین ہے۔ہمارے پاس ایک تعلیم گاہ پہلے سے موجود ہے جو اپنی اہمیت کے لحاظ سے کسی یونیورسٹی سے کم نہین ہے اور اس کالج مین خود بانی کالج نے جس سے زیادہ گورنمنٹ اور قوم دونون کا کوئی بکرنگ بھی خواہ نہین ہوسکتا گورنمنٹ کو مداخلت کے اختیارات دے رکھے ہین۔یہ مداخلت کالج کے قیام کے زمانے سے اب تک خود گورنمنٹ اور مسلمانون دونون کے نزدیک کافی سمجھی گئی۔اب اگر اس کالج کو یونیورسٹی کے درجہ تک ترقی دیجائے تو کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ ترقی معکوس کرکے بجائے اس کی آزادی مین اضافہ کرنے کے اس کی قیود بڑھائے جائین" (مورخہ ۱۱-اپریل ۱۹۱۵ء)

جن عبارات کو ہم نے زیر خط کردیا ہے، درحقیقت انھین کے طے ہونے پر بحث کا فیصلہ موقوف ہے۔وہی اصل متنازع فیہ مسائل ہین،

لیکن اخبار نویس انھین اس طرح بیان کر رہا ہے کہ گویا وہ حقایق مسلّمہ ہین، مخالف یقیناً کہہ سکتا ہے کہ اگر آپ کی موجودہ تعلیم گاہ واقعی "کسی یونیورسٹی سے کم نہین" تو آپ کیون اس قدر جد و جہد اُسے یونیورسٹی کے درجہ تک پہونچانے کے لیے کر رہے ہین؟ اسی طرح دوسری عبارت زیر خط مین بھی کافی اختلاف آرا کی گنجایش نکل سکتی ہے، یہ اخبار اپنے معاصرین مین نسبتہً بہت سنجیدہ لکھنے والا ہے، اس لیے اس نے ان اختلافی مسائل کا تذکرہ بھی کر دیا (گو اس کا مقصد اظہار اختلاف نہین بلکہ اظہار اجماع و اتحاد تھا) لیکن دوسرے اخبار نویس، جو اس فن مین زیادہ ترقی کر چکے ہین، ان چیزون کا نام تک نہین لیتے۔

تخئیل کو متاثر کرنے مین علاوہ اُن طریقون کے جن کا ذکر جستہ جستہ کتاب ہذا کے مختلف مقامات مین ملے گا، چار طریقہ خصوصیت کے ساتھ کامیاب ثابت ہوتے ہین۔

(۱) اول یہ کہ بجاے کسی شے کی بُرائیان یا خوبیان تفصیلاً ثابت کرنے کے اُس شے کا محض ذکر ایسے الفاظ کے ذریعہ سے کرنا، جو اپنے اندر بجاے خود رغبت یا نفرت کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہین، اصل یہ ہے کہ بعض محاسن و معائب کو ادا کرنے کے لیے زبان نے چند خاص الفاظ وضع کر لیے ہین۔ اب نفس اجتماعی کی ساخت، جماعت کو یہ غور کرنے کی مطلق اجازت نہین دیتی، کہ جن اشیاء کے متعلق اس طرح کے الفاظ استعمال کیے گئے ہین، اُن مین فی الواقع بھی یہ محاسن یا معایب موجود ہین یا نہین، جماعت

صرف الفاظ کو پکڑ لیتی ہے، اور اپنی عجیب و غریب منطق سے اس نتیجہ پر پہونچ جاتی ہے، کہ جس شے کے متعلق یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہین ضرور ہے کہ اُس مین فی الواقع وہی اوصاف موجود ہون، جن پر یہ الفاظ اپنے لغوی یا اصطلاحی معنے کے لحاظ سے دلالت کرتے ہین۔ اس طرح کے الفاظ عموماً ہر ملک اور ہر زمانے مین بدلتے رہتے ہین۔ فرانس مین ایک زمانے مین "حریت" "اخوت" "مساوات" اپنے اندر ایک طلسمی قوت رکھتے تھے۔ مگر اسوقت یہ قوت "حب وطن" "جرمن کشی" "انگریز دوستی" کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ ہندوستان مین بھی پیشتر اس طرح کے پُر قوت الفاظ کچھ اور تھے، مگر پچھلے سالون ہندوستانی مشاعر و احساسات نے جو کروٹ بدلی ہے، اسی کے ساتھ ان الفاظ کی فہرست بھی نئی ہو گئی ہے۔ قدیم اصطلاحات دفعۃً متروک ہو گئے ہین، اور ان کے بجاے جدید الفاظ نے وہ مرتبہ حاصل کر لیا ہے۔ مثلاً ادھر دو چار سال سے جو الفاظ اپنے اندر قبول عام و مرجعیت کے خزائن مخفی رکھنے لگے ہین اُن مین سے چند یہ ہین "حریت" "آزاد خیالی" "اشاعت مذہب" "وطن پرستی" "جمہوریت" "آئین دستور" "خدمت قومی" "روشن خیالی" "ایثار" "اصلاح" (اور ایک خاص حلقہ مین) "حسیات ملی" "قوم کا درد اور ٹیس" "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" "دعوت حق" اسی طرح ان کے مقابل، اُن الفاظ کا نمونہ جن سے کسی شے کو موسوم کرنا اسے ہر طرح کی تحقیر کا ہدف بنا دینا ہے، یہ ہے۔ "الحاد" "وہابیت" "استبداد" "قوم فروشی" "وفاداری" "اعتدال و متانت" "اہل حل و عقد"

"خان بہادر"، "تقلید" (اور ایک خاص حلقہ میں) "متفرنجین"، "منافقین" "مارقین"۔ اپنے گرد وپیش سے آج کسی ایسے مقرر یا اخبار نویس کو منتخب کر لو، جو جماعات مین خاص اثر ومقبولیت رکھتا ہے، تمھین اسکی ہر تحریر وتقریر مین یہ ملے گا، کہ وہ جس شخص یا جس چیز کو پبلک کی نظر مین معزز وممتاز یا رسوا وذلیل بنانا چاہتا ہے، اسکے لیے الفاظ بالا، یا اسی قبیل کا کوئی اور لفظ استعمال کر دیتا ہے، اور بلا تامل اپنے مقصد مین کامیاب ہو جاتا ہے۔

(۲) دوسرا اصول تخئیل کو متاثر کرنے کا یہ ہے، کہ واقعات کو کبھی سادہ و اصلی صورت مین نہ پیش کیا جاے بلکہ ہمیشہ مبالغہ شدید کا رنگ چڑھا کر انھین ظاہر کیا جاے، درحقیقت، تخئیل جس استعداد ذہنی کا نام ہے، اسکا اقتضا ہی یہ ہے، کہ اصلیت و واقعیت سے تجاوز کیے بغیر اسکی تشفی نہ ہو، حواس کا کام یہ ہے، کہ عالم خارجی کو جیسا کچھ پائین، بلعینہ اسی طرح اسکا ادراک نفس سے کرائین، اور قوت تعقل کا یہ کام ہے، کہ انھین تہیجات درآور ہ کے مواد سے افکار قائم کرے، اور اسی مواد کی بنا پر استنباط نتائج کرے۔ لیکن قوت تخئیل اپنے عمل کے لیے اُن تہیجات کی محتاج نہین، جو خارج سے آئے ہوتے ہین نظام عصبی مین جو کبھی کبھی خود تہیج پیدا ہو جاتی ہے، وہ اسی سے اپنا مادۂ عمل تیار کرتی ہے، اور اسی سے مختلف صورتین متشکل کر کے ذہن کے سامنے لاتی ہے، پس قوت متخیلہ کو آسودہ کرنے کے لیے لازمی ہے، کہ واقعات مین تصرف کیا جاے، تم نے خیال کیا ہوگا، کہ جو شعر جتنا زیادہ تخئیلی، یعنے روزمرہ کے واقعات سے ہٹا ہوتا ہے، اُسی قدر دلکش ہوتا ہے، اور اسکے برخلاف

سب سے زیادہ پھیکا اور بدمزہ شعر وہ ہوتا ہے، جس مین کوئی معمولی واقعہ سیدھے سادے الفاظ مین نظم ہوتا ہے۔ اسی طرح بچون کو دیکھو جنکی عقل ضعیف، اور تخئیل قوی ہوتی ہے، کہ وہ حقائق طبیعی کے مقابلہ مین معجزات وکرامات کو، اور واقعات تاریخی کے مقابلہ مین افسانون اور کہانیون کو کس دلچسپی اور ذوق وشوق سے سنتے ہین! اور جماعت بھی، خواہ اُس کے افراد کتنے ہی سن رسیدہ ہون، چونکہ عقلاً ہمیشہ بچون کے ہم سطح ہوتی ہے، اس لیے اس حیثیت سے وہ بچون سے مطلقاً ممتاز نہین ہوتی۔ یہی باعث ہے، کہ کوئی شخص، بغیر مبالغۂ شدید بلکہ غلط بیانیون کو کام مین لائے ہوئے دیر تک جماعات پر اپنا اثر واقتدار قائم نہین رکھ سکتا۔

(۳) تیسرا اصول، تخئیل کو متاثر کرنے کا وہی ہے، جسے ہم ایک ہی آدھ صفحہ اُدھر بیان کر چکے ہین، یعنے ہر واقعہ کو حتی الامکان تصاویر ومناظر اصلی کے ذریعہ سے ظاہر کرنا۔ کسی خیال کو عوام کے دل مین جمانے کا بہترین طریقہ اسکے متعلق وعظ کرنا نہین بلکہ تھیٹرون اور تماشون کے ذریعہ سے اُس خیال کو، ایک مجسم شکل مین جماعت کے سامنے پیش کرنا ہے، شعور خفی کا، جس سے نفس اجتماعی کا خمیر ہوتا ہے، یہ ایک خاصہ اساسی ہے، کہ افکار مجردہ وتعلیمات اسکے لیے یکسان ناقابل فہم ہوتے ہین، وہ صرف اس بیان کو سمجھ سکتا ہے، جس سے کسی واقعہ کی تصویر اسکے سامنے پھر جائے، اُس کو مخاطب کرکے یہ کہنا بالکل بے سود ہے، کہ "بعد مرگ، روح کو سرور ابدی حاصل ہوتا ہے" وہ اگر متاثر ہو سکتا ہے تو صرف اس طرح کے جملہ سے کہ "مرنے کے بعد

تھین بڑی بڑی اور چمکدار آنکھوں والی اچھوتی حورین ملین گی، کھانے کے لیے
دودھ، شہد، انار، انگور، اور ہر طرح کے تر و تازہ میوہ ملین گے، خدمت کے
لیے ہر وقت خوبصورت غلام کمربستہ رہین گے"۔ چنانچہ ہر کامیاب خطیب، ہر
صاحب اقتدار لیڈر، اور ہر بانی مذہب جبلۃً یہی اسلوب بیان اختیار کرتا ہے،
جماعت پر اس اسلوب بیان کی اہمیت اثر کا اندازہ کرنے کے لیے
یہ دیکھو، کہ خود افراد کی تخئیل اس سے کس درجہ متاثر ہوتی ہے! بچہ، عورتین، اور
ناخواندہ مرد، آلام دوزخ و لذائذ جنت کی تفصیل سے کیسا گہرا اثر قبول کرتے
ہین۔ ایک عام کلیہ کے طور پر اِن کے سامنے لاکھ یہ باتین بیان کرو، اُن پر کچھ
اثر نہ ہوگا، لیکن انھین چیزون کا اگر فوٹو ان کے آگے پیش کردو، تو وہ بے اختیار
ہو جائین گے، اس سلسلہ مین ایک قدیم تاجدار روس، ولیڈمیر کے قبول
مسیحیت کی جو حکایت بیان کی جاتی ہے، اُسکا اعادہ خالی از لطف نہوگا،
یہ فرمان روا، دسوین صدی عیسوی کے آخر مین گزرا ہے، اُسوقت تک مملکت
روس کا مذہب بت پرستی تھا، لیکن خود ولیڈمیر کو بعض اسباب کی بنا پر اپنے
آبائی مذہب کی طرف سے بے اطمینانی ہوتی ہے، اور وہ دیگر مذاہب کی جستجو
کرتا ہے۔ یہودیت، اسلام، وغیرہ متعدد مذاہب کے داعی آتے ہین، اور
اپنے اپنے ادیان کی تائید مین دلائل و براہین پیش کرتے ہین، جن سے بادشاہ
بالکل غیر متاثر رہتا ہے، آخرکار یونان کے پادری، سرشت انسانی کے
نکتہ رس، حاضر دربار ہوتے ہین، اور بجائے کسی استدلال کے بادشاہ کے
حضور مین ایک مرقع پیش کرتے ہین، جس مین روز حشر کا سین دکھایا گیا ہے

داہنے ہاتھ پر جنت کا نقشہ ہے، جس مین طرح طرح کی نعمتین جلب بصر کر رہی ہین، اور جس مین پیروان دین مسیح، خوبصورت حورون کے ہمراہ مصروف گلگشت ہین۔ اور بائین ہاتھ پر دوزخ کی تصویر ہے، جس مین آگ دہک رہی ہے، سانپ بچھو رینگ رہے ہین، اور منکرین مسیح، فرشتگان عذاب کے گرز اور طرح طرح کے مصایب کا شکار ہو رہے ہین، جہنم کا یہ منظر دیکھتے ہی ولیڈیمیر بے اختیار ہو جاتا ہے، اور اکبارگی چیخ اُٹھتا ہے، کہ مین مسیح پر ایمان لے آیا[۱]

اس طرح کے واقعات کم و بیش ہر شخص کو تلاش کرنے سے اپنے گرد و پیش مل سکتے ہین، اور انھین سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ جب افراد کی تخئیل، مرقع بیانی و مرقع نگاری سے اسقدر متاثر ہوتی ہے، تو جماعات تو اس سے صد چند، و ہزار چند متاثر ہون گی،۔

(۴) چوتھا اصول، تمثیل بیانی ہے، فرائض و توف کی اگر نہایت دقیق تعلیل کی جائے، تو بالآخر اُن کا ماحصل، اُنھین دو عنوانات پر آکر ٹھہر یگا، مختلف اشیاکے

[۱] بعض مورخون نے یہ حکایت اسی مقام پر ختم کر دی، بلکہ یہ بھی اضافہ کیا ہے، کہ اس فوری ہیجان کے بعد جب ولیڈیمیر کی طبیعت بحال ہوئی، تو اُس نے مختلف ممالک مین اپنے معتمدین بھیجے، کہ وہ وہان کے باشندون کے طرز زندگی سے اُسے مطلع کرین۔ یہ لوگ واپسی پر اپنے ساتھ مفصل رپوٹین لائے، جن مین ہر ملک کے باشندون کا حال شرح و بسط سے درج تھا، اتفاق سے ان مین بھی جس ملک کے باشندون کی راحت و فارغ البالی کے سب سے زیادہ کارنامے مندرج تھے، وہ عیسائیون ہی کی سلطنت تھی ان رپوٹون کو سنکر ولیڈیمیر کے رہے سہے تذبذب کا بھی خاتمہ ہو گیا، اور اپنے نزدیک گویا اُس نے تحقیق و تدقیق کے انتہائی مدارج طے کر لیے۔

فروق واختلافات کو دریافت کرنا، یا اُن کے مماثلت ومشابہت کو معلوم کرنا،
ان مین اول الذکر، نسبتہً دشوار ہے، اور اسکی فعلیت، وقوف کے کافی نشوونما
پر مشروط ہے، بہ خلاف اسکے آخرالذکر ایک ایسی آسان شے ہے، جسے وقوف
کا ادنیٰ سے ادنیٰ حصہ دار بھی بلاتامل انجام دے سکتا ہے۔ جاہل و وحشی افراد
خفیف سی خفیف مناسبت پر ایک شے کو دوسری شے سے تشبیہ دینے
لگتے ہین، حالانکہ انھین اشیا کے فروق واختلاف اُن کی نظرون سے مخفی
رہتے ہین، بچون کو دیکھا ہوگا، کہ کھیل مین وہ کیسی کیسی تشبیہون سے کام
لیتے ہین۔ معمولی چھڑی کو گھوڑا سمجھ کر اُس پر سوار ہوتے ہین، بڑے صندوق
اُن کو ریل کی گاڑیان نظر آتے ہین، معمولی کاغذ کو کبھی اپنا لباس قرار دیتے
ہین، کبھی اُس سے شامیانہ کا کام لیتے ہین۔ وقس علی ہذا۔ غرض یہ کہ تشابہ
اشیا سے اُن افراد کی تخئیل بھی متاثر ہوتی ہے، جنکی نظر ہنوز اس قابل
نہین ہوتی کہ فروق واختلافات اشیا پر پڑ سکے۔

یہی قوت، یہی اشیاء مختلف کے خصوصیات مشترک کو دریافت کرنے کی
قابلیت، وہ شے ہے، جسے تشبیہ، استعارہ، مجاز تعبیری وغیرہ مختلف طریقون
سے موسوم کرتے ہین، اور جسکے لیے یہان تمثیل بیانی کی جامع وحاوی اصطلاح
اختیار کی گئی ہے۔ ان سب کا مدعا یہ ہے، کہ جب کسی شے کو بیان کرنا منظور ہو
تو اس کا ذکر اُن چیزون کے مماثل کرکے کیا جائے، جن کی صحت وواقعیت
سے مخاطبین کے ذہن مانوس ہین، اس پیرایۂ ادا کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ہمارے
ذہن کی جو اذعانی کیفیت، مشبہ بہ کے متعلق تھی، وہی قدرتی طور پر مشبہ کے بابت

ہو جاتی ہے، اب اگر مخاطبین کے ذہن تربیت یافتہ ہین، اگر اُن مین قوت
تحقیق وتنقید کافی طور پر موجود ہے، تو شاید وہ اس انتقال جذبات کی
روک تھام کرے، لیکن جن لوگون کا شعور پست وادنی مدارج مین ہے،
وہ بلا تامل اپنے جذبات ومعتقدات کو مشبّہ بہ سے مشبّہ کی جانب منتقل کردیتے
ہین وگلاب، اگر روے یار کے مشابہ ہے، تو ضرور ہے، کہ اس مین بھی کچھ
محبوبیت ہو، حاکم وقت اگر ظل اللہ ہے، تو لازمی ہے کہ وہ بھی شان
ایزدی رکھتا ہو۔

اس طرز استدلال، یعنے ممثل لہ سے ممثل کے اوصاف وخواص کے
استنباط، کا بہترین مظہر نفس اجتماعی ہوتا ہے۔ جماعات پر کہ وہ استقرار کی رسائی
سے باہر ہوتی ہین، اگر اصناف استدلال مین سے کوئی شے موثر ہوسکتی ہے
تو وہ استدلال تمثیلی ہے لیکن اسکے لیے بھی یہ شرط ہے، کہ اسکی شکل استدلالی
نہ ہو، بلکہ تمثیل محض ہو، اگر استدلال کی صورت ہوئی، تو تشبیہ کے تام وناقص
ہونے کی بحث چھڑ جاے گی، وجوہ شبہ کے بابت سوالات ہونے لگین گے
اور اور بہت سی عقل آزمائیان شروع ہوجائین گی، بہ خلاف اسکے اگر تمثیل
محض ہوئی، تو علی العموم ذہن اسقدر جلد اثر وانقیاد کے رنگ مین دب جائیگا
کہ نقد ونظر کی گنجائش ہی باقی نہ رہے گی۔

اس عنوان کی مثالون کے لیے ہم قدرۃً سب سے پہلے اُس
"کتاب مقدس"، کی طرف رجوع کرتے ہین، جسکے کلام ربانی ہونے پر آج
پچاس کرور سے زائد افراد کا ایمان ہے، اور اسکے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے

کہ واقعۃً اسکی وسعت اثر و قوت کا ایک بڑا راز، اسکی تمثیل بیانی ہے۔ اسکا کوئی باب کہین سے کھول لو، اور یہ نظر آئے گا کہ تشبیہات و تمثیلات کا ایک دریا ہے، جو برابر بہتا چلا جاتا ہے، اور اپنے ہمراہ ناظرین کے اعتقاد کو بھی بہائے لیے جاتا ہے،

"کیا اندھے کو اندھا راہ دکھا سکتا ہے؟ کیا دونون گڈھے مین نہ گرین گے؟ شاگرد اپنے استاد سے بڑا نہین، کیونکہ ہر ایک جب کامل ہوا، تو اپنے استاد جیسا ہوگا۔ تو کیون اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے، اور اپنی انکھ کے شہتیر پر غور نہین کرتا؟ ... اے ریاکار! پہلے اپنی آنکھ مین سے تو شہتیر نکال، پھر اُس تنکے کو جو تیرے بھائی کی آنکھ مین ہے اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا۔ کیونکہ کوئی اچھا درخت نہین جو بُرا پھل لائے اور نہ کوئی بُرا درخت ہے جو اچھا پھل لائے۔ ہر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، کیونکہ جھاڑیون سے انجیر نہین توڑتے، اور نہ جھڑبیری سے انگور، اچھا آدمی اپنے دل کے اچھے خزانہ سے اچھی چیزین نکالتا ہے، اور بُرا آدمی بُرے خزانہ سے بُری چیزین نکالتا ہے۔ کیونکہ جو دل مین ہے، وہی اُسکے منھ پر آتا ہے،" (لوقا۔ باب ۶۔ آیت ۳۹-۴۵)

"پاک چیز کتون کو نہ دو۔ اور اپنے موتی سورون کے آگے نہ ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اُنھین پاؤن کے نیچے رَوندین، اور

پلٹ کر تمھین پھاڑین، (متی۔ باب ۷۔ آیت ۶۔)

"جھوٹے نبیون سے خبردار رہو، جو تمھارے پاس بھیڑون کے بھیس مین آتے ہین، مگر باطن مین پھاڑنے والے بھیڑیے ہین۔ اُن کے پھلون سے تم اُنھین پہچان لوگے، کیا جھاڑیون سے انگور یا اونٹ کٹارون سے انجیر توڑتے ہین؟ اسی طرح ہر ایک اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے اور بُرا درخت بُرا پھل لاتا ہے۔ اچھا درخت بُرا پھل نہین لاسکتا، اور نہ بُرا درخت اچھا پھل لاسکتا ہے۔ جو درخت اچھا پھل نہین لاتا وہ کاٹا اور آگ مین ڈالا جاتا ہے، پس اُن کے پھلون۔ سے تم اُنھین پہچان لوگے"۔ (متی۔ باب ۷۔ آیت ۱۵۔ ۲۰)

"کوئی شخص چراغ جلا کر تہ خانہ مین، یا پیمانہ کے نیچے نہین رکھتا بلکہ چراغدان پر رکھتا ہے، تاکہ اندر آنے والون کو روشنی دکھائی دے۔ تیرے بدن کا چراغ تیری آنکھ ہے، جب تیری آنکھ درست ہے، تو تیرا سارا بدن بھی روشن ہے، اور جب آنکھ خراب ہے، تو تیرا بدن بھی تاریک ہے، پس دیکھنا، جو روشنی تجھ مین ہے، تاریکی تو نہین۔ پس اگر تیرا سارا بدن روشن ہو، اور کوئی حصہ تاریک نہ رہے، تو وہ تمام ایسا روشن ہوگا، جیسا اُس وقت ہوتا ہے، جب چراغ اپنی چمک سے تجھے روشن کرتا ہے"

(لوقا۔ باب ۱۱۔ آیت ۳۳۔ ۳۶)

اس طرز عبارت سے ساری انجیل بھری پڑی ہے، مگر نمونہ کے لیے ہم صرف اُسکی ایک آدھ مثال کافی سمجھتے ہین۔ قرآن، اگرچہ اس باب خاص مین انجیل کی ہمسری نہین کرسکتا، تاہم جن لوگون نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے وہ خود سمجھ سکتے ہین، کہ اسکی تشبیہات و امثال بھی بسا اوقات کس قدر بلیغ ثابت ہوتی ہین۔

تمثیل بیانی کی یہ عظیم الشان قوت اُن لوگون کی نظر سے بھی مخفی نہین جو آج کسی مذہبی، سیاسی، یا نیم مذہبی نیم سیاسی مسئلہ کو جماعات کے دلون تک پہونچا دینا چاہتے ہین۔ یہ لوگ، اپنی تحریر و تقریر مین اسی انجیلی طرز بیان کی تتبع کی غیر مخفی سعی کرتے ہین، اور اسی کے بل پر اپنے مقاصد مین ایک خاص حد تک کامیاب بھی ہو جاتے ہین۔ ذیل مین دو ایک نمونہ اس طرز بیان کے بھی درج کیے جاتے ہین۔

موضوع تقریر۔ جنگ بلقان کے موقع پر مسلمانون کو ٹرکی کی اعانت کے لیے آمادہ کرنا۔ اسکی تمہید،

(۱) ”آپ مین سے اکثر حضرات کو معلوم ہے کہ بعض اسباب خاص سے اس عاجز نے عام مجالس کی شرکت قطعاً بند کر دی تھی، اور گزشتہ مجلس مین التجا کی تھی، کہ آیندہ اس خدمت سے معاف رکھا جاؤن، ارکان انجمن نے جب اسکی نسبت ایک خط لکھا، تو پہلے جی مین آیا کہ معذرت کے ساتھ انکار کر دون۔ لیکن اسکے بعد سوچا، کہ وقت تو وہ آگیا ہے، جب

گونگے بولنے لگین، اندھے دیکھنے لگین، لنگڑے چلنے لگین، اور بہرے سننے لگین، کیونکہ آج اسلام اپنے ہر پیرو سے اسکے آخری فرض کا طالب، اور اس شے کا خواستگار ہے جسکے بعد اسکے ذمہ اور کچھ باقی نہین رہے گا، اور وہ توحید الٰہی کے حق سے سبکدوش ہو جائے گا، پس جو زبان نہین بول سکتی اُسے بھی بولنے کی سعی کرنی چاہیے، اور جو قدم نہین اُٹھ سکتا اُسکو بھی چلنے کے لیے اُٹھنا چاہیے،،

تقریر مین یہ اس استعارہ طرازی، تمثیل کلامی و تشبیہ گفتاری کی بے ربطی پھر بھی کہین کہین نمایان طور پر محسوس ہو جاتی ہے، لیکن تحریر مین انجیلی تمثیل بیانی کا تتبع کامل تر ہو جاتا ہے،

(۲) ،، باغون کے سرسبز و نمودار درختون کی حفاظت کیجاتی ہے، مگر جنگل کے خشک درختون کو جلانا ہی چاہیئے۔ پس جس دل مین خلوص و صداقت کو جگہ نہین ملی اُسکو کامیابی کے لیے کیون باقی رکھا جائے،،؟

(۳) ،، شہد کو سب پسند کرتے ہین، مگر کُنین کے سفوف کو کوئی شہد کی آرزو و ذوق سے نہین کھاتا۔ پھول کے گلدستہ کے لیے کس کا ہاتھ ہے جو نہین بڑھے گا، لیکن نشتر کی نوک کے لیے کوئی بھی بیقرار نہین ہوتا۔ سفر کی کامیابی زاد راہ اور اسباب و سامان پر موقوف ہے، اور لڑائی بغیر شمشیر

وتفنگ اور سپاہیوں کی صفوں کے ممکن نہیں۔ یہ سب سچ
ہے، لیکن پھر یہ کیا ہے جسے اپنے گرد وپیش دیکھ رہا ہوں؟
(یعنی اپنے پرچہ کی مقبولیت) کیا اُس نیرنگ ساز کے عجائب
کاروبار نصرت کی آیات وآثار نہیں ہیں؟ اگر ہر کام کے لئے
اسباب وسامان مطلوب ہیں، تو ہمارے پاس کیا تھا؟ اگر
قبولیت ورجوع قلب کے لئے روش عام ضروری ہے، تو
ہمارے قدم تو اس طرف نہ تھے،... نرم ہاتھوں کو سب پسند
کرتے ہیں، لیکن سخت ہاتھوں کی گرفت کسی کو خوش نہیں آتی،،
(۴) "دنیا دار العمل ہے، اور جو کام کرنے والے ہیں وہ باغ و
چمن کے گوشوں ہی میں نہیں، بلکہ کانٹوں پر چل کر بھی کام
کرتے ہیں، خدا نے ہم سے کوئی معاہدہ نہیں کیا ہے کہ وہ ہمارے
وہم وخیال کے پیدا کیے ہوئے اسباب راحت ضرور مہیا کر ہی
دے گا، زندگی ایک میدان جنگ ہے، اور یہاں کام کرنے
کے یہی معنے ہیں کہ تلواروں کے سایہ اور نیزوں کی قطاروں
کے نیچے رہ کر کام کیا جائے۔ دریا کی موجوں میں تیرنے والے
اپنی راہ پیدا کر لیتے ہیں، لیکن کنارے کے عافیت پسندوں
کے لیے انتظار کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پس یہ جو کچھ تھا،
خواہ کتنا ہی سخت وشدید ہو، لیکن پھر بھی ہم اُسے اپنے لئے
کوئی قوی عذر جرم نہیں سمجھتے۔... البتہ یہ ہماری کمزوریاں

تھین، لیکن ذرہ روشنی سے محروم ہے، تو آفتاب درخشان تو اپنے نور بخشش کی ضیا سے عاجز نہین؟ باغبان کا ضعف اگر اسکو مہلت نہین دیتا کہ بیج بو کر اُسکی آبیاری کرے، تو باران رحمت کی فیضان بخشی تو اسکی تلافی کر سکتی ہے؟ یہ سچ ہے کہ ہم کمزور تھے اور کمزوریون مین مبتلا، لیکن وہ قدیر و حکیم تو کمزور نہ تھا، جو حق کو باوجود اسکے بے ساز و سامان ہونے کے نصرت بخشتا اور ضلالت کو باوجود اسکی طاقت کے شکست دیتا ہے،،۔

جس پرچہ سے اقتباسات بالا لیے گئے ہین، اسکی ایک ایک سطر اس طرز عبارت کے قوت موثرہ کی شہادت دے رہی ہے۔ درحقیقت اس طرز انشا کی، جو جماعات کی تخئیل کو متأثر کرنا اپنا وصف امتیازی رکھتی ہے، اُردو زبان مین بہتر سے بہتر نظیر رسالۂ مذکور کی فایل مین مِل سکتی ہے۔

باب (۳)

غلبۂ جذبات و اشتعال پذیری

جماعت کی صرف یہی خصوصیت نہین، کہ افراد کے مقابلہ مین وہ کم عقل ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی قابل لحاظ ہے، کہ اُسکی جتنی کچھ عقل ہوتی ہے، اُس پر بھی اُسکے جذبات غالب آجاتے ہین۔ جماعت کے جذبات اس قدر قوی ہوتے ہین، کہ اسکی عقل ہمیشہ اُن سے مغلوب رہتی ہے۔ اور ایسا ہونے کا ایک زبردست نفسانی سبب موجود ہے۔ اتنی بات شاید ہر شخص جانتا ہے، کہ حیات انسانی دو مختلف اجزا پر مشتمل ہے، ایک حیات نباتی، دوسرے حیات حیوانی اور انسانی زندگی کے تمام افعال ان ہی ہر دو اصناف مین منقسم ہین، مختلف حاسات سے متحس ہونا، کھانا، پینا، سونا، یہ سب اول الذکر کی مثالین ہین چلنا، پھرنا، اور اک سے کام لینا، حیات آخر الذکر کے مظاہر ہین۔ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے، اور اِس قدر ہر شخص اپنے انداز و قیاس سے بھی سمجھ سکتا ہے، کہ ان مین ترتیب زمانی کے لحاظ سے اول الذکر کو آخر الذکر پر تقدم حاصل ہے

تھ یعنے حیات نباتی جب سے قائم ہے، اُسوقت حیات حیوانی کا کہین وجود نہ تھا، بلکہ یہ اسکے مدتون بعد ظہور مین آئی ہے، اسکا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ حیات انسانی مین آج بھی پہلے اُن ہی افعال کا ظہور ہوتا ہے، جو حیات نباتی سے تعلق رکھتے ہین، اور بعد مین اُنکا جو حیات حیوانی سے متعلق ہین۔ بدل ما تحلل کی ضرورت، گرمی و سردی کا احساس، خواب کی احتیاج، یہ چیزین بچہ مین تقریباً ولادت کے ساتھ ہی پیدا ہو جاتی ہین۔ برخلاف اسکے، چلنے پھرنے کی قوت، اور قواے مدرکہ سے کام لینے کی قابلیت کہین ایک مدت مین جاکر آتی ہے۔ یہ کیفیت صرف جسمانی زندگی کی نہین، بلکہ ذہنی زندگی کی بھی ہوتی ہے، چنانچہ شعور کے ابتدائی مدارج مین وہی خصایص نفسی ظہور پذیر ہوتے ہین، جن کا تعلق احساس سے ہوتا ہے، اور اگر خصایص عقلی ظاہر ہوتے بھی ہین، تو اُنھین خصایص احساسی کے تابع و مغلوب رہتے ہین۔ اسی لیے تم دیکھتے ہو، کہ بچون، عورتون، اور وحشیون کے جذبات کس قدر قوی ہوتے ہین، اور اُن کی عقل اُنکے جذبات کے سامنے کیسی مغلوب و بےبس رہتی ہے، ان مختلف طبقات مین قدر مشترک یہ ہے، کہ ان کے شعور کا نشو و نما کامل نہین ہوتا، اور جس مین شعور کا نشو و نما کامل نہ ہوگا، اُسکے جذبات اُسکی عقل پر غالب رہین گے۔ اب چونکہ یہ خصوصیت (یعنے شعور کی عدم تکمیل) جماعت مین بھی بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہے، اسلیئے یہ لازمی ہے، کہ جماعت مین جذبات کو اسکی عقل پر غلبہ حاصل رہے۔

اصل یہ ہے، کہ ہمارے علماے منطق و حکماے اُنھون نے اپنے

عقل پرستی کے جوش مین قوائے مدرکہ کو اس سے بہت زیادہ وسعت دے رکھی ہے، جتنی واقعات کے مطالعہ سے ثابت ہوتی ہے، مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ دنیا کا کاروبار، ارسطو یا بل کے وضع کردہ اصول منطق پر نہین بلکہ طبعی اور خودرو جذبات و احساسات کی رَو پر چل رہا ہے۔ منطق کے قوانین سے واقفیت محدود ہے مدارس اور کالجون کی چاردیواری کے اندر، اور اُن پر عمل تو شاید تمام دنیا مین خالص حکیمانہ مذاق کے چند ہی افراد کرتے ہون۔ ورنہ کائنات کی مشینری جس کمانی سے چل رہی ہے، وہ جذبات کی قوت ہے۔ جذبات کی جدھر رفتار ہوتی ہے، اسی طرف انسان جاتا ہے جذبات کا جو تقاضا ہوتا ہے، اسی کے مطابق انسان سے افعال و اعمال صادر ہوتے ہین۔ اور جذبات کی جو نوعیت ہوتی ہے، اُسی طرز پر انسان کی سیرت اور کیریکٹر کی تشکیل ہوتی ہے، البتہ عقل کا کام صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ جذبات کے غیر محدود زور قوت کو ایک حد تک محدود و مقید رکھتی ہے سیرت انسانی کی تشبیہ اگر ایک سوار سے دیجائے، تو کہا جا سکتا ہے، کہ اسکا رہوار، جذبات ہین، اور عقل بجائے لگام کے ہے، جو رہوار کو قابو سے باہر نہین ہونے دیتی ہے مگر ہمارے فلاسفہ علی العموم اس غلط فہمی مین مبتلا رہے ہین کہ نظام کائنات، عقل و منطق کے زور سے چل رہا ہے۔ یہ بیچارے بھی بجائے خود ایک طرح پر بے قصور ہین۔ سوسائٹی سے علٰحدہ دنیا سے متنفر، اور اپنے تین حجرون کے اندر بند کرکے، جو لوگ نظریات قائم کرتے ہین اُنسے اگر فطرت بشری مین۔ اسرار شناسی کی

شدید غلطیان ہون، تو اس مین تعجب کی کیا بات ہے؟

سلسلۂ سخن مین ہم اپنے موضوع سے ہٹے جاتے ہین۔ کہنے کی بات یہ تھی، کہ کردار و سیرت انسانی کی کنجی جذبات ہی کے ہاتھ مین ہے، اور عقل محض ایک افسرانہ حیثیت سے اُن کی نگرانی کیا کرتی ہے، پھر چونکہ عقل ارتقائی حیثیت سے، جذبات کے مقابلہ مین بہت ہی کم عمر ہے، اور نیز خصایص ذہنی کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ صورت ہے، اس لیے جہان شعور اپنے انتہائی نقطۂ کمال سے پست ہوا، اور شعور خفی کا دور دورہ شروع ہوا، بس وہین عقل کی باگ فوراً ڈھیلی پڑ جاتی ہے، جذبات تقریباً مطلق العنان ہو جاتے ہین، اور انسان کی حیات نفسی کے ہر شعبہ پر حاوی ہو جاتے ہین۔ اسی واسطے جماعت کے (جو کبھی شعور خفی کے درجہ سے زیادہ ترقی نہین کرتی) تمام معتقدات و تخیلات، تمام مشاعر و تصورات، تمام مسرات و آلام، غرض تمام خصایص نفسی، جذبات کے تابع و محکوم ہوتے ہین۔ پس ایسی حالت مین جماعت کے سامنے گفتگو کرنے مین اسکی عقل کو مخاطب کرنا قطعاً بیکار رہتا ہے، بلکہ بعض اوقات اس کا بالکل مخالف اثر پڑتا ہے۔ کانفرنسون اور انجمنون مین یہ تماشا بارہا دیکھنے مین آتا ہے، کہ بعض نہایت سنجیدہ و تعلیم یافتہ افراد تقریر کرنے کھڑے ہوتے ہین، اور مسئلۂ زیر بحث کی تائید یا تردید مین معقولیت کے ساتھ دلائل و واقعات پیش کرنے لگتے ہین، لیکن جماعت اُن سے بالکل غیر متاثر رہتی ہے بلکہ عموماً یہ اُلٹا اُنھین مقررون کو نالائق اور ضائع کنندۂ وقت قرار

دیتی ہے۔ جو لوگ جماعت کی قیادت کرتے ہین، جو لوگ جماعت کے اصلی حکمران ہین، وہ اس نکتہ کو تاڑ گئے ہین، ان کی ہر تحریر و تقریر کا ایک وصف امتیازی یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنا روے سخن، مخاطبین کے جذبات کی طرف رکھتے ہین، اور دنیا جانتی ہے، کہ وہ کتنے کامیاب رہتے ہین۔

اس حقیقت کی ایک اہم تفریع، جسے اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، یہ بھی ہے، کہ عقل و منطق کی کوششین جس طرح جماعت کو کسی مسئلہ کے یقین دلانے مین ناکام رہتی ہین، بعینہ اسی طرح اسکے ذہن سے کسی عقیدہ کو مٹانے اور محو کرنے مین بھی بے اثر رہتی ہین۔ سائل کا خواہ ایجابی و ثبوتی پہلو ہو، خواہ سلبی و منفیانہ جہانتک جماعت کا تعلق ہے عقل کی بے بسی، ان دونون صورتون مین مساوی درجہ کی ہوتی ہے۔ ایک عام بلکہ عالمگیر غلطی، جس مین نوجوان و ناتجربہ کار مگر پرجوش علمبرداران اصلاح خصوصیت کے ساتھ ہر زمانے مین مبتلا رہے ہین، یہ ہے، کہ جن عقائد و خیالات کی بنیاد تمامتر جذبات پر ہے، اُن کی تردید مین دلائل و براہین پیش کیے جاتے ہین، اور کوشش کی جاتی ہے کہ اس ذریعہ سے وہ مٹ جائین۔ اس طرح کے نیک نیت مگر بیخبر مُصلحین کو اس حقیقت پر بار بار متوجہ ہونے کی ضرورت ہے، کہ جو شے عقل کے راستہ سے آئی نہین ہے، وہ عقل کے راستہ سے نکل بھی نہین سکتی، جماعت کے معتقدات و خیالات، جذبات کے پیدا کردہ ہوتے ہین، اور جذبات ہی اُنھین مٹا سکتے ہین، عقل جیسے اُن کی تخلیق مین بے بس تھی، ویسے ہی اُنکے

غنا کرنے مین بھی ہے[1]،

جذبات کی ایک خصوصیت، جیسا کہ ہم اپنے رسالہ "فلسفۂ جذبات" مین جا بجا تصریح کے ساتھ لکھ چکے ہین، یہ ہوتی ہے، کہ وہ عقل سے نہ صرف غیر مغلوب رہتے ہین، بلکہ اگر وہ پیشتر سے تیز و قوی ہوتے ہین، تو عقل کے تصادم سے اور زیادہ تیز و قوی ہو جاتے ہین، چنانچہ جماعت کی حس استدلال و عقل کو، اسکے مغلوب الجذبات ہونے کی حالت مین، مخاطب کرنے سے جو نتائج ہوتے ہین، دنیا وقتاً فوقتاً اُن کے مناظر دیکھتی رہتی ہے، ذیل مین ہم مثالاً ایک واقعہ نقل کرتے ہین، جسے ہم اپنے رسالۂ مذکورا مین بھی نقل کر چکے ہین۔ جولائی ۱۹۱۲ء مین اٹلی اور ٹرکی کے درمیان جنگ طرابلس زور و شور سے جاری تھی، اور اٹلی کی جانب سے عام مسلمانان عالم مین نفرت و عداوت کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا (چنانچہ خود ہندوستان مین متعدد مقامات پر اٹلی کے خلاف بائیکاٹ کر دینے کا عہد کر لیا گیا تھا عین

---

[1] ہم نے اپنے مضمون "مذہب و ارتقاء تمدن"، مندرجہ زمانہ بابت جنوری ۱۹۱۵ء مین کہا ہے "کہ جو عام افراد جس دماغی سطح پر ہوتے ہین، اُس کے لحاظ سے اُن مین یہ قابلیت ہی نہین ہوتی، کہ وہ کسی فعل کے حسن و قبح کی بنا پر اُسے ترک یا اختیار کرین، اور پھر اگر بہ فرض محال، خود غرضانہ زندگی کے نقصانات کسی طرح ان کے ذہن نشین کر بھی دیے جائین تاہم دلائل و براہین ہرگز اتنے موثر نہین ہو سکتے، جتنے کسی مافوق الفطرۃ قوت کے احکام ہوتے ہین، نفس انسانی کا یہ ایک مسلم قانون ہے کہ جن تحریکات کا اثبات دلائل عقل سے نہین ہوتا، اِن کی نفی بھی دلائل عقلی کے بس مین نہین ہوتی، بلکہ جذبات کا مقابلہ صرف جذبات ہی کر سکتے ہین"۔

اس زمانہ مین کلکتہ مین ایک روز مندرجہ ذیل واقعہ پیش آیا جو ۲۴ جولائی کو روزانہ انگریزی اخبارات کی تاربرقیون کے کالم مین شایع ہوا۔

مسیحی واعظون پر حملہ

,,کل شام کو ایک بالکل بلا وجہ اور بزدلانہ حملہ تقریباً دو سو مسلمان بدمعاشون نے ولینگٹن اسکوایر مین تین مسیحی واعظون پر کیا۔ معلوم یہ ہوا ہے کہ تین مسیحی واعظ مسلمانون کے ایک مجمع کے سامنے اردو مین وعظ کہ رہے تھے، کہ ایک مولوی دفعتہً نمودار ہوا، اور چلا کر کہا، کہ ,,ٹوپی والون کے ان ہم مذہبون کو مارو، جو ہمارے وطن اصلی ٹرکی کے جانی دشمن ہین۔ اس نعرہ نے سارے مجمع کو ایک مجنونانہ جوش کے ساتھ برانگیختہ کردیا، اور واعظین پر قبل اسکے کہ وہ اپنی حالت سمجھ سکین، لاٹھیون، چھتریون، اور ہر اُس چیز سے جو پھینکی جا سکتی ہے، حملہ ہونے لگے۔ تین کانسٹبل جو قریب ہی تھے، آگے بڑھے، لیکن وہ خود مارے گئے، واعظین نے بجاے مقابلہ کے، حملہ آورون کو سمجھانے کی ناکام کوشش کی۔ انھون نے مجمع سے مخاطب ہوکر دریافت کیا، کہ ,,ہم نے ذاتی طور پر کس مسلمان کو نقصان پہونچایا ہے؟،، لیکن جون جون وہ اس سوال کی تکرار کرتے تھے، مجمع کا جوش غضب اور

بڑھتا جاتا تھا"

عبارت زیر خط پر نظر کرو، تو معلوم ہوگا، کہ عام خیال کے مطابق، یہ واعظین بھی اس غلط فہمی مین مبتلا تھے، کہ اشتعال جذبات، استدلال سے فرو ہو سکتا ہے اور نفس اجتماعی کی اس خصوصیت کو بھولے ہوے تھے، کہ جذبات پر غالب آنے کی سکت صرف جذبات ہی مین ہے۔ نفسیاتی نقطۂ خیال سے ان واعظین کے لیے بہترین صورت یہ تھی، کہ یہ لوگ خود بھی فوراً اپنے حملہ آورون کے ہم زبان ہوجاتے، یعنی اپنے اسلام کا اعلان کرکے مسیحیت پر سب وشتم کرنے لگتے (البتہ یہ ضرور تھا، کہ اس کارروائی کو اس ہوشیاری سے کرتے، کہ تصنع وریاکاری ظاہر نہ ہونے پاتی۔)

نفس اجتماعی کی اشتعال پزیری ومغلوبیت عقل کی ایک اور دلچسپ مثال شیکسپیر کے ناٹک "جولیس سیزر" مین اُس مقام پر ملتی ہے، جہان اس نے شاعر سِنا کے قتل کا ذکر کیا ہے۔ یہ شاعر سیزر کا نہایت عزیز دوست تھا اور روم سے باہر رہا کرتا تھا۔ سیزر کے قتل کے بعد ہی یہ روم مین داخل ہوا، اور لوگون سے سیزر کی نعش کا پتہ دریافت کرنے لگا، کہ وہان جاکر فرائض ماتمداری بجالائے۔ اہل شہر نے جو اُسوقت سیزر کے قاتلون کی مخالفت مین بیخود ہورہے تھے، خود اس سے اسکا نام ونشان دریافت کیا، اس نے جون ہی اپنا نام بتایا، سارا مجمع اس پر ٹوٹ پڑا، کہ یہ نام تو سیزر کے قاتلون مین سے ایک کا تھا، اب یہ غریب ہر چند پکار پکار کر کہتا ہے کہ "ممکن ہے وہ قاتل میرا ہمنام ہو، مگر مین تو سیزر کا عزیز ترین دوست ہون، اور ابھی باہر سے چلا آرہا ہون، مجھ پر کیون حملہ

کرتے ہو، لیکن اشتعال کی آگ معقول جوابات سے نہین بجھ سکتی۔ مجمع نے اسکی تقریر کو سُنا، اور سُن کر کہا کہ "وہ جو کچھ ہو، تیرا نام تو سنا ہے۔ ہمکو تو اس نام سے انتقام لینا ہے، ہم جب تک اس نام کو دنیا سے نہ مٹا لین گے چین نہ لین گے" یہ کہا، اور اُس معصوم شاعر کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑا دیئے۔

اس موقع پر ممکن ہے، کہ ناظرین کے ذہن مین یہ سوال پیدا ہو، کہ "مانا جماعت بہ حیثیت مجموعی ضعیف العقل و قوی الجذبات ہوتی ہے، لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ اسکے بعض افراد جو علم و فضل، دانش و حکمت مین یگانۂ عصر ہوتے ہین وہ بھی ان احمقون کے ہم سطح ہو جائین، جو وہ ضبط نفس کے خوگر ہوتے ہین، انھین اپنے جذبات پر قابو ہوتا ہے، اُن کی نظر ہمیشہ انجام کار پر رہتی ہے، کیونکر ممکن ہے کہ وہ بھی عوام کی طرح مغلوب الجذبات ہو کر اوہام پرستیون یا اخلاق شکنیون پر اُتر آئین"؟

اس کا جواب اگرچہ صفحات گزشتہ بار بار دے چکے ہین، اور صفحات گزشتہ کیا، سچ یہ ہے، کہ خود زمانہ کی زبان بار بار دے چکی ہے، خود صحیفۂ کائنات کے اوراق بارہا دے چکے ہین، تاہم چونکہ بات بظاہر لگتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، اور غالباً اکثر ناظرین کے ذہن مین کھٹکتی ہو، اسلیے ہم ایک مرتبہ پھر اس مسئلہ کو زیادہ تفصیل سے صاف کیے دیتے ہین۔

اس شک کی بنا، دراصل اس عام غلط فہمی پر ہے، کہ تعلیم و تربیت، جبلت یا سرشت انسانی کو بدل دیتی ہے، یہ خیال عام طور پر شایع ہے، دران حالیکہ واقعات اسکی قدم قدم پر تکذیب کرتے ہین، تعلیم کے جس قدر طریقہ عام طور پر رائج ہین، اُن سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے، وہ صرف یہ ہے، کہ قوت فکری کو جلا ہو جاتی ہے، تعقل

قوی ہو جاتا ہے، استنباط نتائج مین سہولت ہونے لگتی ہے قواسے مدرکہ تیز ہو جاتے ہین، عاقبت اندیشی بڑھ جاتی ہے، بہرحال جو کچھ بھی ہوتا ہے، وقوف وعقل کے دائرہ مین ہوتا ہے، یا دوسرے لفظون مین جو کچھ اصلاح وتہذیب ہوتی ہے اسکا مستقر اعلیٰ مراکز عصبی ہی ہوتے ہین۔ اسکے سوا حیات نفسی کے کسی اور شعبہ مین یا تو سرے سے کچھ تغیر ہی نہین ہوتا، یا اگر ہوتا بھی ہے، تو بہت ہی قلیل۔ خود اپنے گرد وپیش خوب غور کرکے دیکھو، کہ ایک عالم، جاہل سے کن کن حیثیات سے مختلف ہوتا ہے؟ عالم ادق مسائل کو جلد سمجھ جاتا ہے، جاہل کو اس مین دیر لگتی ہے۔ عالم کا اندازہ واقعات مستقبل کے متعلق عموماً صحیح ہوتا ہے، جاہل کا غلط ہوتا ہے۔ خواص اشیا سے متعلق، عالم کے معلومات زیادہ ہوتے ہین جاہل کے کم ہوتے ہین۔ لیکن کیا اسکے آگے، اور کسی بات مین بھی عالم کو جاہل پر برتری ہوتی ہے؟ بھوک عالم وجاہل دونون کو ستاتی ہے، گرمی وسردی کا احساس دونون کو مساوی ہوتا ہے، آب وہوا کی خرابی سے دونون یکسان متاثر ہوتے ہین، زہر دونون کو ہلاک کرتا ہے، تریاق دونون کو شفا دیتا ہے، مشقت دونون کو خستہ کر دیتی ہے، آرام وخواب کے محتاج دونون ہوتے ہین، کمسنی وکبرسنی کا اثر دونون پر پڑتا ہے، مختصر یہ کہ بجز عقلی ووقوفی حصہ کے نفس کے کسی اور شعبہ پر تعلیم وتربیت مروجہ کا مطلقاً یا تقریباً مطلقاً اثر نہین ہوتا، اور نخاعی تعلقات اسکی دسترس سے باہر ہی رہتے ہین۔ گویا انسانیت کے بالائی اور سطحی پہلو تو تعلیم سے چمک اُٹھتے ہین، لیکن اندرونی ودقیق خصائص، جو اسکی اصلی ہستی کا مایۂ خمیر ہوتے ہین۔ بدستور جون کے تون رہتے ہین۔ بے شبہہ جہانتک دماغی

قوت کا تعلق ہے، ارسطو اور افریقہ کے وحشی مین زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے،
لیکن جہانتک جذبات طبعی و احساسات جبلی کا تعلق ہے، دونون کی حیثیت
ایک اور بالکل ایک ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے، کہ قوائے عقلی اپنی ترقی یافتہ صورت
مین جذبات واحساسات کی نگرانی اور دیکھ بھال کیا کرتے ہین، اور عقل کا یہ کام ہوتا
ہے، کہ جب کوئی جذبہ حد اعتدال سے بڑھنے لگتا ہے، تو وہ اسکے مقابلہ کے لیے
اُسکے ایک مخالف جذبہ کو برانگیختہ کردیتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ طبیعت
مین سکون و اعتدال پیدا ہوجاتا ہے۔ مثلاً جسوقت ہم مین سخت اشتعال پیدا ہوتا
ہے، تو عقل یہ سُجھاتی ہے، کہ بعید اظہار غضب سے، خود ہمکو فلان فلان نقصانات
پہونچین گے، اور بالآخر خود ہم ہی مین فلان فلان ناخوشگوار جذبات پیدا ہونگے
پس یہی خیال یعنے ناخوشگوار جذبات مستقبل کا تصور ہی ایسی شے ہے، جو
صاحب عقل کی متانت کو قائم، اور اسکے جوش غضب کو حدود کے اندر
رکھتا ہے۔

غرض کسی بڑے سے بڑے حکیم اور ادنیٰ سے ادنیٰ عامی کی حیات نخاعی
مین برائے نام سے زیادہ فرق نہین ہوتا، اور دونون کے نظام عصبی کے اندرونی
و عمیق حصون کی ساخت و کیفیات یکسان ہوتی ہین۔ اس بنا پر جب کوئی ایسا قوی
ہیجان پیش آجاتا ہے، جو نظام نخاعی مین معمول سے زائد تحریک و ہیجان پیدا کردیتا
ہے، تو عقل، جو معمولی حالات کے درمیان افعال نخاعی کی روک تھام کرتی رہتی
ہے، اُسپر افگندہ ہوجاتی ہے۔ اور غلبۂ نخاع کے نتائج، عالم و عامی، حکیم و
جاہل، دونون مین یکسان قوت کے ساتھ ظاہر ہونے لگتے ہین۔ ایک آدھ وقت

غذا نہ ملنے کو ایک حکیم، سنجیدگی کے ساتھ برداشت کرلے جائے گا، لیکن جب پیہم فاقہ کشی سے وہ لب مرگ آگیا ہو تو جس بے صبری و بیتابی کے ساتھ ایک جاہل خوانِ غذا پر گریگا، اُسی طرح ایک سنجیدہ و تعلیم یافتہ شخص بھی۔ نظام نخاعی کا تہیج جب اِس حد تک پہونچ جاتا ہے، کہ اسکے مطابق ردّعمل نہ ہونے سے خود انسانی ہستی معرضِ خطر میں آنے لگتی ہے، تو عقل کو مجبوراً اپنے ہتیار ڈال دینا پڑتے ہیں۔ کارخانۂ فطرت مین اگرچہ تمدن زائیدہ علوم و فنون صنعت و حرفت کو جو تمام تر عقل و وقوف کے پیداوار ہین، نہایت ممتاز مرتبہ حاصل ہے، تاہم جب کبھی اُن میں اور ضیانت حیات مین، جسکے مظہر جذبات ہین، تعارض واقع ہوجاتا ہے، تو ایسے موقع کے لیے فطرت نے یہ قانون بنادیا ہے، کہ جذبات عقل سے غیر مغلوب رہین یہی باعث ہے، کہ جب دل کے پاس سے "پاسبانِ عقل" کا پہرہ اُٹھ جاتا ہے، تو دبے دبائے ہوسے جذبات، خواہ وہ جاہل کے ہون خواہ فلاسفر کے، مساوی زور و قوت کے ساتھ ظاہر ہونے لگتے ہین۔

ہم نے ابھی جو کچھ کہا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ تمام جذبات متحد النوع نہین ہوتے، بلکہ بعض اسقدر کمزور ہوتے ہین، کہ عقل سے دبے ہوئے رہتے ہین، اور بعض اسقدر شدید ہوتے ہین، کہ کوئی دور اندیشی، کوئی انجام بینی، انکی عنان گیر نہین ہوسکتی۔ اگر ہمارا واقعی یہی منشا تھا، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ جذبات مختلف مین یہ تفاوت قوت کسی خاص بنا کسی خاص اصول پر ہے، یا یون ہی محض ہنگامی اسباب سے، کبھی کوئی جذبہ قوی دست ہوجاتا ہے اور کبھی کوئی؟ اسکا جواب یہ ہے، کہ اگرچہ مختلف جذبات کی تقویت و تضعیف مین ہنگامی موثرات کو بھی

بہت کچھ دخل ہے، یعنے یہ بالکل ممکن ہے، کہ کوئی جذبہ عام حالات کے درمیان
بہت ہی معمولی قوت کا ہو، لیکن دفعۃً تغیر ماحول سے اسکی قوت حیرت انگیز طور
پر بڑھ جائے، تاہم اصولاً کل جذبات مختلف طبقات مین تقسیم کیے جا سکتے ہین
اور ہر طبقہ کے جذبات کی قوت، دوسرے طبقہ سے علیحدہ ہوتی ہے۔ ہم نے
اس مسئلہ کا اپنے ایک مضمون مین ذکر کیا ہے، جس مین سے ہم ذیل کا اقتباس
مع حذف و اضافہ، یہان نقل کرتے ہین۔

"یہ امر تھوڑے ہی غور کے بعد معلوم ہو سکتا ہے، کہ جن اعمال کے
مجموعہ پر حیات انسانی کا اطلاق ہوتا ہے، وہ تین عنوانات کے تحت مین
رکھے جا سکتے ہین۔

(۱) اولاً وہ افعال جو افراد کی صیانت حیات کے لیے لازمی ہین، یا کم از کم
اس مین مُعین ہوتے ہین، مثلاً کھانا، پینا، سونا، وجہ معیشت رکھنا وغیرہ۔

(۲) ثانیاً، وہ افعال، جن سے نوع یا نسل کی بقا مقصود ہوتی ہے، مثلاً تاہل
فرائض زوجیت، اولاد کی پرورش و پرداخت، وغیرہ،

(۳) ثالثاً، وہ افعال، جن سے ہیئت اجتماعیہ کا قیام و ترقی والبستہ ہے،
مثلاً عدل، ہمدردی، فیاضی، ایثار، دوستی، حکومت، شوق تحقیقات، علم جوئی وغیرہ

انسانی زندگی کے روزانہ افعال مین سے کسی ایک کا، خواہ وہ چھوٹے
سے چھوٹا ہو یا بڑے سے بڑا تصور کرو، اور اسی کے ساتھ یہ نظر آجائے گا، کہ وہ
انھین عنوانات ثلثہ مین سے کسی نہ کسی سے براہ راست یا بالواسطہ متعلق ہے،
مگر صرف اتنا ہی نہین، بلکہ اگر ہم اپنے مشاہدہ کو زیادہ وسیع کرین یا حیاتیات (بیالوجی)

قوانین سے مدد لین، تو معلوم ہوگا، کہ حیات انسانی کی ترکیب مین یہ عناصر ثلثہ محض موجود ہی نہین ہوتے، بلکہ بہ لحاظ مدارج اہمیت، ایک خاص ترتیب کے ساتھ موجود ہوتے ہین اور انھین فرائض حیات کے مطابقت مین، اور اِن کے متوازی جذبات بھی نفس انسانی مین ودیعت کیے گئے ہین، تاکہ ان کے تقاضہ سے بیچین ہوکر وہ اِن فرائض کو بجالائے،

انسان مین سب سے زیادہ قوی و غالب وہ جذبات ہوتے ہین، جن سے اُسکی حیات شخصی والبتہ ہے، یعنے خود غرضانہ جذبات، اِسکے بعد اُن جذبات و خواہشات کا نمبر آتا ہے جن پر اسکی اولاد کا وجود اور ان کی زندگی منحصر ہے۔ پھر تیسرے درجہ پر وہ احساسات ہین، جن پر حیات عمرانی مشروط ہے۔ اور یہ ترتیب عین فلسفہ ارتقا کے مطابق ہے۔ خیال کرو۔ کہ ابتدائے تکوین حیات انسانی مین، اگر افراد اپنے وجود کو دنیا کی ہر شے پر مقدم نہ سمجھتے، اگر اپنی زندگی کو ہر چیز پر ترجیح نہ دیتے، تو نتیجہ کیا ہوتا؟ یہ ہوتا کہ تنازع للبقا مین وہ اپنی پوری حفاظت سے غافل ہو کر فنا ہوجاتے اور اس طرح نہ نسل چل سکتی، اور نہ ہیئت اجتماعیہ کی تشکیل ہوسکتی، پس چونکہ فطرت کو نسل انسانی قایم رکھنا مد نظر تھا، اسلیے لامحالہ انسان مین جن جذبات کا سب سے پہلے نشوونما ہوا، وہ وہی تھے جن پر اُسکے حیات شخصی کا انحصار تھا، اور اسکے بعد وہ جن پر اسکی حیات نسلی کا دارومدار تھا۔ اسی طرح چونکہ ہیئت اجتماعیہ ایک ترقی یافتہ صورت مین اُسوقت سے قائم ہوئی، جبکہ افراد کا شعور ایک خاص بلند سطح دماغی تک پہونچ چکا تھا، اسلیے جن جذبات پر حیات عمرانی مشروط ہے، اُس نے سب سے آخر مین نمو پایا۔ پس چونکہ ان مختلف النوع جذبات کے طبقات بلحاظ تاریخ ملکوتین

باہم مختلف ہین، اس واسطہ اس اختلاف تاریخی کے مطابقت ہین، ان کی قوت کے مدارج بھی مختلف ہین۔ یعنے جو جذبات قدیم ترین ہین، وہ نظام عصبی مین عمیق تر طور پر منقش ہو گئے ہین، جو بعد کے ہین، ان کے نقوش نسبتہً ہلکے ہین، اور جو جذبات سب سے آخر مین پیدا ہوے ہین، اُن کی قوت بھی ضعیف ترین ہے۔ چنانچہ آج جو کیفیت ہم اپنی آنکھون سے دیکھ رہے ہین، وہ اسی کا نتیجہ ہے، ہم بداہتہً پاتے ہین، کہ افراد کو سب سے زیادہ اپنی جان عزیز ہوتی ہے، اسکے بعد اولاد، پھر اسکے بعد عام احباب و شناسا۔ اور جب کبھی ان طبقات مختلفہ مین آگر تصادم واقع ہو جاتا ہے تو انسان عموماً اسی جذبہ کی پاسداری کرتا ہے، جسکے نقوش اسکی فطرت مین سب سے زیادہ گہرے ہوتے ہین۔ اولاد کی پرورش و پرداخت کے مصارف کے لیے احباب کے مال کو ناجائز ذرائع سے اپنے تصرف مین لے آنا، اور قحط کے زمانہ مین شدت گرسنگی سے والدین کا خود اپنی اولاد کو کھا جانا، اسی کلیہ کے شواہد ہین [1]۔

[1] دراصل اس بیان مین، اور فلسفہ جذبات کے باب ۲۔ کے بیانات مین کوئی تناقض نہین، جیسا کہ پہلی نظر مین معلوم ہوتا ہے یہ سچ ہے، کہ وہان ہمارے الفاظ یہ تھے، کہ ،،ثبات عقل و صحت نفس کی حالت مین علی العموم انفرادی منافع و مضار، اجتماعی و نسلی منافع و مضار کے تابع و مغلوب رہتے ہین،، اور یہان جو کچھ کہا گیا ہے، اُسکا ماحصل یہ معلوم ہوتا ہے، کہ اسکے بالکل برعکس شخصی جذبات، نسلی و اجتماعی جذبات سے قوی تر ہوتے ہین۔ لیکن واقعہ یہ ہے، کہ یہ دونون کلیہ اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہین، اور دونون مین کوئی تناقض نہین۔ انسان کا بالکل ابتدائی، و فطری اقتضاے طبیعت تو یہی ہے کہ شخصی جذبات کو دیگر اصناف جذبات پر غالب رکھے مگر ہیئت اجتماعی کی بنا پڑتے ہی اُس پر ایسی ایسی قیود و پابندیان بڑھ گئین، جنھون نے اُسکے شخصی جذبات کو اگر سرے سے فنا کر دینے کی کوشش نہین کی، تو کم از کم ان کی بہت سخت جکڑ بند تو ضرور کر دی ہے، اور اسکا نتیجہ ہے کہ عام و معمولی حالات مین اجتماعی و نسلی جذبات کا پلہ شخصی جذبات سے بھاری رہتا ہے (بقیہ بر صفحہ ۹۲)

اس قانون کو اپنے گرد و پیش کے کسی ایسے واقعہ پر منطبق کر کے دیکھو جسے اپنے نزدیک اہم سمجھتے ہو، تب اسکی صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ سطور ہذا کی تحریر کے وقت پریس بیورو کی طرف سے یہ اعلان شایع ہوتا ہے، کہ جرمن لوین کے مشہور دار العلوم و کتب خانہ کو چشم زدن مین خاکستر کر دیتے ہین۔ ہم اسے

(بقیہ از صفحہ ۹۱) فلسفہ جذبات کی عبارت مین، "ثبات عقل و صحت نفس" کی شرط کے اضافہ سے اپنے مقصد کو واضح کر دیا ہے، لیکن جب کبھی غیر معمولی حالات کا اجتماع ہوتا ہے) تو روک تھام کے یہ مصنوعی وسائل و تدابیر دفعۃً بیکار ثابت ہونے لگتے ہین، اور جذبات شخصی پھر ایک مرتبہ جذبات نسلی و اجتماعی پر غالب آجاتے ہین اسکی ایک مثال، مشاہدہ مین یہ ملتی ہے، کہ عام حالات مین والدین اپنے اوپر ہر طرح کی تکلیف و جبر برداشت کر کے اپنی اولاد کو آرام و راحت پہونچاتے ہین، گویا جذبۂ شخصی کو جذبۂ نسلی کے ماتحت رکھتے ہین لیکن وہی والدین، جب قحط شدید کے زمانہ مین گرسنگی سے جان دیتے ہوتے ہین، تو اسوقت اسکے بالکل برعکس کیفیت نظر آتی ہے۔ یہانتک کہ بارہا یہ دیکھا گیا ہے، کہ والدین اپنے بچون کو مثل غذا کے کھا جاتے ہین۔ ہم نے خود اپنے مضمون محولۂ متن مین اس ابہام کو صاف کر دیا تھا۔ وہان اس کلیہ کے پیش کرنے کے بعد کہ فطرۃً جذبات شخصی سب سے زیادہ قوی و زبردست ہوتے ہین، ہم نے یہ بھی لکھا تھا کہ

... لیکن فطرت کا مقصود محض افراد کی ہستی اور اُن کی صحت سے پورا نہین ہوتا۔ نظام کائنات کا سلسلہ قائم رکھنے کے لیے جو شے بمنزلۂ بنیاد کار کے ہے، وہ افراد کا نہین، بلکہ نسلون کا وجود ہے، اور اس حیثیت سے فرائض متعلق بہ توالد و تناسل کو اسقدر اہمیت ہو جاتی ہے، کہ اگر کبھی حیات نسلی اور حیات انفرادی مین تضاد واقع ہو، تو منافع شخصی کو منافع نسلی کے مقابلہ مین ہٹ جانا چاہیے.... غرض تمام نظام عالم کے لیے ضروری ہے کہ افراد مین ذاتی منفعت، ذاتی آسایش وغیرہ تمام جذبات شخصی فرائض نسلی کے سامنے مغلوب ہین۔ مگر تمدن جس شے کا نام ہے اسکی تکوین کے لیے اس قدر کافی نہین کہ صرف جذبات نسلی کا پلہ جذبات شخصی سے زیادہ وزنی رہے، بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ جن جذبات پر حیات عمرانی مشروط ہے، اُنھین بھی جذبات شخصی پر غلبہ رہے.... خلاصہ یہ نکلا (بقیہ بر صفحہ ۹۳)

پڑھتے ہین، لیکن یقین نہین آتا، کہ ایسی علم دوست قوم نے جس سے کینٹ
اُٹھ چکا ہو، اس طرح کی وحشیانہ بربریت کا ارتکاب کیا ہو، اخبارات مین یہ خبر
گشت کرتی ہے، کہ امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کا مشہور جرمن عالم نفسیات
پروفیسر منسٹربرگ ایک طویل رخصت لیکر اپنی تمام قوت و وقت کو جرمن عسکریت
کی تائید مین صرف کر رہا ہے۔ نیز یہ کہ جرمنی مین نفسیات کے استاذ الاساتذہ پروفیسر
ونٹ نے اپنے زور تحریر و تقریر کا مرکز، جرمنی کے خون آشام مشن کی تبلیغ بنالیا
ہے۔ یہ خبرین ہماری نظر سے گذرتی ہین، مگر منسٹربرگ و ونٹ کی شخصیت سے
جو حُسن ظن ہے، وہ ہمین یہ باور نہین ہونے دیتا کہ یہ خبرین روایۃً کہان تک
صحیح ہین؟ اس سے یہان سروکار نہین، لیکن اسقدر قطعی ہے، کہ کم از کم درایۃً
ان مین کوئی استبعاد نہین، منسٹربرگ و ونٹ، علم کے فرشتہ سہی، لیکن سوال
یہ ہے، کہ وہ انسانی جذبات کی صف مین کون جذبہ زیادہ قدیم ہے، جذبۂ حُبِ وطن

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۹۲) کہ اگرچہ... فطرۃً و طبعاً حیات شخصی کے جذبات قدیم ترین و قوی ترین ہین، لیکن قیام نظام
کائنات کی ضرورت اس امر کی داعی ہے کہ حیات نسلی کے جذبات کو اُن کے مقابلہ مین قوی کیا جائے،
و ترقی تمدن اس کی متقاضی ہے، کہ حیات عمرانی کے جذبات کو بھی جذبات شخصی کے مقابلہ مین
تقویت پہونچائی جائے، پس اِن حالات کے ساتھ اگر تمدن کی ترقی اور نظام کائنات کا قیام مقصود ہے
تو اس کے سوا چارہ نہین ہے کہ مصنوعی ذرایع و تدابیر سے افراد کی خود غرضی کی تمام صورتون کو
دبا یا جائے... اور اس مقصد کے حصول کے لیے جو طریقہ اس وقت تک سب سے زیادہ
موثر و کارگر ثابت ہوا ہے وہ مذہب ہے "
ان تصریحات سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا، کہ فلسفۂ جذبات، اور رسالۂ ہذا مین جو وہ بظاہر تناقض کلیات
درج ہین، وہ دونون اپنے اپنے مفہوم کے لحاظ سے بجاے خود صحیح ہین۔

و پاسداری قوم، یا جذبۂ تحقیق فن و تفتیش علوم ؟"، اسکے جواب مین یقیناً ہر شخص اول الذکر کا نام لیگا۔ پس اگر یہ جواب صحیح ہے، تو اس مین کون سی حیرت انگیز بات ہے، اگر مسٹر برگ و ونٹ کی عقل ان کے خالص و غیر مخلوط علمی جذبہ کو ایسے عظیم الشان ہیجان کے موقع پر وطنی و قومی جذبہ پر غالب نہ لاسکی ؟ رہا یہ خیال، کہ یہ ہستیان اس قدر بزرگ و جلیل القدر ہین، کہ ان کی جانب اس طرح کا انتساب سوءادب ہے، تو جو شخص اپنے ذہن مین اس قسم کے خیال کو جگہ دے رہا ہے وہ یقیناً ہماری ہمدردی کا مستحق ہے۔ اُس نے انسانی عظمت کا شدت سے غلط اندازہ کیا ہے۔ اُس غریب کو ابھی یہ جاننا باقی ہے، کہ قوانین فطرت، خواہ وہ طبیعیات و ریاضیات کے متعلق ہون اور خواہ نفسیات کے اٹل ہوتے ہین جن کے مقابلہ مین بڑی سی بڑی انسانی ہستی ایک ذرّہ کے برابر بھی قوت نہین رکھتی۔ درحقیقت ایک ونٹ و مسٹر برگ کیا، اگر اُن کے سے لاکھون کرورون اکابر عصر، بہ این ہمہ فضل و کمال، علم و دانش مجموعی متفقہ طور پر بھی کوشش کرین تو بھی فطرت بشری کے حدود مقررہ سے ایک قدم باہر نہین نکال سکتے۔

باب (۴)

تلون مزاجی

منجملہ اُن چند خصوصیات کے جو ایک عاقل و بالغ کو ایک ناسمجھ بچہ سے ممتاز کرتی ہین، ایک خصوصیت یہ ہے، کہ اول الذکر مین استقلال جس درجہ تک ہوتا ہے اُس سے آخر الذکر بالکل محروم ہوتا ہے۔ بچہ سے کوئی گفتگو خواہ وہ کتنی ہی اُسکے مذاق و دلچسپی کی ہو، کرو، مگر وہ چند منٹ کے بعد اُکتا جائے گا، کوئی کھیل خواہ اُسے کتنا ہی مرغوب ہو، مگر وہ اس مین زیادہ عرصہ تک مشغول نہین رہ سکتا۔ ذہن کو کسی جانب عرصہ تک متوجہ رکھنے کے لیے یہ لازمی ہے، کہ وہ ایک خاص حد تک نشو و نما حاصل کر چکا ہو، اور بچون کا ذہن چونکہ اس حد تک نمو یافتہ نہین ہوتا، اسی لیے اُن کی طبیعت کسی شے پر دیر تک جم ہی نہین سکتی یہی حال اُن تمام افراد کا ہوتا ہے، جنھین ہم مجنون فاتر العقل یا احمق کہتے ہین، یہ لوگ کسی شے پر دیر تک متوجہ نہین رہ سکتے، اور نہ ان سے یہ ممکن ہے کہ کسی کام کو لگاتار کرتے رہین۔ ان کا ذہن ہر وقت ایک طرف سے دوسری

طرف کو بھاگتا رہتا ہے،

یہ خصوصیت جماعات مین بھی بدرجہ اُتم موجود ہوتی ہے، جماعت مین کیو نکہ وہ نفسی حیثیت سے بچون اور کم عقلون کی ہم سطح ہوتی ہے، استقلال نام کو بھی نہین ہوتا۔ اسکے لیے یہ ہر وقت ممکن رہتا ہے، کہ دفعۃً اپنے خیالات و معتقدات کو، بغیر کسی معقول وجہ کے، تبدیل کر دے۔ عدم استقلال و تلون مزاجی اسکا طبعی خاصہ ہوتا ہے، اسکو قوت سے فعل مین لانے کے لیے کسی خاص سبب کی ضرورت نہین ہوتی، بلکہ عموماً نہایت معمولی و خفیف خارجی واقعہ کافی ہوتا ہے۔ یہ جماعت کے اسی خاصہ کا اثر ہے، کہ افراد خواہ کتنے ہی متلون المزاج ہون، شاذ و نادر ہی اسقدر دفعۃً اپنے مشاعر و معتقدات کا رنگ بدلتے ہین، جسقدر کہ جماعات بدلتی ہین۔ جو لوگ کسی زمانہ مین لیڈر کہلاتے ہین، ذرا ان کی سرگذشت پر نظر کرو۔ ان کی لیڈری کی عمر کس قدر مختصر ہوتی ہے! کل تک جو شخص گمنام و بے نشان تھا، آج کسی معمولی سے معمولی واقعہ کی بنا پر اُسے لیڈری کی مسند پر جگہ دی جا رہی ہے، اسکی گاڑی، گھوڑون کی جگہ آدمیون سے کھینچی جا رہی ہے، اُس پر ہر طرف سے پھولون کی بارش ہو رہی ہے، اور اُسے سرگروہ احرار کے لقب سے یاد کیا جا رہا ہے۔ اسی کے مقابل، کل جو شخص اثر و اقتدار کا مجسمہ خیال کیا جاتا تھا، آج وہ ملت فروشی کے الزامات سے ہر طرف ذلیل کیا جا رہا ہے اور اسکی وقعت، معمولی فرد قوم کے برابر بھی نہین رہ گئی ہے۔ ان نیرنگیون کا ظہور، جماعت کی عین فطرت نفسی کے مطابق ہے۔

شیکسپیر کی روایت کے مطابق، جب جولیس سیزر قتل ہو چکا، تو بروٹس مع دیگر قاتلون کے پلیٹ فارم پر آیا۔ اور سیزر کے قتل کے وجوہ پر ایک تقریر کی۔ اسکا یہ اثر ہوا، کہ تمام حاضرین اسکے ہم آہنگ ہو گئے، سیزر کے قتل کو نہ صرف جائز، بلکہ واجب و ضروری قرار دینے لگے، اور بروٹس اور اُسکے رفقا کو محسنین ملک کے لقب سے پکارنے لگے۔ بروٹس کے الفاظ ابھی ہوا مین گونج ہی رہے تھے، کہ سیزر کا دوست انٹونی، جسے غلطی سے بروٹس اپنا دوست سمجھ رہا تھا، نمودار ہوا، اور بروٹس پلیٹ فارم اسکے حوالہ کر کے خود چلا گیا۔ انٹونی نے اپنی تقریر شروع کی، جو جسقدر بلیغ تھی، اسی قدر بروٹس کے حق مین مضر تھی، اسکی تقریر ابھی ختم بھی نہ ہونے پائی تھی، کہ مجمع حاضرین مین سیزر کی موافقت اور بروٹس کی مخالفت کے جذبات نہایت شدید پر زور صورت مین نمایان ہونے لگے، اور اسکے ختم ہوتے ہوتے تو یہ نوبت پہونچ گئی تھی، کہ سارا مجمع ایک مجنونانہ جوش کے ساتھ قاتلین سیزر سے انتقام لینے کے لیے بیخود ہو رہا تھا، اور وہی اہل شہر، جو چند ہی منٹ پیشتر، بروٹس کو ملک کا سب سے بڑا محسن، قوم کی قیادت و سیادت کا سب سے زیادہ مستحق، اور اپنی عزت و احترام کا سب سے بہتر تاجدار سمجھتے تھے، اب دفعۃً اسی بروٹس اور اسکے رفیقون کے خون کے پیاسے ہو گئے، اور ان مین سے جتنے اُنھین مل سکے، انھین واقعۃً بکمال بیدردی و سفاکی ہلاک کر ڈالا، یہ روایت تاریخی حیثیت سے صحیح ہو یا نہ ہو، لیکن نفسیاتی حیثیت سے بالکل قرین قیاس ہے۔

اگر اس سے قریب تر مثال مطلوب ہو تو مسلم یونیورسٹی (مجوزہ) کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس واقعیت سے کون انکار کر سکتا ہے، کہ ۱۹۱۱ء کی ابتدا مین جب یہ اسکیم اول بار ایک عملی شکل مین ظہور پزیر ہوئی ہے، تو تمام اسلامی ہند نے جس جوش و خروش سے اسکا خیر مقدم کیا ہے، اسکی کوئی نظیر کسی دوسری تحریک کے متعلق اسکی کم از کم پچھلی ایک صدی کی تاریخ کے اندر نہین پیش کی جا سکتی۔ تعلیم یافتہ و غیر تعلیم یافتہ، بوڑھے اور بچے، جدید یونیورسٹیون کے گریجویٹ اور قدیم مدارس کے مُلّا، اِن سب کی زبان پر مسلم یونیورسٹی کا غلغلہ تھا۔ اخبارات کے کالم اسی کی خبرون اور رویدادون کی خبرون سے پُر ہوتے تھے، مقررین اسی عنوان کو لیکر اپنے جوہر فصاحت دکھاتے تھے، مصنفین اسی موضوع پر تصانیف تیار کرتے تھے، شعرا اسی مضمون کو اپنی نظمون مین باندھتے تھے، یہانتک کہ جو اشخاص، تحریک علیگڈھ کے سب سے بڑے دشمن خیال کیے جاتے تھے، اب وہ خود بھی اس تحریک کی اشاعت مین نہایت سرگرمی کے ساتھ حصہ لینے لگے۔ اسکا اثر یہ ہوا، کہ جو لوگ، مسلم یونیورسٹی کی سربراہی مین پیش پیش تھے، وہ ساری قوم کے تعلیمی، سیاسی اور عام اجتماعی حقوق کے سب سے بڑے محافظ و رہبر تسلیم کر لیے گئے ان کا استقبال جس گرمجوشی کے ساتھ ہوتا تھا، وہ بڑے سے بڑے حکام سرکاری کے لیے باعث رشک تھا، انکی تعظیم، پرستش و تعبد کے درجہ تک پہونچ گئی اور انھین علانیہ کشتی اسلام کا ناخدا، اور استعارہ کا پردہ اٹھا کر قوم کا خدا تسلیم کیا جانے لگا[۱]

---

[۱] ملک کے ایک نہایت مشہور و مقتدر صاحب تصنیف بزرگ نے جن کے متعلق (بقیہ بر صفحہ ۹۹)

لیکن اس ہمہمہ اور بالاخوانی نے پوری ایک سال کی بھی زندگی نہین پائی سنہ ۱۱ء کے ختم ہونے مین ابھی کچھ روز شاید باقی ہی تھے، کہ چند خارجی واقعات و اسباب کے پیش آجانے سے، جنھین دراصل مسلم یونیورسٹی سے مطلق واسطہ نہ تھا، دفعتہً ردعمل کا آغاز ہوا، اور جس زور وقوت کا مد تھا، اسی زور وقوت کے ساتھ جزر بھی شروع ہو گیا۔ پہلے جس طرح مدح وقبول کورانہ وناشناسانہ تھا، اسی طرح اب ردومذمت بھی جاہلانہ وسفیہانہ تھی، اخبارات کے کالم حسب معمول نہایت فیاضی کے سب وشتم کے لیے وقف کر دیے گئے۔ بد زبانی اور سخت کلامی کے ترکش کے تیر ایک ایک کرکے خالی کیے گئے، اور جو ہستی کل تک کشتی اسلام کی ناخدا تسلیم کی جاتی تھی، اسکے متعلق تو یہ اجماع ہو گیا، کہ اسکی حیثیت ایک سرکاری جاسوس کی ہے، اور بس، بلکہ جاسوس تو پھر بھی ایک حد تک اپنی شخصیت رکھتا ہے، حالانکہ اسکی حیثیت تو اس سے زائد کچھ نہین، کہ وہ "سرکاری گرامو فون کا ایک نغمہ" ہے،

حقیقت یہ ہے، کہ اس طرح کے فوری وکلی انقلابات اپنی نوعیت مین صرف جماعات کے ساتھ مخصوص ہین، جنکی نظیر بڑے سے بڑے متلون المزاج افراد کی زندگی مین بھی شاید شاذونادر ہی ملے۔

(بقیہ از صفحہ ۹۸) غلط یا صحیح یہ عام خیال شائع تھا کہ وہ تحریک علیگڈھ کے شدید مخالف ہین، اُس زمانہ مین ایک نظم کہی، جسکے دو ایک شعر ہمین اس وقت اتفاقاً یاد آ گئے:-

بکیش شیعہ وسنی سر آغاخان خدا نبود | ولیکن کشتیِ اسلامیان را ناخدا باشد
سر آغاخان کہ خود تعبیر ہست این خواب نوشتین را | چہ خوش باشد کہ خواب از ما و تعبیر از خدا باشد
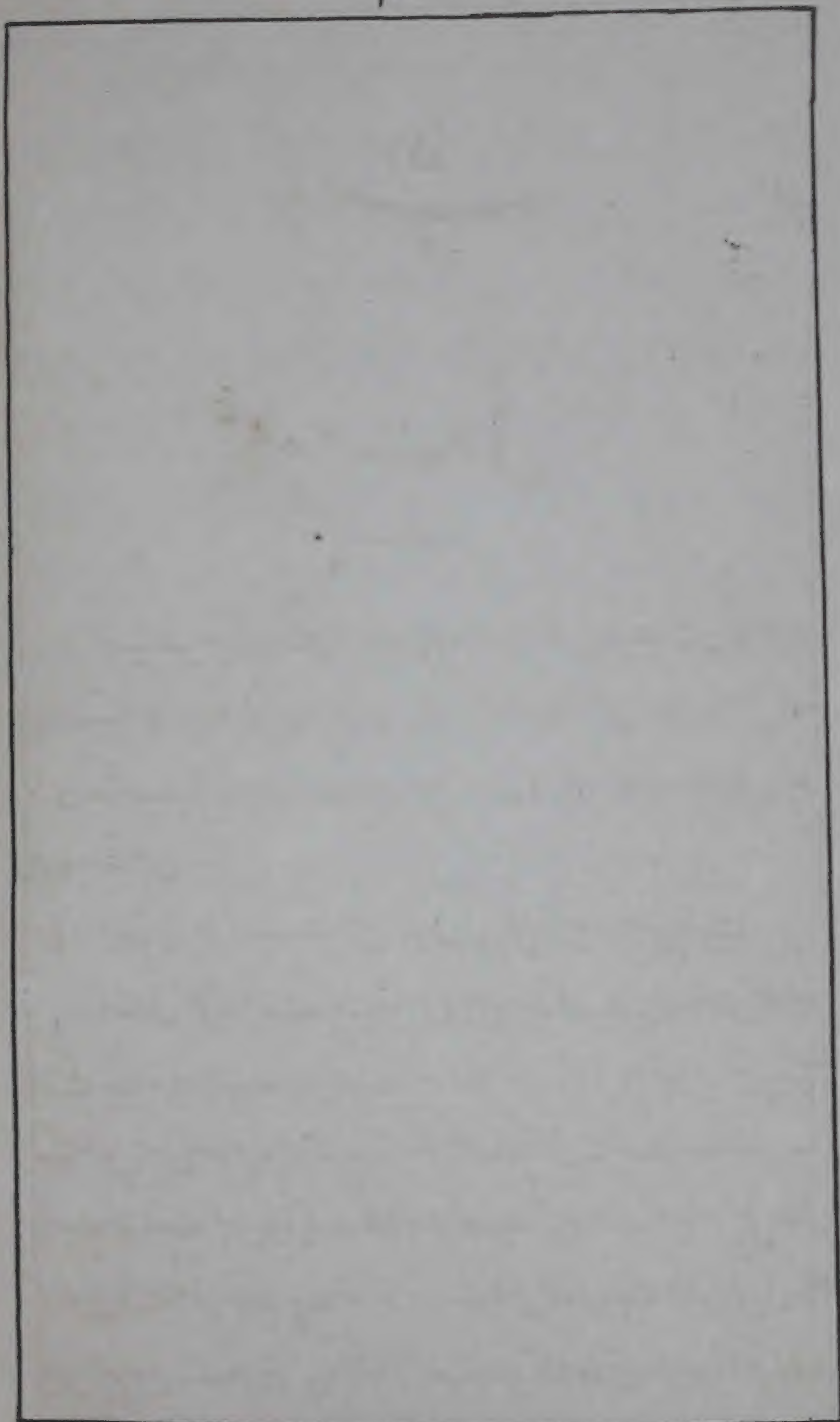
باب (۵)

بداخلاقی

نفسیات جمعیہ کا آخری عنوان، جماعات کا اخلاق ہے، لیکن اگر ابواب گزشتہ کے مطالب بخوبی ذہن نشین ہو گئے ہین، تو اس عنوان کا حل ایک بڑی حد تک ازخود ہو جاتا ہے، اور دو اصول خود بخود ہمارے پیش نظر ہو جاتے ہین -

(۱) اولاً، یہ کہ جماعات سے اعلی اخلاق کی کبھی توقع نہ رکھنی چاہیے -

اخلاق اعلی نام ہے ایک خاص نہج پر ضبط نفس و تربیت قوی کا- اور اسکے لیے ضرورت ہے اس امر کی کہ شعور کا نشو و نما کامل ہو چکا ہو- لیکن جماعت کے متعلق ہمین معلوم ہو چکا ہے، کہ اسکا شعور ارتقائی حیثیت سے نہایت پست ہوتا ہے، پس یہ ایک کھلا ہوا نتیجہ ہے، کہ جماعت کبھی اُس اعلی اخلاق کو نہین برت سکتی، جسکے لیے شعور کا نموے کامل لازمی ہے- شعور شخصی کی حالت مین، ہم مین سے کون متقی و پاکباز شخص، سر رشتہ اخلاق کے جزئیات کو بلحاظ

رکھ سکتا ہے؟ بس اسی پر نفس اجتماعی کو قیاس کرنا چاہیے۔

(۲) ثانیاً، یہ کہ خالص اخلاقی نقطۂ خیال سے، جماعات کے افعال، عیب وصواب، مدح وذم، دونون کے قیود سے یکسان آزاد ہوتے ہین۔

یہ تو معلوم ہے کہ جماعت کے خصایص نفسی مین غور وفکر کا کوئی درجہ نہین ہوتا، نیز یہ کہ اُس سے جتنے اعمال صادر ہوتے رہتے ہین، وہ محض فوری وہنگامی ہیجانات کے نتایج کے طور پر، نیم اضطرارانہ صادر ہوتے ہین۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ اصولاً، جماعت کے افعال، اخلاقی حسن وقبح دونون کے دائرہ سے باہر ہوتے ہین، کیونکہ کسی فعل کو معیار اخلاق پر جانچنے کے لیے ضرور ہے، کہ وہ نیت وارادہ کی ماتحتی مین صادر ہوا ہو، ورنہ اعمال تحت الشعور، یا اضطراری، تو ہمیشہ اخلاقی قوانین کی دسترس سے باہر ہوتے ہین۔ بچون اور دیوانون کے افعال، جو احتساب اخلاقی سے مستثنیٰ سمجھے جاتے ہین، اسکی وجہ صرف یہی ہے، کہ وہ کسی خاص اصول کے تحت مین بالارادہ نہین صادر ہوتے، بلکہ ہر ہنگامی تحریک سے متأثر ہو کر دفعۃً صادر ہو جایا کرتے ہین۔ اور چونکہ جماعت کا بھی بالکل یہی حال ہوتا ہے، اسیلیے اُسکے افعال بھی درحقیقت بے اصول ہوتے ہین، جو اخلاقی حیثیت سے نہ مستحسن کہے جا سکتے ہین، نہ معیوب۔

یہ مسئلہ کا اصولی ونظری پہلو تھا، لیکن اس سے اہم تر یہ مسئلہ ہے، کہ ابتک عملاً کیا ہوا ہے؟ یعنے جماعت سے اسوقت تک جتنے افعال صادر ہوے ہین، گو اُس پر ان کی اخلاقی ذمہ داری اس حیثیت سے عاید نہین ہوتی کہ وہ نیم اضطراری تھے، جن مین اسکے ارادہ ونیت کو دخل نہ تھا، تاہم اُن سے

جو عملی نتائج پیدا ہوے، وہ تو یقیناً یا مفید ہوے ہون گے یا مضر۔ پس سوال یہ ہے، کہ وہ کیسے ہوے ہین؟ ایک دیوانہ اگر کسی کو قتل کر ڈالے، تو تاکہ اسکی دیوانگی پر لحاظ کر کے اسے سزاے موت نہ دیجاے گی تاہم اس سے تو انکار نہین ہو سکتا، کہ اُسکا یہ ارتکاب فعل سوسائٹی کے حق مین بہر حال مضر یا مفید ہوگا۔ اسی معیار پر ہمین جماعت کے افعال کو جانچنا ہے، اور یہ دریافت کرنا ہے، کہ جماعت، جن افعال کی غیر ارادی فاعل ہوتی ہے، وہ اخلاق کے عملی نقطۂ خیال سے کیا وزن رکھتے ہین؟-

مشاہدہ و تاریخ سے اسکا صرف ایک جواب ملتا ہے، تعمیر و اصلاح کے جتنے کام ہوتے ہین، ان کی نوعیت ہی اسکی متقاضی ہے، کہ ان کے کرنے والے ثبات و استقلال سے ایک کافی حد تک بہرہ اندوز ہون، ان کے شعور کی سطح بلند ہو، اور ایک خاص کے ڈسپلن (یعنے انتظامی ریاضت کشی) کے حاوی ہون۔ جماعت چونکہ ان صفات سے علی العموم معرّا ہوتی ہے، اسلیے (تاوقتیکہ کوئی حقیقی لیڈر اُن سے بہتر کام نہ لے، جسکی تصریح رسالۂ ہذا کی کسی آخری باب مین ملے گی،) جماعت کا عمل وحید، تخریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کشت و خون، فساد و غارت، بد امنی و بغاوت، ہر ملک اور ہر زمانہ مین جماعت کے کارنامون کے عنوانات جلی قرار دیے جا سکتے ہین، اور یہی باعث ہے، کہ قانون شکنی، انسانیت فراموشی، و اخلاق کُشی، جس جسارت، جس بیباکی، اور جس قطعیت کے ساتھ جماعت کر سکتی ہے، وہ افراد کے لیے اگر ناممکن نہین تو دشوار ضرور ہے، جماعت کے اِن اخلاقی خصوصیات کے ظہور کا بہترین وقت، ابداھۃً وہ

ہونا چاہیے، جبکہ جماعات افراد پر غالب و متصرف ہوجاتی ہین، تاریخ مین اس تسلط جماعات کے جو بہ کثرت مواقع پیش آئے ہین، اُن سب مین انقلاب فرانس ایک خاص شہرت رکھتا ہے، اور اسکے حالات بھی نسبتہً زیادہ صحت کے ساتھ معلوم ہین۔ اسلیے ہم بطور نمونہ اُس کے چند واقعات ذیل مین نقل کرتے ہین۔

یہ لحاظ رکھنا چاہیے، کہ ہم نے جس جماعت کے کارنامون کو یہان مثال کے لیے منتخب کیا ہے، وہ کوئی جاہلون، بدمعاشون، یا عادی مجرمون کا جتھا نہ تھا، بلکہ اُس مین اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ شامل تھے، بلکہ اُسکے بعض افراد تو سیاسی و معاشری حیثیت سے نہایت ذی وجاہت اور اپنے زمانہ مین اعلی درجہ کے تعلیم یافتہ سمجھے جاتے تھے۔ یہ لوگ ڈاکو یا قزاق نہ تھے جنکی غرض لوٹ مار ہوتی ہے، بلکہ اپنے تئین اصلاح کے طالب، حریت کے فداکار اور مساوات کے علمبردار کہتے تھے۔ ملکی و تمدنی ترقی انکا مطمح نظر تھا، مطالبہ اصلاح کے نعرہ ان کی زبانون پر تھے، عدل و انسانیت کے جذبات سے قدم قدم پر استمداد کی جاتی تھی، اور "حریت، مساوات و اخوت" کے کلمات ثلثہ ان کے فوجی نشانون پر آویزان رہتے تھے۔ پس اگر اس مہذب و شایستہ جماعت سے اعمال توحش و بربریت صادر ہون، تو

"جسکی بہار یہ ہو پھر اسکی خزان نہ پوچھ"

کے اصول کے مطابق یہ بجاے خود قیاس کیا جا سکتا ہے، کہ جو جماعتین پیشتر ہی سے جاہل یا وحشی افراد سے مرکب ہون گی، ان کے اعمال کسقدر

وحشیانہ وقصابانہ بلکہ بہیمانہ ہون گے!۔

انقلاب فرانس کا ایک مشہور رکن کیمل ڈی مولنس Camille de Moulins تھا۔ اسکا اصل پیشہ بیرسٹری کا تھا، مگر اسکی بیرسٹری چلتی بالکل نہ تھی، یہانتک کہ یہ ہمیشہ نہایت مقروض رہتا تھا۔ مگر جب ملک مین شورش پھیلی، تو یہ اپنی طلاقت لسانی کے زور سے ایک ذی اثر شخص ہو گیا اور تسخیر بیسٹیل کے وقت قصر شاہی کے سامنے حریت ومساوات پر پُرجوش تقریرین کرنے لگا، لیکن عین اسی زمانے مین اس نے اپنے ایک دوست کو اپنی پرایوٹ حالت سے مطلع کیا تھا، اسکا ایک اقتباس یہ ہے:۔

"مجھے مسرت مستزاد یہ ہے کہ اب مین نے اپنے اصلی مرتبہ کو پایا ہے۔ یعنے اب ایسی حالت مین ہون، کہ اپنی قوت کا اُن لوگون پر اعلان کرتا ہون، جو اسوقت تک مجھے حقیر سمجھتے تھے اور کل تک جو لوگ مجھ سے اعلیٰ وبرتر تھے، اب ان کو مین اپنا ہم سطح کیئے دیتا ہون۔ میرا اصل مقولہ یہ ہے، کہ اپنے سے برتر کوئی نہین"[۱]۔

"مجھ سے برتر کوئی نہین"، یہ نہ صرف کیمل ڈی مولنس، بلکہ انقلاب کے تمام زعیمون کے دلی جذبات کا صحیح ترجمان تھا۔ درحقیقت جیسا ڈی ٹاکیویل کہتا ہے، زعیمان انقلاب کی اصطلاح مین لفظ "حریت"، ہمیشہ اُن کے اس اعتقاد کے مرادف ہوتا تھا، کہ "مین اپنے سے بہتر حالت مین کسی کو نہین

---

[۱] "فرانس"، مصنفہ مسیو لوڈلی جلد ۲ ۔صفحہ ۱۵۹۔

دیکھ سکتا۔" یہ رذیل جذبہ جماعت کے رگ و ریشہ مین سرایت کر گیا تھا جس سے شاید ہی کوئی فرد مستثنیٰ رہا ہو۔ اور پھر بالکل یہی حال ادّعاے مساوات کا تھا، جو لوگ ہر وقت زبان سے عدل و مساوات کا کلمہ پڑھتے رہتے تھے اُن سے بڑھ کر عملی زندگی مین عدل و مساوات کی توہین کرنے والا اور کوئی نہ تھا۔ یہ لوگ اپنی رائے سے خفیف سے خفیف اختلاف کو بھی جائز نہین رکھتے تھے، اور "رواداری" اب ایک اسم رہ گیا تھا، جسکا کوئی مسمّیٰ نہ تھا۔ اسی لیے بعض مورخین اس عہد کو عدم مسالمت کے دور سے تعبیر کرتے ہین۔ ایک مستند مورخ لکھتا ہے،

"دور موجودہ مین جو حرّیت فکری عام طور پر شایع ہے، یہ اُن فلاسفہ کی کوششون کا نتیجہ ہے، جو (فرانس کی) قدیم شہنشاہی کے پیداوار تھے، کیونکہ اُسوقت یہ اپنے خیالات کی نشر و اشاعت بے روک ٹوک کر سکتے تھے۔ لیکن وہی روسو، والٹیر و ڈایڈرو جو اصلی بانیان انقلاب تھے، اگر کہین اُس زمانہ تک زندہ رہے ہوتے، تو باوجود ان کی کبر سنی کے ان کا بھی وہی حشر ہوتا، جو لویزا اور مال زوربے کا ہوا، (یعنے یہ بھی قتل کر دیے جاتے) بہ شرطیکہ کونڈرسٹ کی طرح یہ خودکشی نہ کر چکے ہوتے[۱]۔

اس انقلاب کی خونچکان یادگارین جو صفحات تاریخ مین محفوظ ہین، خصوصًا ۱۰۔ اگست و ۲۔ ستمبر کی مشہور و معروف خونریزیان، اس دعوی کے

[۱] "فرانس"، مصنفہ مسیو لوڈکی، جلد ۲۔ صفحہ ۱۵۹۔

شواہد قوی ہین، کہ جماعتون کے قواے بہیمی و قصابی کا عمل غیر محدود ہوتا ہے
بلا ثبوت جرم، بغیر تحقیقات، بغیر عمر و جنس کا لحاظ کیے، انسانی خون پانی کی طرح
بکمال بیدردی بہانا، اور بیگناہون کو عقوبت کی ممکن سے ممکن سخت ترین
اشکال سے ہلاک کرنا، یہ انقلاب فرانس کی مہذب، شائستہ، حریت خواہ،
مشورت دوست، جمہوریت پسند، و مساوات پرست، جماعت کا خاص کارنامہ
تھا۔ مسیو ٹین Taine جو ایک مستند مورخ ہونے کے ساتھ ہی
ایک وقیع حکیم بھی ہوا ہے، کہتا ہے، کہ

"مختلف اقطاع ملک مین ایک سَو ساسی مجسٹریٹ، جن مین
سے چالیس دورہ پر رہا کرتے تھے، احکام قتل صادر کرنے کے
مجاز تھے، جن کی تعمیل فوراً کی جاتی تھی۔ چنانچہ ۱۶- اپریل سنہ ۱۷۹۳ع
سے لیکر ۹- تہرمیڈر سنہ تک ۲۶۲۵ جانین صرف پیرس کی
عدالت کے حکم سے لی گئین، اور بیرونجات کے مجسٹریٹ بھی
مساوی سرگرمی کے ساتھ فرشتۂ قضا کے فرائض انجام دے
رہے تھے، آرنج ایک چھوٹا سا قصبہ تھا، صرف یہین ۳۳۱
سے زاید آدمی ہلاک کیے گئے۔ شہر آرا مین ۲۹۹ مردون اور
۹۳ عورتون کو جام مرگ پلایا گیا ... غرض اس طرح ان کشتون
کا شمار ۱۷۰۰۰ تک پہونچا، جن مین ۱۲۰۰ عورتین تھین، اور
وہ بھی بہ کثرت ایسی تھین، جو اسّی اسّی سال کی عمر تک
پہونچ چکی تھین"۔

پیرس کی عدالت نے شروع شروع قانونی ضوابط کی نمایش باقی رکھی تھی، لیکن تھوڑی ہی مدت کے بعد وہ جاتی رہی، تحقیقات ثبوت، شہادت صفائی، بالآخران مین سے کوئی شے نہین باقی رہی، اور صرف اخلاقی ثبوت یعنے محض شُبہ، فتواے قتل کے لیے کافی بنیاد ہوگیا، اور پھر یہ نہ خیال کرنا چاہیے، کہ یہ جہاد صرف امرا کے خلاف تھا، کیونکہ ادنی طبقہ کے مقتولین مین بھی کاروباری و مزدوری پیشیہ افراد کی تعداد...۳۰۰۰ اور کسانون کی تعداد...۴۰۰۰ تھی "

غور کرو کہ یہ خون آشامیان فوج کی نہ تھین، بلکہ ججون اور مجسٹریٹون کی تھین، یعنے اُن لوگون کی، جن کا سب سے پہلا فرض عدل اور انصاف کے مطابق کارروائی کرنا تھا، اور جن کے فرائض منصبی کی سب سے پہلی دفعہ یہ تھی، کہ مقدمات کی کامل تحقیقات کرین، تمام شہادتون پر غور کرین، اور ملزم کو اپنی بریت و صفائی کا پورا موقع دین۔ اس سے یہ ناموس فطری تمھارے سامنے از سرنو جلوہ گر ہو گیا ہو گا، کہ افراد جسوقت جزو جماعت ہو جاتے ہین وہ ایسی ایسی خلاف انسانیت حرکات کے مرتکب ہونے لگتے ہین جن کے ارتکاب کا اُن کی ذات سے شان و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔ ان حالات سے تمھین اسکا بھی اندازہ ہو گیا ہو گا، کہ جب تعلیم یافتہ، قانون پیشہ، علمبرداران عدل، اس سطح پر پہونچ جاتے ہین، تو فوج کے مظالم جو بیشتر ناتربیت یافتہ افراد پر مشتمل ہوتی ہے، کس درجہ پر ہون گے۔ لی بان نے اپنی محققانہ تالیف

،،نفسیات انقلاب،، مین انقلاب خواہ سپاہ کے کارنامہ مختلف مآخذ سے تفصیل کے ساتھ جمع کیئے ہین۔ ہم ان مین سے یہان صرف دو ایک اقتباسات بطور نمونہ کے درج کرتے ہین:-

،،بڈدین ایک چھوٹی سی بستی تھی، جسکے باشندون کا شمار ۲۰۰ تھا۔ یہان ۲۳۴ مکانات مسمار کردیے گئے، ۷۴۔ اشخاص گولی سے اور ۱۶۔ اُس خاص مشین سے جو ہلاک کے لیے تھی (Guillotine) ہلاک کیے گئے، اور باقی تمام باشندون کو جلاوطن کرکے اس پر مجبور کیا گیا، کہ یا تو کوہسارون مین خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرین، اور یا زمین کے اندر تہ خانون اور غارون مین روپوشی اختیار کرین۔ پھر جو بدنصیب، فوج کے ہاتھ سے بچکر عدالت تک پہونچتے تھے، ان کا حشر اور بھی بدتر ہوتا تھا، قانونی ضوابط کا پردہ بھی عدالتون نے چندہی روز کے بعد اُٹھا دیا تھا۔ مقام نائٹ مین جج کیریار نے اپنے اندازہ کے مطابق ۵۰۰۰ ہستیون کو، جن مین مرد، عورت، بچے، سب شامل تھے گولی مارکر یا دریا مین غرق کرکے فنا کردیا،،

ایک معتبر راوی کی عینی شہادت کے الفاظ یہ ہین:-

،،مقام تویرموٹیر کی تسخیر کے بعد مین نے اپنی آنکھون سے دیکھا کہ عورتین اور مرد، خواہ بوڑھے ہون خواہ جوان، زندہ آگ مین جلادیئے گئے۔ چودہ چودہ پندرہ پندرہ سال کی لڑکیون کی

پہلے تو عصمت دری کی جاتی تھی، اور بعد کو انھین قتل کر ڈالا جاتا تھا۔ نازک نازک شیر خوار بچے، جو اپنی ماؤن کی چھاتی سے لپٹے ہوتے تھے، اُن سے زبردستی چھین لیئے جاتے تھے، اور پھر انھین گیند کی طرح سنگین بسنگین اُچھالا جاتا تھا،،

ذیل کی تفصیلات، فرانس کے ہفتہ وار اخبار مانیٹر (Moniteur) سے ماخوذ ہین۔

"جولین بیان کرتا ہے، کہ جج کیر یار اپنے اسیرون کو مجبور کرتا تھا کہ خود اپنے ہاتھ سے اپنی قبر کھودین، اور اپنے تئین اُس مین زندہ دفن ہو جانے دین" یہی پرچہ اپنی ۱۵۔ اکتوبر ۹۴ء کی اشاعت مین مرٹن ڈی تھیون وِل کی ایک رپورٹ شایع کرتا ہے، جس سے یہ بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ کشتی مسمی بہ لاڈسٹین کے کپتان کو یہ حکم ملا تھا کہ ۴۱۔ اشخاص کو دریا مین غرق کر دے، جن مین ایک پیر مرد ۷۸ سال کی عمر کا تھا، ۱۲ عورتین تھین، ۱۲ کمسن لڑکیان تھین، ۱۴ لڑکے تھے جن مین سے ۳ کی عمر ۶ سال سے لیکر ۱۰ سال تک تھی، اور ۵ شیر خوار تھے،

یہ تفصیلات اگرچہ نانٹیز سے متعلق تھین، تاہم یہ یاد رکھنا چاہیے، کہ "نانٹیز کی خونریزیون کا اعادہ ملک کے اکثر حصّون مین کیا گیا۔ چنانچہ کمانڈر فوشا نے صرف مقام لیانس مین ۰۰۰ھ سے زائد اشخاص کو قتل کیا، اور ٹوٹن مین تو کشت وخون کی اتنی گرم بازاری

رہی، کہ وہان کی آبادی چند ماہ کے اندر ۹۰۰۰۰۲ سے گھٹ کر ۷۰۰۰۰ رہ گئی" و قِس علی ہذا۔

کیا دنیا کے کسی بڑے سے بڑے جبّار تاجدار کے دامن پر اس سے زیادہ سفاکی اور معصوم کشی کے دھبّے نظر آسکتے ہین؟

ہندوستان مین غدر ۱۸۵۷ء کے زمانے مین ہندوستانی سپاہ نے انگریز لیڈیون اور بچّون کے ساتھ جو شقاوت برتی، سلطنت روس نے مختلف جنگون کے مواقع پر جس طرح اپنے قواے بہیمیت کا اظہار کیا، طرابلس کے میدان مین اہل اٹلی نے اپنے مفتوحون کے ساتھ جس درندگی وسبعیت کا برتاؤ روا رکھا، اور ان سطور کی تحریر کے وقت جرمن سپاہ کی جس سفاکی وبربریت کی پیہم خبرین آرہی ہین، ان سب روایات سے ہمارے ناظرین واقف ہون گے۔ لیکن ہم ان واقعات سے استشہاد کرنا کیسا، ان کی طرف اشارہ بھی نہین کرتے، اور یہ اس بنا پر کہ ان سب صورتون مین فریقین کے جذبات انتقام وغضب کو غیر معمولی طور پر برانگیختہ کرنے کے بہت سے خارجی اسباب جمع ہوگئے تھے، مثلاً تخالف مذہب، تخالف قومیت، ہوس ملک گیری، مظالم سابقہ کا انتقام وغیرہ۔ البتہ انقلاب فرانس کی جماعت، جسکے حالات ہم نے استشہاداً پیش کیے ہین، وہ ان سب سے ایک جداگانہ حیثیت رکھتی تھی۔ اسکے لیے کوئی اشتعال انگیز خارجی سبب نہ تھا۔ جس فریق کو وہ اپنے مظالم کا ہدف بنا رہی تھی، اُسکا اور اِسکا دین ومذہب ایک تھا، قومیت ایک تھی، وطن ایک تھا، زبان ایک تھی، غرض دونون مین کوئی اصولی وعمیق فارق نہ تھا۔ اختلاف جو کچھ تھا، وہ صرف دونون کے

اعتقاد سیاسی مین تھا۔ یعنے ایک فریق جمہوریت کا طالب تھا، اور دوسرا شخصیت کا طرفدار تھا محض اتنا اختلاف تھا، جسکی بنا پر، اول الذکر فریق نے غلبہ پاکر اپنے فریق مقابل پر وہ بیدردانہ ستم رانیان جائز رکھین جنھین سنکر آج بڑے سے بڑے شقی القلب کو عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ اس امر کی واضح شہادت ہے، کہ ان افراد کے تو لے بہیمی کو ہیجان مین لانے کا کوئی خارجی سبب نہ تھا، بلکہ صرف یہ امر تھا، کہ اُسوقت اُن پر نفس اجتماعی حکمرانی کر رہا تھا۔

اسی جماعت انقلاب فرانس اور اسکے کارنامون کے سلسلۂ بیان مین یہ واقعہ بھی سُن رکھنے کے قابل ہے، کہ اُس مشہور سائنس دان و مکتشف لویزا (Lavoisier) کا خون کسی جبار و خود مختار تاجسد لرّبا استبداد پسند اہل حلّ و عقد کے سر نہین، بلکہ تمامتر اُس جمہوریت پرست مجمع نمایندگان قوم کے سر ہے، جسکی شریعت سیاسی کا کلمۂ طیبہ "حرّیت، اخوت، و مساوات" تھا۔ قانون عدم فنا رمادہ کا یہ مُدوّنِ اول، جسے بالکل بجا طور پر طبیعات و کیمیائیات جدید کا آدم کہنا چاہیے، جب بیگنہ و بے قصور، جمہوریت کی مجلس شوریٰ (Council of Democrats) کے سامنے پیش ہوا، تو اس نے یہ درخواست کی کہ "میرا قتل اسوقت تک ملتوی رکھا جائے، جب تک مین اپنا پچھلا اختبار ختم کرلون"۔ اس کے جواب مین وکیل سرکار نے بہ کمال جسارت و بیدردی کہا کہ

"جمہوریت کو حکما و فلاسفہ کی کوئی حاجت نہین"

(La Republique n'a pas de Savants)

حقیقت یہ ہے کہ جماعت، حریت پسند و مشورت دوست جماعت عدالت شعار و مساوات پرست جماعت کے مظالم کے سامنے نیرو و بخت نصر کے نام ماند پڑ جاتے ہین، اور اسکی خون آشامیون کے آگے چنگیز و ہلاکو کی روحین بھی لرز اُٹھتی ہین۔

باب (۶)

قایدین جماعت (یعنے لیڈرون) کے اجمالی خصائص

یاد ہوگا، کہ باب اول کے دوسرے ٹکڑے مین ہم نے سیرات عمرانی پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی تھی، لیکن یہ بھی یاد ہوگا، کہ وہ ساری گفتگو اسکے صرف ایک پہلو، یعنے تقلید و محاکات سے متعلق تھی، حالانکہ یہ صریحاً ظاہر ہے، کہ تقلید یا محاکات ایسی شے نہین، جو عالمگیر ہوسکے، بلکہ یہ لازمی ہے، کہ اسکا ایک مقابل پہلو بھی ہو۔ یہ مانا کہ سب لوگ تقلید کے لیے کمربستہ ہین، مگر آخر کس کی تقلید کرین گے؟ یہ فرض کرلیا، کہ ہر شخص نقل اُتارنے کے لیے مستعد ہے، مگر آخر اس نقل کی کوئی "اصل" بھی تو ہوگی؟ یہ بھی سچ سہی، کہ کُل دنیا مقتدی بننے کے لیے آمادہ ہے، مگر کسی نہ کسی کو تو اپنا مقتدا بہر حال اُس نے تسلیم کیا ہوگا۔ غرض، ادنیٰ غور کے بعد بھی اتنا بہ خوبی سمجھ مین آجاتا ہے، کہ جس طرح ہر حاکم کے مقابلہ مین ایک محکوم۔ ہر خالق کے مقابلہ مین ایک مخلوق اور ہر علت کے مقابلہ مین ایک معلول ہونا ضرور ہے

اُسی طرح یہ بھی لازمی ہے، کہ ہر تقلید کے مقابل اجتہاد، ہر اقتدا کے مقابل قیادت، اور ہر تابع کے مقابل ایک پیشوا کا وجود ہو۔

پس اگر جماعت کی سرشت مین یہ داخل ہے (جیسا کہ گذشتہ صفحات مین واضح طور پر ثابت ہو چکا) کہ وہ ہمہ تن تقلید ہوتی ہے، وہ متاثر بہت جلد ہوتی ہے، اس مین قوت فاعلی کی جگہ قوت انفعالی بہت بڑھی ہوتی ہے، تو یہ لامحالہ ماننا پڑیگا، کہ کچھ ہستیان ایسی بھی ہوتی ہین، جو اسکی رہنمائی کرتی ہین، اُس پر موثر ہوتی ہین، اور اسکی قوت انفعالی پر متصرف ہو کر اُس سے کام لیتی ہین۔ یہی افراد لیڈر، یا قاید کہلاتے ہین۔ حقیقۃً یہی ہستیان تاریخ عالم کی مصنف ہین، اور انھین کی قوت تخلیق کی یہ کرشمہ سازیان ہین جنھون نے دنیا کو دنیا بنا رکھا ہے۔ کیا خوب کہا ہے کارلائل نے، کہ دنیا، اور اہل دنیا نے ابتک جو ترقی یا کامیابی حاصل کی ہے، دراصل اس سب کی تہ مین انھین "اعاظم رجال" کی قوت کام کرتی نظر آتی ہے۔

قطع نظر منطقی لزوم کے، نفس اجتماعی کے جو خصایص اوپر گزر چکے وہ خود اس ضرورت کے سب سے بڑے داعی ہین، کہ نظام انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے جماعت کو ہمیشہ کسی نہ کسی آقا کی ماتحتی و غلامی مین رہنا چاہیے۔ صفحات بالا مین ہم بتا آئے ہین، کہ عقلی حیثیت سے جماعات کبھی سن بلوغ کو نہین پہونچتین، ہم دیکھ چکے ہین، کہ جو خصایص نفسیات طفولیت کا مایۂ خمیر ہوتے ہین، مثلاً تقلید، اثر پزیری، زود اعتقادی، جلد بازی، تلون مزاجی، کم عقلی، اشتداد جذبات، مبالغہ پسندی، تخئیل آرائی، اشتعال پزیری،

وغیرہ، وہی تمامتر نفس اجتماعی کے بھی عناصر ترکیبی ہوتے ہین، ہمین معلوم ہو چکا ہے کہ جماعات اپنی عقلی نابالغی اور طفل شعوری کے باعث کبھی خود اپنی خبرگیری کے لایق نہین ہوتین! پھر ان سب مقدمات کی مدد سے ہم اس نتیجہ پر پہونچ چکے ہین، کہ خود ان کی بہبود وفلاح اسی مین ہے، کہ وہ ہمیشہ اپنے تئین کسی قوی آقا کی غلامی مین رکھین، اور سچ یہ ہے کہ اسکے خلاف تو ہو ہی نہین سکتا، یعنے کسی آقا کے زیر قیادت تو لامحالہ رہین گی ہی، البتہ یہ ضرور ہے کہ اُن آقاؤن کو اپنے منصب کا اہل ہونا چاہیے۔ بعض زمانہ، جن مین جماعات بظاہر بالکل مطلق العنان معلوم ہوتی ہین (مثلاً انقلاب فرانس کے زمانہ مین) اُن مین بھی حقیقتہً وہ مطلق العنان نہین ہوتین، بلکہ صرف یہ ہوتا ہے، کہ انکی قیادت ایسے اشخاص کے ہاتھ مین آجاتی ہے، جو اس منصب کی کسی طرح اہلیت وصلاحیت نہین رکھتے۔

غرض، جماعت کے لیے قاید کی ضرورت ہر پہلو سے ظاہر وبین ہے، اب دیکھنے کی بات یہ ہے، کہ قیادت کے لوازم کیا ہین؟ یا بہ دیگر الفاظ، قاید کے امتیازی خصایص نفسی کیا ہوتے ہین؟ اسکا تفصیلی جواب تو صفحات ذیل مین آتا ہے، لیکن اسقدر سرسری طور پر بھی ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جسطرح قاید کی ہستی جماعت کی مقابل ہے، اسی طرح اصولاً اس کے خصایص نفسی بھی جماعت کے خصایص نفسی کے مقابل ومتمم ہون گے۔ یعنے جو چیزین جماعت طلب کریگی، انھین قاید مہیا کرے گا، اور جن چیزون کی جماعت اپنی ترکیب نفسی کے لحاظ سے محتاج ہوگی، وہ قاید کی طرف سے

پوری ہون گی۔ مثلاً اگر یہ معلوم ہو چکا ہے، کہ جماعات کے جذبات نہایت قوی ہوتے ہین، تو ضروری ہے، کہ ان کا قاید وہی شخص ہو، جو کامیابی کے ساتھ ان کے جذبات کو متاثر کرسکتا ہے۔ اسی طرح ان کے دیگر خصایص پر قیاس کرنا چاہیے۔ پس ہمین چاہیے، کہ نفسیات قیادت کی تحقیقات کرتے وقت نفسیات جماعت کے سر رشتہ کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دین۔ اور اگر ہم جماعات کی فطرت و سرشت کو صحیح طور پر سمجھ چکے ہین، تو یقیناً قایدین کی فطرت و سرشت کے سمجھنے مین سہولت ہوگی۔

یونان قدیم مین ڈیماستھنیز ایک مشہور جادو بیان خطیب ہوا ہے، جو فنِ خطابت کے اسرار و دقایق کا ماہر تھا۔ ایک بار لوگون نے اُس سے سوال کیا، کہ خطابت مین کامیابی کا اصلی اصول کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا "عمل"، انھون نے پوچھا "اس کے بعد"؟ اس نے کہا "عمل"، تیسری بار انھون نے پھر دریافت کیا کہ "اسکے بعد"؟ اُس نے اِس مرتبہ بھی وہی جواب دیا کہ "عمل"، بالکل اسی طرح، اگر یہ دریافت کیا جائے کہ قیادت کی اصلی شرط کیا ہے؟ تو جواب ہوگا کہ "قوت ارادی"، اگر دوبارہ یہ سوال کیا جائے، تو بھی یہی جواب ہوگا، اگر سہ بارہ اسی سوال کا اعادہ کیا جائے، تو پھر بھی یہی جواب قایم رہے گا۔ مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ دنیا مین کامیابی جس شے کا نام ہے، اُس مین انسان کے نہ قواے استدلال کو چندان دخل ہوتا ہے اور نہ اسکے ذوق و وجدان کو، بلکہ وہ تقریباً تمامتر نتیجہ ہوتی ہوتی ہے اُسکے ارادہ کا۔ تاریخ مین صدہا افراد ایسے گزرے ہین، جو عقل

وقوت استدلال مین یکتا تھے، مگر اُن کی زندگی شروع سے آخر تک ناکامیون کا ایک تسلسل رہی ہے۔ سیکڑون ایسے اشخاص پیدا ہوتے رہے ہین، جو لطیف المذاقی وسلامتی وجدان مین اپنا جواب نہ رکھتے تھے، مگر کارزار حیات مین ان کا ہر وار خالی گیا ہے۔ اور بیشمار ایسی ہستیان ہوئی ہین، جو پیکر علم وفضل، اور مجسمۂ ذہن وذکا کہی جاسکتی تھین، لیکن ان کی زندگی کی محرومیان اور نارسائیان آج دوسرون کے لیے مرقع عبرت کا کام دیتی ہین۔ تاریخی مثالون سے قطع نظر کر کے خود اپنے گرد وپیش نظر کرو۔ بیسیون خوش مذاق وصاحب علم افراد ملین گے، مگر اُن کا اپنے ملنے والون پر نہ کسی طرح کا اثر ہوگا نہ دباو۔ بخلاف اسکے بعض اشخاص ایسے بھی ملین گے، جو نہ تو کچھ ایسے زیادہ ذوق سلیم سے حصہ دار ہون گے، اور نہ علم وفضل سے، مگر پھر بھی اُن مین یہ وصف ہوگا، کہ اپنے حلقۂ احباب واعزہ مین ایک خاص وقعت ووقار رکھتے ہین، اور جو شخص اُن سے ملتا ہے، وہ اُن سے متاثر بھی ضرور ہوتا ہے۔ ان تمام شواہد سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اثر ونفوذ جس شے کا نام ہے، وہ نہ عقل پر موقوف ہے نہ جذبات پر، بلکہ تابع ہے قوت ارادی کے۔ اور یہی قوت ارادی جس شخص مین جتنی زیادہ ہوگی، اُسی نسبت سے اُس مین اپنے ابنائے جنس کو متاثر کرنے کی یا بہ دیگر الفاظ، ان کی رہبری وقیادت کی صلاحیت واستعداد بھی زیادہ ہوگی

تمھین اپنی زندگی مین بارہا اس کا تجربہ ہوا ہوگا، کہ تم ایک شے کو دل سے بُرا جان رہے ہو، اسکے کرنے کے لیے اپنے تئین بالکل آمادہ نہین پاتے ہو، اسکے خلاف تمھارے پاس دلائل موجود ہین، لیکن اتفاق سے تمھارا کوئی

شنا سا (یا ممکن ہے کہ اجنبی ہو) وہاں موجود ہے، اور وہ تم سے اس کے کرنے کے لیے کہ رہا ہے۔ احباب و اعزہ کے اصرار کو تم بار ہا رد کر چکے ہو۔ اُن کی خاطر شکنی مین بھی تم نے پیشتر تامل نہین کیا ہے، مگر اسوقت تمھاری وہ حالت نہین۔ وہ شخص تم سے کہ رہا ہے، اور تم سے انکار کرتے نہین بنتا۔ تم جانتے ہو، اور خوب جانتے ہو، کہ وہ فعل بُرا ہے، یا کم از کم یہ کہ تمھین اسکی جانب رغبت نہین، لیکن اسکے اصرار کے سامنے تم پہلے مذبذب، اور پھر بالکل مغلوب ہو رہے ہو۔ یہانتک کہ بالآخر اُس نے وہ کام تمھاری خواہش، مرضی، و ارادہ کے علی الرغم تم سے لے ہی کر چھوڑا۔ ایسے مواقع کے گزر جانے کے بعد تم اکثر اُن پر پچھتاتے ہو۔ اپنے تئین ملامت کرتے ہو، اور ملامت کے ساتھ اپنے اوپر حیرت بھی کرتے جاتے ہو، لیکن حقیقت در یہ تمھارا اس مین دانستہ کوئی قصور نہ تھا۔ سرشت بشری کا یہ لازمی اقتضا ہے کہ ضعیف قوت ارادی، زبردست قوت ارادی سے مغلوب رہے۔ بس جسطرح جسمانی حیثیت سے کسی قوی تر حریف کے مقابلہ مین تمھارا شکست کھانا یقینی تھا، اور یہ ایک بالکل طبعی واقعہ ہوتا، اسی طرح تم سے زیادہ قوی الارادہ شخص کے مقابلہ مین بھی تمھارا مغلوب ہو جانا ایک بالکل طبعی واقعہ ہے، جو قوانین نفسیات کا ایک صاف و صریح نتیجہ ہے، اور مطلق حیرت انگیز نہین ایسے تمام افراد، جنکی قوت ارادی ضعیف ہوتی ہے، فطرةً غلام طبع ہوتے ہوتے ہین۔ فطرت نے انھین غلامی کے لیے پیدا کیا ہے، اور وہ باوجود اپنی جد و جہد کے مدة العمر غلام ہی رہین گے۔ ممکن ہے کہ وہ علم و فضل مین

یکتائے عصر ہون، ممکن ہے کہ دولت وثروت کے بہت بڑے حصہ دار ہون
ممکن ہے کہ اتفاقات زمانہ نے اُنھین کسی بلند ایوان حکومت کا کرسی نشین کردیا
ہو، لیکن اُن مین سے کوئی شے اُن کی سرشت کو نہین بدل سکتی۔ اس تمام
ظاہری سامان کے باوجود بھی وہ دوسرون کے اشارہ پر چلین گے، قدم قدم
پر دوسرون کا سہارا ڈھونڈھین گے، اور ایک غیر شعوری طور پر اُن کی
غلامی کرتے رہین گے۔ وہ معدودے چند افراد، جن کے ارادہ قوی ہین
اُن پر حقیقۃً حکمرانی کرین گے، اور گو وہ وجاہت ظاہری کے اسلحہ سے آراستہ
نہ ہون، تاہم ہر معرکہ مین فتح اُنھین کے ہاتھ رہیگی، وہ اِن ضعیف الارادہ ہستیان
فطری سے جو کام چاہین گے لین گے، اور جس رُخ پر چاہین گے، اُنھین چلائین گے
قوت ارادی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی
حد تک فطری و وہبی ہوتی ہے، اکتساب سے نہین پیدا ہوتی۔ جہان کہین
چند بچے یکجا ہو کر کھیل رہے ہون، اُن کی حالت کا مشاہدہ کرو۔ اکثر یہ ہوگا
کہ کوئی ایک بچہ، جسکے لیے نہ یہ لازمی ہے، کہ سن مین زیادہ ہو، اور نہ یہ کہ طاقت
مین زیادہ، بطور اُن سب کے سردار یا سرغنہ کے ہوگا جس کی حکومت وماتحتی
دوسرے بچے بہ خوشی سہہ رہے ہون گے۔ یہی وہ شے ہے، جو لیڈری
یا قیادت کا تخم ہے، اور جسے اگر نشوونما کا پورا موقع مل گیا، تو آئندہ یہی تخم
ایک پُرشوکت شجر ہوگا، جس کے برگ وبار ایک عالم پر محیط ہون گے۔
نپولین کی بابت کہا جاتا ہے، کہ وہ اپنے بچپن کے کھیل مین ہمیشہ بادشاہ
یا سردار بنتا تھا۔ اسی طرح نادر شاہ وغیرہ متعدد قائدین عظام کے متعلق روایات

مشہور ہین۔ ظاہر ہے، کہ اس قدر صغر سنی مین کوئی بچہ اپنے قصد و شعور سے کام لے کر، اور مصنوعی وسائل کی مدد سے ارادہ کی یہ طاقت حاصل نہین کر سکتا بلکہ یہ جوہر فطری ہے، جو جبلۃً آغوش مادر ہی سے مختلف صورتون مین ظاہر ہونے لگتا ہے۔

اس بنا پر جو لوگ منصب قیادت کا حوصلہ رکھتے ہین، انھین سب سے پیشتر، بجاے خود اپنی قوت ارادی کے ضعف و قوت کا امتحان لینا چاہیے۔ اگر اُن کا ارادہ ضعیف ہے، تو اُنھین اُسی وقت سے اس کا یقین کر لینا چاہیے، کہ اُن مین اس منصب کی اہلیت نہین، انھین فطرت نے امامت کے لیے نہین، بلکہ اقتدا کے لیے، اور فرمان روائی کے لیے نہین بلکہ فرمان برداری کے لیے پیدا کیا ہے، اور فطرت کے قائم کردہ حدود پر غالب آنا طاقت بشری سے باہر ہے۔ تعلیم و تربیت، مشق و ریاضت، سعی و کوشش اور مصنوعی وسائل زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہین کہ جو جوہر پنہان ہے اُسے آشکارا کر دین، جو خفی ہے اُسے جلی کر دین، اور جو جلی ہے اُسے جلی تر کر دین۔ لیکن کسی جوہر کو عدم سے وجود مین لانا انسانی تدابیر کے بس کی شے نہین۔ اس منصب کی امیدواری کا حق صرف اُن لوگون کو حاصل ہے، جو فطرت سے ایک ارادۂ قوی اپنے ہمراہ لائے ہین۔

باب (۷)

سطوت و فطرت شناسی

قوت ارادی کا سب سے بڑا مظہر، ذاتی سطوت یا نفوذ ہے اور درحقیقت یہی وہ شے ہے، جو ایک حقیقی قائد اور ایک محض مدعی قیادت کے درمیان حد فاصل ہوتی ہے۔ جس شخص میں فطرۃً قاید بننے کی اہلیت و صلاحیت ہوتی ہے، اس مین شروع ہی سے ایک طرح کا رعب یا دبدبہ ہوتا ہے، جس سے اسکے ہم چشم ہر معاملہ مین اُس سے مرعوب و متاثر رہتے ہین۔ اپنی پُر تاثیر شخصیت سے وہ اپنے اندر ایک طرح کا سحر یا قوت تسخیر رکھتا ہے، جسکی بنا پر جس کسی کا اُس سے سابقہ پڑتا ہے، اُسے وہ ہپناٹسٹ (عامل ہیمیا) کی طرح اپنا معمول بنا لیتا ہے۔ نپولین و نادر وغیرہ مین بچپن ہی سے اسقدر رعب و داب تھا، کہ ہم سن بچون کو سرکشی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اور اسی خصوصیت کے ارتقا نے آگے چل کر انھین نپولین و نادر بنا دیا۔ حضرت محمدؐ کے متعلق بہت سی روایات اس قسم کی مشہور ہین، کہ

جب وہ دوسرون کے ساتھ چلتے تھے، تو سب مین بڑے وہی معلوم ہوتے تھے، وغیرہ۔ خوش اعتقادیون کے حصہ کو حذف کرنے کے بعد اس طرح کی تمام روایات کا اصل منبع قائدین کی انھی سطوت کا وجود ٹھہرتا ہے۔

یہ سچ ہے، کہ سطوت ذاتی کو متعدد مصنوعی وسائل سے تقویت پہونچائی جاسکتی ہے۔ چنانچہ مفتیان شرع اپنے عبا و عمامہ کے ساتھ، وکلا و حکام عدالت اپنے گون (جبہ) کے ساتھ، پولیس و فوج کے سپاہی اپنی وردیون کے ساتھ، یونیورسٹی کے سندیافتہ اپنی مخصوص پوشش کے ساتھ، بہ نسبت اپنے معمولی وسادہ لباس کے یقیناً زیادہ رعب وسطوت رکھتے ہین، جیسا کہ ہر شخص اپنے مشاہدہ سے تصدیق کریگا۔ تاج وکلغی، تمغہ و نشان، یونیورسٹیون کے اسناد و ڈگریان، خطابات و دیگر اعزازات، دولت حکومت، جسمانی قوت، عمدہ صحت، قیمتی لباس، شہرت، علم و فضل، کمال فن غرض ہر ایسی شے، جو عام شاہراہ سے بالاتر، اور ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے، کم وبیش، افزائش سطوت کا ایک آلہ بن سکتی ہے، پھر سن رسیدگی بھی سطوت فزائی کا ایک ذریعہ ہے۔ نسبتہً ہر نوعمر شخص کی بات بے وقعتی سے سنی جاتی ہے، اور زیادہ سن مین از خود وقار بڑھ جاتا ہے۔ لیکن یہ تمام چیزین صرف مویدات سطوت ہین۔ یہ سطوت افزائی مین معین تو بے شبہ ہوتی ہین، لیکن یہ سطوت آفرینی نہین کرسکتین یعنے جو شخص فطرۃً صاحب سطوت و نفوذ ہوتا ہے، وہ اِن وسائل سے کام لیکر اور زیادہ صاحب سطوت ہوجاتا ہے، لیکن جسے فطرت ہی نے سطوت ذاتی کا حصہ دار نہین بنایا ہے

اس کا اِن خارجی وسائل سے تخلیق سطوت کی توقع رکھنا ایک سودائے خام ہے، خصائص وہبی کی نیابت کبھی خصائص اکتسابی نہین کر سکتے۔

سطوت کا غایبانہ اثر اتنا قوی نہین ہوتا، جتنا بالمواجہہ ہوتا ہے چنانچہ تقریر بہ مقابلہ تحریر کے، اور براہ راست گفتگو بہ مقابلہ بالواسطہ پیام رسانی کے، جو زیادہ موثر ہوتی ہے، اُسکا راز یہی ہے، اس بنا پر قایدین کا فرض ہے، کہ ایک حد مناسب تک ہمیشہ اُن لوگون سے، جنھین متاثر کرنا مقصود ہے، براہ راست ذاتی سابقہ رکھین، عموماً ارباب سطوت خود بھی اس راز سے ناآشنا نہین ہوتے، اور اکثر بالقصد اسکی کوشش کرتے ہین، کہ جس کو اپنا شکار بنایا ہے، اُس سے ملاقات کر کے براہ راست اُس پر اپنی شخصیت کا مقناطیسی اثر ڈالین۔ جولیس سیزر کی زندگی مین اس کلیہ کی ایک دلچسپ مثال ملتی ہے۔ روما کے تاجدار بننے سے بہت قبل جب اس سے اور ایک دوسرے مشہور جنرل پامپیس سے جنگ شروع ہوئی، تو کثرت تعداد قواعد دانی، وغیرہ مختلف حیثیات سے سیزر کی سپاہ پر ہر طرح پامپس کی فوج تفوق رکھتی تھی، اور بہ اسباب ظاہر اُسکی فتح یقینی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اسی سطوت ذاتی کا جوہر ایسا تھا، جسکا سیزر جتنا زیادہ حصہ دار تھا، اسی نسبت سے اس سے اسکا حریف معرا تھا۔ بہرحال جنگ شروع ہوئی۔ ہوتے ہوتے ۹۔ مارچ کو سیزر مقام برنڈیریم مین پہونچا، یہان پہونچکر اُس نے سب سے پہلے اسکا سامان کیا، کہ بندرگاہ کا راستہ روک دے، اور اسکے بعد اُس نے یہ کوشش کی، کہ اپنے حریف سے ملاقات کر کے، مصالحت پر ایک بار اور بالمشافہ

گفتگو کرلے۔ لیکن، مورخ کے الفاظ یہ ہین، کہ

,,پاپییس سنے شد ومد سے ملاقات سے انکار کردیا، اور عذر یہ پیش کیا، کہ قونصلاون کی عدم موجودگی مین اسے مصالحت کا کوئی اختیار نہین ہے، اسکا یہ عذر حالات کے لحاظ سے نہایت مہمل تھا، تاہم اسکا اصلی باعث دریافت کرنا چندان دشوار نہین۔ (در اصل) جس قدر سیزر کو بالمشافہہ گفتگو اور اپنے ذاتی اثر پر اعتماد تھا، اسی قدر پاپییس خایف تھا،،[1]

اس اقتباس مین جو عبارت جان سخن تھی، اُسے ہم نے زیرخط کردیا ہے۔ نپولین کی سوانح عمری مین سطوت کی اس سے بھی زیادہ دلچسپ مثالین ملتی ہین۔ اسکے تمام سوانح نویس متفق اللفظ ہوکر کہتے ہین، کہ اس کی شخصیت اس درجہ موثر و مرعوب کن تھی، کہ بڑے بڑے متکبر و خودبین جنرل اسکے آگے بیساختہ سر تسلیم خم کرتے، بلکہ اسکی غلامانہ اطاعت پر اپنے تئین مجبور پاتے تھے۔ مسٹر بارس جنھون نے نپولین کے واقعات حیات مستند ماخذ سے فراہم کیے ہین، کہتے ہین، کہ

نپولین کے جنرلون اور سردارون کی اُسکے سامنے وہی حیثیت تھی، جو آفتاب کے گرد سیارون کی ہوتی ہے۔ بجز مسینا، ڈیوو ٹ و مولٹ کے، اسکے افسران فوج مین ایک متنفس بھی اس قابل نہ تھا، کہ بذات خود کسی فوج کی کمان کرسکتا، وہ شہنشاہ کی

---

[1] فاولر، ,, جولیس سیزر،، صفحہ ۲۶۴۔

فرمانبرداری کے اسقدر خوگرفتہ ہو گئے تھے، کہ خود اعتمادی اور قیادت کی صلاحیت اُن سے سلب ہو گئی تھی، وہ سپاہی بیشک اعلیٰ درجہ کے تھے، مگر لیڈر نہ تھے[۱]

یہی مصنف پھر لکھتا ہے:-

نپولین، درحقیقت، خود ہی اپنا وزیر خارجہ بھی تھا، خود ہی اپنے مالیہ کا نگران تھا، اور خود ہی فرانس کی عدالتون کا بھی مہتمم تھا، اکثر تو وہ ٹالیرنڈ[۲] کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرتا تھا، جیسے کوئی ایک معزز کلرک سے کرتا ہے، اور شیمپنی و مورٹ تو اس کے ہاتھ مین آلات بیجان تھے[۳]

یہ نہ خیال کرنا، کہ یہ رعب افگنی، نپولین کی جنگی عظمت یا شجاعانہ شہرت کا نتیجہ تھی، بلاشبہہ یہ چیزین ایک حد تک مُعین سطوت ہوتی ہین، لیکن اُن کی اعانت کے حدود بہت ہی مختصر ہوتے ہین؛ اور جو شخص، حقیقتہً قیادت کا منصب رکھتا ہے، وہ اِن خارجی موئیدات کی منت کشی سے تقریبًا بالکل آزاد رہتا ہے۔ اسکی سطوت، ذاتی ہوتی ہے، وہبی ہوتی ہے، فطری ہوتی ہے، اکتسابی نہین ہوتی۔ اسی نپولین کے حالات مین ہم پڑھتے ہین کہ جسوقت وہ نہ شہنشاہ نپولین تھا، نہ کوئی فاتح اعظم، بلکہ محض ایک معمولی مرتبہ کا نوعمر

---

[۱] مارس، ”نپولین“، صفحہ ۲۱۵۔

[۲] یہ تینون شخص نپولین کے نہایت ممتاز ارکان سلطنت تھے۔

[۳] مارس، ”نپولین“، صفحہ ۲۱۵۔

فوجی افسر تھا، اُسی وقت سے اسکی دھاک ایسی بیٹھی ہوئی تھی کہ بڑے بڑے خیرہ سر حریف اسکے سامنے آکر اضطراراً اُسکے حلقہ بگوش بن جاتے تھے، نمونہ کے طور پر ہم یہان ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہین۔ یہ ایک خاص جنگ کے موقع پر پیش آیا تھا، جبکہ نپولین محض لفٹنٹ کے عہدہ پر تھا۔ اسے مشہور فلسفی مورخ مسیو ٹین نے تفصیل سے اپنی کتاب مین درج کیا ہے جسے مسیو لی بان نے بھی لیا ہے، اور ہم یہان اُسے گی بان ہی کے صفحات سے نقل کرتے ہین:۔

جب پیرس سے اس پست قامت نوخیز افسر (یعنے نپولین) کا فوج کی کمان کے لیے تقرر ہوا، تو دیگر سرداران فوج کو یہ سخت شاق گزرا، خصوصاً اُن مین سے اورزو جو نہایت شجاع مگر بدمزاج، اور اپنی قوت و شجاعت پر نازان تھا، اُسے یہ تقرر بہت ہی ناگوار ہوا، نپولین کے قد و قامت وغیرہ کا حال اس نے دوسرون سے سُنکر یہ تہیہ کرلیا، کہ وہ ہرگز نپولین کی ماتحتی نہ قبول کریگا، بلکہ اس سے بغاوت و تمرد کے ساتھ پیش آئے گا یہ خیال رکھنا چاہیے، کہ یہ جنرل، اورزو، بارا کا خاص شاگرد تھا لڑ بیٹھنے کے لیے مشہور تھا، اپنے موجودہ رتبہ پر شجاعانہ جنگ آزمائیون ہی سے پہونچا تھا، اور اپنے رفقا سے اس نے ,,خرس،، کا لقب حاصل کیا تھا، کیونکہ یہ ہمیشہ تنہائی مین سوچا کرتا تھا۔۔۔۔ بہرحال نپولین آیا، اور یہ سب جنرل

اُس سے ملاقات کے لیے گئے۔ اُس نے کچھ دیر تو اپنا انتظار کرایا۔ اس کے بعد آخر کار باہر آیا، کمر سے تلوار لٹکی ہوئی تھی، باہر آکر اُس نے اپنے سر پر ٹوپی رکھی، جنگ کے متعلق اپنی اسکیم کے ضروری حصہ بیان کیے، ان کو احکام دیے، اور پھر انھین رخصت کر دیا، اوزر دا اس تمام عرصہ مین دم بخود رہا، البتہ جب وہ نپولین سے رخصت ہو کر چلا ہے، تب اسکے حواس مجتمع ہوے ہین۔ اب وہ حسب عادت قسمین کھا کھا کر اپنے جوش کا اظہار کرتا ہے، اور اب وہ مسینا سے یہ اعتراف کرتا ہے کہ

"اِس ذلیل نئے جنرل نے مجھے مرعوب کر لیا۔ میری سمجھ مین نہین آتا، کہ اس مین کیا ایسی قوت ہے، جس سے مین اُسے دیکھتے ہی مغلوب ہو گیا[۳]"

ان مثالون سے ناظرین کو اسکا اندازہ ہو گیا ہو گا، کہ سطوت ذاتی کا کیا مفہوم ہے، اور وہ کس حد تک تحصیل و اکتساب کی منت کشی سے آزاد ہوتی ہے۔

لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا سخت غلطی ہو گی، کہ سطوت ذاتی۔ فنا و زوال کے قوانین سے مستثنیٰ ہے۔ سطوت خواہ فطرۃً کتنی ہی قوی و زبردست ہو، لیکن یہ بالکل ممکن ہے، کہ کچھ خارجی واقعات و حالات ایسے پیش آجائین، جو اسکی بنیادین متزلزل کر دین۔ اُن مصنوعی، بلکہ نقلی لیڈرون سے قطع نظر کر کے، جو ہر ملک و ہر زمانہ مین حشرات الارض کی طرح آج پیدا ہوتے ہین،

[۳] یہ اقتباس، ٹین کی عبارت کا لفظی ترجمہ نہین، بلکہ ہم نے اُسکے مفہوم کو اپنے الفاظ مین لے لیا ہے

اور کل فنا ہو جاتے ہین، تاریخ مین بعض ایسے اشخاص کی مثالین بھی موجود ہین،
جو فطرۃً لیڈری کی پوری صلاحیت رکھتے تھے، اور ایک عرصہ تک انھون نے
اپنی سطوت کو برقرار رکھا، لیکن انھین سطوت شکن اسباب مین سے دفعۃً کوئی
ایسا سبب پیش آگیا، جس نے یکایک ان کو مسند قیادت سے گرادیا، اور
یہ ایسا گرے کہ پھر کسی طرح نہ سنبھل سکے۔

آیرلینڈ کی تاریخ مین پارنل کا نام ایک اہم خصوصیت رکھتا ہے۔ آیرلینڈ
مین حکومت خوداختیاری کے لیئے مدت سے تحریک جاری تھی، مگر ۱۸۷۰ء
سے، جب سے اس حکومت طلب جماعت کی امامت چارلس پارنل کے ہاتھ
مین آئی۔ خواہش، بیچینی، اور بیچینی، سرکشی کے درجہ تک پہونچ گئی۔ پارنل
ایک تندمزاج جوان تھا، جس نے سیاسی اکھاڑہ مین قدم رکھتے ہی پرانے
لیڈرون کو دفعۃً بیدخل کردیا، اور ان کے بجاے اپنا اثر واقتدار ایسا گہرا قائم
کیا، جسکی نظیر، کم از کم آیرلینڈ کی تاریخ نے نہ پہلے دیکھی تھی، اور نہ اسکے بعد دیکھی
اسکے متبعین اس درجہ اسکے مطیع ومنقاد تھے، کہ جو کام چاہتا اُن سے لیتا بلکہ
جب چاہتا تو اُن سے قانون شکنی تک کراسکتا۔ اس بے پایان اثر واقتدار
کو دیکھکر مخالفین وموافقین دونون نے اُسے آیرلینڈ کے "شاہ بے تاج" کا لقب
دیا۔ یہ فرمان روایانہ طنطنہ دس گیارہ سال تک قائم رہا، جسکے دبانے مین
انگلستان کی حکومت وحکمت عملی دونون ناکام رہین۔ لیکن ۱۸۸۹ء کے آخر مین
ایک شخص نے عدالت مین یہ دعوی دائر کیا، کہ پارنل میری بیوی سے تعلق
ناجائز رکھتا ہے، میری بیوی کو مجھ سے طلاق دلادیجائے، پارنل اسکا کچھ

جواب نہ دے سکا، جرم ثابت ہو گیا، اور پارنل کے دامن اخلاق پر زناکاری کا داغ ثبت ہو گیا۔ اس واقعہ کے افشا ہوتے ہی دفعتہً پارنل کی عظمت وسطوت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اب اُس نے اپنی عظمت گم شدہ کی واپسی کی انتہائی کوشش کی، اور اسکے احباب ہر چند لوگون کو یہ سمجھاتے رہے، کہ اگر کسی کی خانگی زندگی بیداغ نہین تو اس سے اسکی پبلک زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے، یہ مانا کہ ایک شخص زناکار ہے مگر محض اس بنا پر اُسکی سیاسی قیادت سے کیونکر دست برداری کی جا سکتی ہے؟ لیکن یہ سب کوششین بیکار گئین۔ وہی پارنل جو کل تک اثر و اقتدار کا مجسمہ تھا، یک بیک ایک معمولی آدمی سے بھی ذلیل تر ہو گیا، تا آنکہ اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکا، اور چند روز کے بعد مر گیا۔ ہوا جب ایک مرتبہ اُکھڑ گئی، تو دوبارہ مشکل ہی سے بندھتی ہے، اور اقتدار ایک بار جا کر شاذ و نادر ہی واپس آتا ہے۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہونا فطرتی ہے، کہ سطوت شکنی کے اسباب کیا ہوتے ہین؟ اسکا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ ہر ایسی شے جو قاید و مقتدی کے امتیازات کم کرنے والی ہوتی ہے، لازمًا قائد کے لیے اقتدار شکن بھی ہوتی ہے۔ ہر ایسی شے، جو قاید و مقتدی مین ہم سطحی پیدا کرتی ہے، لازمًا دبدبہ شکنی و سطوت فرمائی کی قوت اپنے اندر رکھتی ہے۔ بدنسلی، کم علمی، بداخلاقی، وغیرہ وہ تمام چیزین، جن کو لوگ عمومًا اپنی بدنامی کا باعث خیال کرتے ہین، ان مین سے کسی کا انتساب کسی لیڈر کے ساتھ کرنا اُسکے عظمت و سطوت کو سخت نقصان پہونچاتا ہے۔ ان موثرات کا پوری طرح پر استقصا کرنا حد امکان سے باہر ہے تاہم اس فہرست کے دو ایک عنوانات جلی یہان درج کیے جا سکتے ہین۔

اس طرح کے قاطعات سطوت مین نمبر اول، ناکامی کا ہے۔ کامیابی، سطوت کی سب سے بڑی ضامن، اور ناکامی، سطوت کی سب سے بڑی قاطع ہوتی ہے، معمولی سا معمولی شخص بھی، اگر اسے مسلسل کامیابیان ہوتی رہین، اپنا ایک خاص اثر و سطوت پیدا کرلیتا ہے، اور لوگ اُسے وقعت و عظمت کی نظرون سے دیکھنے لگتے ہین، بہ خلاف اسکے بڑے سے بڑے صاحب سطوت شخص کو اسکے مقاصد مین اگر ناکامیان ہونے لگتی ہین، تو فوراً اسکی ہوا اُکھڑ جاتی ہے، لوگ اُسکی عظمت و سطوت کو مشتبہ نگاہون سے دیکھنے لگتے ہین، اور انھین یہ خیال بالکل قدرتی طور پر پیدا ہوجاتا ہے، کہ یہ بھی ہماری ہی طرح کا ایک معمولی انسان ہے، جو ہماری ہی ایسی کمزوریان رکھتا ہے، ہماری ہی ایسی ناکامیان اور شکستین اُٹھاتا ہے، اور ہم پر اسے کوئی امتیاز و تفوق نہین حاصل۔ اس بنا پر دانشمند صاحبان سطوت عموماً ایسے کامون مین سرے سے ہاتھ ہی نہین ڈالتے، جن مین ناکامی یقینی ہوتی ہے، اور اگر کبھی اتفاق سے ایسا کر بیٹھتے ہین، تو اسکی پوری امکانی کوشش کرتے ہین، کہ اس مین ناکامی نہ ہونے پائے، ورنہ وہ علی العموم جس قسم کے کام کرتے ہین، وہ ایسے ہی ہوتے ہین، کہ جن مین کامیابی، گو عسیر الحصول ہو، لیکن محال نہین ہوتی۔ پھر جب کبھی ناکامی ہوجاتی ہے، تو اُسے وہ حتی الامکان، اپنے مقتدیون کی نظر سے پوشیدہ رکھتے ہین، اور اگر یہ سعی اخفا بھی لاحاصل رہتی ہے، تو ان کی دوسری کوشش یہ ہوتی ہے، کہ کسی عاجل کامیابی سے سابق ناکامی کی تلافی کرکے زائل شدہ سطوت کی تجدید کرین۔

ناکامی کے بعد، دوسرے نمبر پر، جو شے سب سے زیادہ سطوت شکن ہے، وہ نکتہ چینی و تنقید ہے۔ اصل یہ ہے، کہ سطوت جس کیفیت نفسی سے عبارت ہے، اسکا لازمی عنصر یہ ہے، کہ مقتدیون کی جماعت، صاحب سطوت قاید کی شخصیت سے اس درجہ مرعوب ہو، کہ وہ اسے اپنے فہم سے مافوق، اور اپنے قوائے ادراک و عقل سے ماوراخیال کرے۔ جبوقت تک یہ کیفیت قایم رہتی ہے، کسی کو اعتراض یا نکتہ چینی کا خیال ہی نہین آسکتا، لیکن چونکہ اعتراض کے معنی ہی یہ ہین، کہ جس شے پر اعتراض کیا جارہا ہے، معترض اسے اپنے لیے مافوق الفہم نہین سمجھتا، بلکہ ایسا ضرور خیال کرتا ہے، کہ اسکا ذہن اسکی گرفت کرسکتا ہے، اسیلئے جہان کسی مقتدی کے ذہن مین اپنے قائد کے کسی فعل پر شک و شبہ یا اعتراض پیدا ہوا، بس اُسی وقت سے اُسکی سطوت کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے، کہ تمام مقتدایان مذہب، تمام علمبرداران انقلابات سیاسی، اور تمام مدعیان اصلاح معاشری، گو دیگر حیثیات سے کتنا ہی رواداری و مسالمت کا دم بھرتے ہون، لیکن اپنے اوپر کسی خفیف سی خفیف نکتہ چینی کو بھی جائز نہین رکھ سکتے۔ مصنف ہذا کے ذاتی علم مین اسوقت ایسے ایک سے زائد اشخاص ہین، جنھین فطرت نے سطوت شخصی کا ایک کافی حصہ دیا ہے، جسکی بنا پر وہ ملک و قوم مین نہایت نمایان مرتبہ حاصل کیے ہوئے ہین، اور جو اپنی تحریر و تقریر مین حرّیت و مساوات کے پُتلے نظر آتے ہین، لیکن ان کے پرایوٹ حالات زندگی سے واقفیت رکھنے والا جانتا ہے، کہ وہ اپنے حاشیہ نشینان مسند قیادت کے حق مین استبداد و عدم رواداری کی ایک زندہ تصویر

ہوتے ہین، جو اپنے ماتحتون و متوسلین کی نہ حریت رائے کو زندہ دیکھ سکتے ہین، اور نہ حریّت عمل کو۔

اس سے ترقی یافتہ طبقہ اُن افراد پر مشتمل ہے، جو سطوت ذاتی کے نہایت عظیم الشان حصہ دار ہوے ہین، جنھون نے اپنے پیدا کردہ انقلابات سے گویا تاریخ عالم کا رُخ پھیر دیا ہے، اور جن کے ہاتھ مین جماعت کی باگ محض مقامی حیثیت سے اور عارضی طور پر نہین رہی ہے، بلکہ جن کی حکومت، دنیا کے دل و دماغ پر ہزارہا سال سے قائم ہے، ان لوگون کی زندگی کا مطالعہ کرو، تو صاف نظر آئے گا، کہ انھون نے اپنی سطوت کو برقرار رکھنے کے لیے کیا کیا وسائل اختیار کیے ہین، اپنے تحفظ سطوت کے لئے اپنے اتباع کی حرّیت عمل کو کس درجہ مقید بلکہ پامال کیا ہے، اور اپنے اوپر نکتہ چینی و تنقید سے کس کس طرح خود اپنے مقلدین کی زبانین بند کی ہین اور اس کے لئے ہم اس شخص کو منتخب کرتے ہین، جس سے زیادہ صاحب سطوت ہستی کی نظیر، غالبًا تاریخ کے صفحات مین نہین مل سکتی۔ ہماری مراد شارع اسلام، حضرت محمدؐ سے ہے خوب غور کر کے دیکھو کہ اِن کا سا ہمہ تن مذہب شخص، اپنے سطوت کے بقا و تحفظ کے لیے ناگزیرانہ کیا کیا وسائل اختیار کرتا ہے!

بعثت پیمبر اسلام، یا رسول قرآن کا مقصد کیا تھا؟ اسکا جواب خود اسلام کی زبان سے یہ ملتا ہے، کہ اسکا مقصد وحید، حق و باطل مین امتیاز، یا دوسرے الفاظ مین شرک کو مٹا کر توحید کو قائم کرنا تھا، اسی کے ساتھ اصلاح معاشرت وغیرہ بھی ضمنی مقاصد بتائے جاتے ہین۔ لیکن اِن مقاصد کی فہرست

کتنی ہی طویل بنائی جائے، ظاہر ہے کہ عقلاً رسول کا ادب و احترام اور خصوصاً ایسا ادب و احترام جسکے ڈانڈے پرستش سے ملے ہوں اسکی کسی دفعہ کی تحت مین نہین آسکتا۔ اگر ایک شخص کا عقیدۂ توحید کامل ہے، اور ساتھ وہ اپنے امور معیشت مین بھی اصول، اعتدال، دیانتداری کو ملحوظ رکھتا ہے، تو کیا ضرور ہے، کہ وہ ان سب کے ایک نائب الٰہی کی رسالت کا بھی اقرار کرے؟ اور اس بنا پر یہ بالکل بجا طور پر قیاس ہوتا ہوگا، کہ نبی کی عظمت و احترام کا قرآن مین ذکر تک نہ ہوگا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بعد عقیدۂ توحید کے (یا تقریباً اسی کے مساوی) قرآن مین جس شے پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے، وہ یہی تعلیم ہے کہ رسول کی انتہائی تعظیم و تکریم کرو، قرآن کو اول سے لیکر آخر تک پڑھنے کے بعد شاذ و نادر ہی کوئی ایسی آیت ملیگی جس مین اطاعت باری کا ذکر کیا گیا ہو۔ اور معاً اطاعت رسول کی شرط کا بھی اضافہ نہ کر دیا گیا ہو۔ پھر اس عقیدہ کی تعلیم خواہ محض تذکرۃً بطور بیان واقعہ کی گئی ہو، اور خواہ اسکا حکم صیغۂ امر مین دیا گیا ہو، ہر جگہ یہی سمان نظر آئے گا، کہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ ہی ساتھ رسول کی اطاعت بھی فرائض مین داخل ہے، اس کثرت تکرار کا نفسی اثر پڑھنے والے پر یہ پڑتا ہے کہ اسکے ذہن مین اطاعت خدا و طاعت رسول کے درمیان ایک ایسا ارتباط پیدا ہو جاتا ہے جو ناقابل انفصال ہوتا ہے اور جسکی بنا پر وہ مجبور ہو جاتا ہے کہ جب جب خدا کی طاعت کا تصور کرے، تو لازمی طور پر اسکے ذہن مین رسول کی اطاعت کا بھی تصور پیدا ہو جائے، یہ طریقہ اگرچہ بجائے خود نہایت موثر ہے، لیکن مضمون کی اہمیت پر نظر کر کے شاید اسقدر تکرار و اہتمام بھی کافی نہ سمجھا گیا، اسلیے اور زیادہ تصریح کے ساتھ مختلف پیرایون مین، مومنون کو یہ بتایا گیا کہ وہ ہر طرح پر رسول کے اقوال و اعمال کی تقلید کرین،

مثلاً کہین کہین اس مفہوم کو یون ادا کیا ہے، کہ

تمھارے لیے رسول کی زندگی ایک اعلیٰ نمونہ ہے، جسکی تقلید کرو[1]

اور کہین کہین اسی کو ان الفاظ مین بیان کیا ہے، کہ

اے مومنو! اگر تم خدا کی محبت کے مدعی ہو، تو میرا اتبع کرو۔ اس سے خدا خودبخود تم سے محبت کرنے لگے گا[2]

مومنین کے ذہن مین رسول کی انتہائی عظمت و توقیر پیدا کرنے کے لیے یہ احکام اگرچہ بالکل کافی تھے، تاہم مزید احتیاط کی نظر سے کچھ اور قیود اور پابندیون کا بھی اضافہ کر دیا گیا۔ یہ تو معلوم ہے کہ زیادہ سوالات یا بکبک کرنا، آداب و سطوت کے منافی ہے، اس بنا پر خاص اسکے لیے علیحدہ احکام نافذ ہوے، جن کا ماحصل یہ ہے، کہ

تم لوگ اپنے فضول سوالات سے رسول کو پریشان نہ کیا کرو[3]

پھر اس حقیقت سے بھی فطرت بشری کا ہر اداشناس آشنا ہے، کہ اپنے کسی بزرگ یا واجب التعظیم شخص کے سامنے، بآواز بلند گفتگو کرنا، اسکے حفظ ادب کے منافی ہے۔ اس لیے قرآن مین اس جزئی نکتہ کو بھی نظر انداز نہین کیا گیا، بلکہ اسکا

سے[1] لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

سے[2] قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

سے[3] ام تریدون ان تسئلوا رسولکم کما سئل موسی من قبل (البقرہ۔ آیت)

یا ایھا الذین آمنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم (مائدہ۔ رکوع ۱۴۔ آیت ۱۔)

خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے، اور مومنون کو یہ علانیہ جتا دیا گیا ہے، کہ پیمبر کے سامنے بہ آواز بلند گفتگو کرنا، نہ صرف نامناسب یا کوئی جرم خفیف ہے، بلکہ ایسا شدید گناہ ہے، کہ اسکی پاداش مین ممکن ہے، کہ ان کے تمام اعمال حسنہ کا دفتر دفعۃً سیاہ ہو جائے۔ قرآن کے اصل الفاظ یہ ہین:۔

یاایھا الذین اٰمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون۔ ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی، لھم مغفرۃ واجر عظیم (حجرات، رکوع ۱۔ آیت ۲و۳)

اے مسلمانو! اپنی آواز کو پیمبر کی آواز سے اونچا نہونے دو اور نہ ان کے سامنے زور سے بات کرو جیسا تم آپس مین ایک دوسرے سے زور زور سے باتین کرتے ہو، کہین ایسا نہو کہ تمھارا سب کیا کرایا برباد ہو جائے اور تمھین خبر بھی نہ ہو جو لوگ رسول خدا کے سامنے اپنی آوازین پست کر لیتے ہین، یہ وہ لوگ ہین، جن کے دلون کو خدا نے پرہیزگاری کے لیے خوب جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے گناہون کی مغفرت اور اجر عظیم ہے

تحفظ سطوت کا موقع اب یہ ظاہر بالکل مکمل معلوم ہوتا ہے، لیکن اس مین رنگ و روغن دینے کے لیے ضرور تھا، کہ اس طرح کے احکام شدید کا دائرہ، پیمبر کی بالکل خانگی زندگی اور ان کے ازواج واہل خاندان تک وسیع کیا جائے، اس بنا پر حسب ذیل ارشاد ہوتا ہے:۔

یاایھا الذین اٰمنوا لاتدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم الی طعام غیر نٰظرین انٰہ ولٰکن اذا دعیتم

مسلمانو! پیمبر کے گھرون کے اندر نہ جایا کرو، بجز اس صورت کے کہ تمھین کھانے کے لیے اندر آنے کی اجازت دی، مگر اس صورت مین بھی ایسے وقت جاؤ کہ تمھین کھانے کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ ہان جب تمکو بلایا جائے، تو اسی وقت

فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسين لحديث - ان ذلکم کان یوذی النبی فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب ذلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن وما کان لکم ان توذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا - ان ذلکم کان عند اللہ عظیما (احزاب، رکوع ۷ - آیت ۱ -)

جاؤ - اور جب کھانے سے فراغت کرو - تو اسی وقت چل کھڑے ہو، اور باتون سے لطف اُٹھانے لگو، کہ اس سے پیمبر کو ایذا ہوتی ہے - پیمبر تمھارا لحاظ کرتے ہین، لیکن خدا تو امر حق مین لحاظ کرتا نہین - اور جب ازواج نبی سے تمھین کوئی چیز مانگنی ہو، تو پردہ کے باہر سے مانگو، اس سے تمھارے اور اِن کے دونون کے دل پاک رہین گے - اور نہ تم کسی طرح رسول خدا کو اذیت پہونچاؤ، اور نہ تمھارے لیے یہ کسی طرح جائز ہے کہ تم اُن کے بعد کبھی بھی اُن کی بیبیون سے نکاح کرو - کہ خدا کے نزدیک یہ ایک گناہ عظیم ہے -

مخالفین اسلام، قرآن کو خالص الٰہیات و اخلاق کی کتاب قرار دیکر، یہ اعتراض کرتے ہین، کہ نبی کی ذاتی وجاہت اور ان کے نظام خانگی کے متعلق ہدایات کو ارشاد ربانی سے کیا تعلق ہے ؟ اسکی تو خبر نہین کہ متکلمین اسلام اسکا کیا جواب دیتے ہین - لیکن یہ ظاہر ہے کہ نفسیاتی حیثیت سے یہ اعتراض کچھ بھی وقیع نہین، اگر پیمبر کو دنیا کی تاریخ مین ایسا انقلاب پیدا کرنا تھا، جسکی نظیر آسان نہین تو اُن کے لیے یہ ناگزیر تھا، کہ ہر ممکن ذریعہ سے اپنے نفوذ و سطوت کو برقرار رکھین، بلکہ ترقی دیتے رہین، اور یہی انھون نے کیا -

ذیل مین ہم متفرق مقامات سے دو چار اور آیات قرآنی بھی نقل کرتے ہین جن سے اس کا مزید اندازہ ہوگا، کہ پیمبر نے اپنے ذاتی نفوذ کے تحفظ کے لیے کس قدر شدید اہتمام و سعی بلیغ سے کام لیا ہے - یہ چند آیات صرف بطور نمونہ کے

ہین، ورنہ اس طرح کی صدہا آیات اور مل سکتے ہین:-

(۱) یا ایہا الذین اٰمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم (حجرات۔ آیت ۱)

مسلمانو۔ اللہ اور اسکے رسول کے آگے بڑھ بڑھ کر باتین نہ بنایا کرو۔

(۲) ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون۔ ولو انہم صبروا حتی تخرج الیہم لکان خیرا لہم (حجرات، آیت ۴ و ۵)

اے پیغمبر جو لوگ تمکو تمھارے حجرہ کے باہر سے آواز دیتے ہین، اُن مین سے اکثر بالکل بے عقل ہین۔ اگر یہ لوگ اتنا صبر کرین کہ تم خود باہر نکل کر ان کے پاس آؤ، تو ان کے حق مین بہتر ہے۔

(۳) ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما (احزاب، رکوع ۴۔ آیت ۴)

خدا اور اسکے فرشتے، پیمبر پر صلوٰۃ (یعنی درود) بھیجتے رہتے ہین، پس مسلمانو، تم بھی پیمبر پر درود وسلام بھیجتے رہو۔

(۴) النبی اولی بالمومنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم۔ (احزاب، رکوع ۱۔ آیت ۶)

پیمبر کے حقوق مسلمانون پر خود اُنکی جان سے بھی زیادہ ہین اور ان کی بیویان مسلمانون کی مائین ہین،

(۵) انما المومنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ واذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذہبوا حتی یستاذنوہ۔ ان الذین یستاذنونک اولٰئک الذین یومنون باللہ ورسولہ۔ (نور۔ رکوع ۱۵۔ آیت ۱)

حقیقی مومن تو بس وہی ہین، جو خدا اور رسول خدا پر ایمان لائے ہین، اور جنکی شان یہ ہے کہ جب کسی ایسی بات کے لیے جس مین اُن کے پیمبر کے پاس جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اُنکے پاس ہوتے ہین، تو جبتک اُن سے اجازت نہ لے لین، وہان سے اُٹھ نہین جاتے، اے پیغمبر ایسے موقع پر جو لوگ تم سے اجازت طلب کرتے ہین، وہی حقیقۃً خدا اور اسکے رسول پر ایمان لائے ہین۔

(۶) لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم

اے مسلمانو۔ پیمبر کے بلانے کو تم معمولی بلانا نہ سمجھو،

کدعاء بعضکم بعضا قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لواذا فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبہم فتنۃ او یصیبہم عذاب الیم

(نور۔ رکوع ۱۵۔ آیت ۲)

جیسا تم آپس مین ایک دوسرے کو بلایا کرتے ہو۔ خدا اُن لوگون سے خوب واقف ہے، جو تم سے چھپ کر پیمبر کی مجلس سے کھسک جاتے ہین۔ جو لوگ رسول کے خلاف امر کرتے ہین، انھین ڈرنا چاہیے، کہ کہین کوئی آفت یا عذاب دردناک اُن پر نہ نازل ہو۔

(۷) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (نساء رکوع ۸)

جس نے رسول کی اطاعت کی بس اُسنے خدا ہی کی اطاعت کی

(۸) وما آتٰکم الرسول فخذوہ وما نہٰکم عنہ فانتہوا (انفال۔ رکوع ۳)

جو شے تم کو پیمبر دیا کرین، وہ تو لے لیا کرو، اور جس شے سے وہ منع کرین اُس سے دست کش رہو۔

دو ہی چار صفحہ اُدھر ہم کہہ آئے ہین، کہ قائدین کی سطوت ایک فطری ودیعت ہوتی ہے، جسے تحصیل و اکتساب سے بہت خفیف مدد ملتی ہے۔ یہ حقیقت اگرچہ ایک صاحب نظر عالم نفسیات کے لیے بالکل واضح و قطعی ہے، لیکن عملی زندگی مین لوگ اسے جس کثرت سے نظرانداز کرتے ہین، اُسکا اقتضا یہ ہے، کہ انھین خصوصیت کے ساتھ اسکی طرف متوجہ کیا جائے۔ یہ اسی حقیقت کو نظرانداز کر دینے کا نتیجہ ہے، کہ ہر ملک اور ہر زمانہ مین صدہا کی تعداد مین مدعیان قیادت پیدا ہوتے ہین، حالانکہ اس معیار پر پورے اترنے والے کہین قرنہا قرن مین دو ایک نکلتے ہین۔ دنیا مین ایسے لوگون کی طرف سے، جنھین فطرت نے سطوت ذاتی سے تقریبًا بالکل محروم رکھا ہے، بار بار اسکی کوشش ہوتی رہتی ہے، کہ وہ مسند قیادت پر قابض ہوجائین، اور بار بار ان کوششون کا خاتمہ ناکامی پر ہوا ہے۔ یہ لوگ، حقیقی قائدین کے محض بعض سطحی اوصاف یا اُن کے خارجی

اعمال کی نقالی کر کے چاہتے ہین، کہ اُن کا سا دیرپا و مستقل نفوذ و اثر پیدا کر لین، حالانکہ یہ

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

کے اصول سے ناواقف، اور اس نکتہ سے بیگانہ ہین کہ کوئی تلمیع اپنا طلسم عرصہ دراز تک نہین قائم رکھ سکتی۔ "انا الحق"، کی صدا تو ہر دریدہ دہن لگا سکتا ہے، لیکن منصور کا مرتبہ حاصل کرنے کے لیے محض دریدہ دہنی کافی نہین، بلکہ کچھ اور چیزین بھی لازمی ہین، اور یہی وہ چیزین ہین، جن سے مصنوعی قائدین کا دامن خالی ہوتا ہے۔ ممکن ہے، کہ کسی مجلس مین عارضی طور پر، سطوت ذاتی سے بے بہرہ اشخاص بھی صاحب نفوذ و اثر معلوم ہونے لگین، لیکن جب کبھی ہلکی سی ہلکی آزمایش کا بھی وقت آئے گا، تو سطوت ذاتی و سطوت اکتسابی مین صاف اصل و نقل کا فرق نظر آنے لگے گا۔

ذیل مین ہم تمثیلاً دو تاریخی واقعات درج کرتے ہین، جن سے سطوت کے حقیقی و موثر، اور نقلی و غیر موثر ہونے کے مفہوم پر کافی روشنی پڑیگی۔

نپولین، جب پہلی بار گرفتار ہو کر جزیرہ ایلبا مین نظر بند کیا گیا، اور کچھ عرصہ کے بعد موقع پا کر وہان سے مفرور ہوا، تو اسوقت اسکے پاس اسکے قدیم سپاہیون کی ایک مختصر جماعت تھی، جو کثرت تعداد، آلات جنگ، سامان رسد وغیرہ، کسی ظاہری حیثیت سے اس قابل نہ تھی، کہ نہ صرف مملکت فرانس، بلکہ سارے یورپ کے متحدہ افواج کا مقابلہ کر سکتی۔ پہلے ہی معرکہ مین بیس ہزار تازہ دم جوانون کا سامنا کرنا پڑا! یہ موقع ایسا نازک تھا، کہ ذاتی شجاعت و تہور سے بھی کچھ کام

نہین چل سکتا تھا، کوئی دوسرا جنرل ہوتا، تو بدحواس ہو جاتا، لیکن سطوت حقیقی کی کرشمہ سازی دیکھو، کہ جسوقت دونون فریق صف آرا ہوے، نپولین تن تنہا بغیر کوئی سلاح جنگ لیے اپنی جماعت سے باہر نکلا، بہ کمال اطمینان و بیخوفی فریق مخالف کی صفوف کے سامنے آکھڑا ہوا، اپنے کوٹ کے بوتام کھول کر اپنے سینہ کو برہنہ کر دیا، اور ایک ناقابل تقلید موثر لہجہ مین اپنے مخالف سپاہیون سے، جن مین سے اکثر ایک زمانہ مین اسکے ماتحت رہ چکے تھے، مخاطب ہو کر للکارا، کہ

"تم مین کون سپاہی ایسا ہے، جو اپنے والد کے عریان سینہ پر فیر کرنے کو تیار ہے"؟

اس آواز کا اثر معجزانہ تھا۔ "کوئی نہین"، "کوئی نہین"، کی متفقہ صدا بلند ہوئی اور اقرار لسانی کی شہادت زبان عمل نے یہ دی، کہ معًا تمام سپاہی اپنی جماعت کو چھوڑ کر نپولین کے زیر علم آگئے[1]

دوسرا واقعہ روبس پیر کا ہے۔ یہ ایک زبان آور خطیب تھا، جسے انقلاب فرانس کے دور اولین مین ایک خاص زعیمانہ اقتدار حاصل ہو گیا تھا۔ مگر اسکی تقدیر نے حسب توقع بہت جلد پلٹا کھایا۔ انقلاب کا جدید دور اسکے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوا، مدت کی دبی ہوئی مخالفتون کو ظہور کا موقع ملا، اور بالآخر ایک عدالت نما مجمع اس غرض سے منعقد ہوا، کہ جو الزامات اس پر لگائے گئے تھے اُن کی تحقیق کرے۔ روبس پیر پلیٹ فارم پر آیا، اور ایک عیانہ لہجہ مین

---

[1] یہ واقعہ ہم نے خفیف لفظی اختلافات کے ساتھ، اپنی فلسفۂ جذبات مین نقل کیا ہے۔

حاضرین کو مخاطب کرکے پکارا، کہ

"تم مین سے کسکی ہمت پڑسکتی ہے، کہ میرے مُنھ پر میرے اوپر الزامات قائم کرسکے"؟

مگر ابھی یہ الفاظ ہوا مین گونج ہی رہے تھے، کہ حاضرین مین سے ایک شخص نے کھڑے ہوکر مساوی زور و قوت کے ساتھ کہا، کہ

"ہان، ہان، روبس پیر مین تجھے تیرے جرایم بتا سکتا ہون"،

یہ کہکر اُس نے اسکی طویل فہرست جرایم سُنانا شروع کی، جسکے ہر عنوان پر وہ اس کی تکرار کرتا جاتا تھا، کہ

ہان، روبس پیر مین تجھے تیرے جرائم سُناتا ہون"[1]

خوب غور کرکے دیکھو، کہ دونون واقعات مین کس قدر مماثلت ہے! دونون مواقع انتہائی نزاکت رکھتے ہین، دونون جگہ ایک شخص واحد کو دشمنون کے ایک مجمع کثیر نے محصور کرلیا ہے، زور و طاقت دونون جگہ ناقابل استعمال ہین، دلائل و براہین، افہام و تفہیم، دونون جگہ بے اثر ہین۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ درد کی دوا بھی دونون جگہ ایک ہی ہے۔ لیکن با این ہمہ ایک جگہ جو تدبیر بالکل کامیاب ہوجاتی ہے، وہی دوسری جگہ سرے سے ناکام رہتی ہے، اسکا باعث یہ، اور صرف یہ ہے، کہ نپولین کے ہان سطوت خالص موجود تھی، اور روبس پیر کے ہان صرف اسکی ملمع سازی تھی۔

لیکن کسی قاید کی کامیابی کے لیے صرف سطوت ذاتی کا وجود کافی نہین،

---

[1] مگنسٹ "تاریخ انقلاب فرانس"، صفحہ ۱۷۵، ۱۷۶،

بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ وہ اسکے محل وطرز استعمال سے بھی واقف ہو، اور اسکے لیے جس واحد شے سے اُسے واقفیت کی ضرورت ہے، وہ سرشت انسانی ہے۔ ضخیم کتابون کے ذخیرہ، بڑے بڑے کتب خانہ، قلمی مسودات کے انبار ان مین سے کوئی شے فطرت انسانی کا سبق نہین دے سکتی۔ ان کی مدد سے اور فٹ نوٹ مین ان کے بہ کثرت حوالہ دیکر، انسان اپنی تالیف کو مرغوب کن تو بلا شبہ بنا سکتا ہے، لیکن سرشت انسانی مین بصیرت حاصل کرنے کے لیئے ان کی اعانت برائے نام سے زیادہ مفید نہین ہوتی۔ درحقیقت فطرت شناسی بھی، سطوت ذاتی کی طرح، ایک بلکہ وہبی، ہوتی ہے، جو خارجی تعلیم وتعلم سے ایک بڑی حد تک بالکل بے نیاز ہوتی ہے، چنانچہ اسوقت تک دنیا مین جتنے قایدین گزرے ہین، اُن مین سے ایک بھی ایسا نہین ہوا ہے، جو اپنے رائج الوقت معیار کے لحاظ سے، اعلیٰ تو کیا، متوسط درجہ کا بھی تعلیم یافتہ کہا جا سکے۔ پیمبر اسلام کے متعلق اسقدر تو محقق ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ برائے نام خواندہ تھے۔ حضرت مسیح کی ابتدائی تاریخ، افسانہ کے پردہ مین گم ہے، تاہم جہان تک پتہ چلتا ہے، اُس سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ ان کی رسمی تعلیم بہت ہی معمولی تھی، گوتم بدھ کے حالات بھی، جس حد تک تاریخ کا ساتھ دیتے ہین، یہی بتلاتے ہین کہ ان کی کتابی استعداد اعلیٰ درجہ سے بمراحل کم تھی۔

اصل یہ ہے کہ یہ لوگ کاغذ پر کھینچے ہوئے سیاہ نقوش سے مستفید نہین ہوتے، بلکہ اکتساب علم کرتے ہین، خود صحیفۂ کائنات، اور اوراق لیل و نہار سے۔ ان کی قوت مشاہدہ غضب کی ہوتی ہے، انکی پیش بینی وموقع شناسی

و موقع شناسی کی قوتین، عام سطح سے بدرجہا بالاتر ہوتی ہین، یہ لوگ جبلۃً اس
راز اہم سے آشنا ہوتے ہین، کہ دنیا کا کاروبار، ارسطو یا ملؔ کے وضع کردہ
نظام منطق کے مطابق نہین، بلکہ خود نفس بشری کے طبعی احساسات و جذبات
کی مطابقت مین چل رہا ہے، اور کسی بڑے سے بڑے انسان کی عظمت
کے لیے اتنا ہی بس کرتا ہے، کہ وہ انسانی مشینری کے طریق رفتار کو بخوبی
سمجھ کر انھین کے مطابقت مین خود کام کرنا، اور دوسرون سے کام لینا سیکھے
بجاے اسکے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے اصول و قوانین پر حیات انسانی کو متحرک
رکھنے کی لاحاصل کوشش مین اپنا وقت صرف کرے، یہی سبب ہے، کہ یہ لوگ
اپنی زیر اثر جماعتون کے ساتھ اکثر ایسا طرز عمل اختیار کرتے ہین، جو کتابی منطق
کے بالکل مخالف اور اسکے معیار سے سخت مغالطہ آمیز، بلکہ مضحکہ انگیز ہوتا ہے
لیکن بالآخر کامیابی اسی کو حاصل ہوتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ
فطرت انسانی کے کتنے صحیح نبض شناس ہوتے ہین، اور گو انھون نے نفسیات
پر کوئی تحریر نہ چھوڑی ہو، لیکن اس مین شبہہ نہین کیا جا سکتا، کہ عملی زندگی مین یہی
لوگ قوانین نفس بشری کے بہترین معلم ہو سکتے ہین، ذیل مین ہم مثالاً ایک آدھ
تاریخی واقعہ درج کرتے ہین۔

نادرشاہ، جس عظمت و طنطنہ کا فرمان روا ہوا ہے، اس کا حال زمانہ کو
معلوم ہے۔ لیکن اگر اسکی اس عظمت کی راز جوئی کرنا چاہتے ہو، تو محض اس کی
سپہگری و شجاعت پر نہ جاؤ، بلکہ یہ بھی خیال رکھو، کہ وہ اپنے غضب و جبروت سے
کام کس دانائی و ہوشیاری سے لیتا تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے، کہ ایک مسافر پہ

کابل کے راستہ مین ڈاکوون نے حملہ کرکے اسکا مال و متاع لوٹ لیا۔ وہ فریاد لیکر نادر کے دربار مین پہونچا، نادر نے شہادت طلب کی۔ اُس نے کہا کہ وہان کوئی اور شخص موجود نہ تھا۔ نادر نے کہا، تو کیا کوئی درخت، کوئی پتھر، کوئی نباتات، ان مین سے بھی کوئی شے موجود نہ تھی،،؟ اسکے جواب مین اُس نے عرض کیا کہ ،، ہان، جہان پناہ، ایک بڑا درخت تو ضرور تھا، جسکے سایہ مین مین سو رہا تھا جب قزاق حملہ آور ہوئے ہین،، نادر نے کہا بس اس قدر کافی ہے،، اسکے بعد اسنے نہایت برافروختہ ہوکر، دو جلادون کو حکم دیا، کہ فوراً جاکر اُس درخت کے کوڑے لگانا شروع کرین، اور روز اس سزا کو جاری رکھین، تاآنکہ وہ درخت یا تو مال مسروقہ واپس دے، اور یا قزاقون کا پتہ بتائے،، کس کی مجال تھی کہ نادری حکم ٹال سکتا؟ جلاد گئے، اور حسب فرمان شاہی اُس درخت کو تازیانہ لگانا شروع کیے۔ ابھی اس سزا کو جاری ہوے ایک ہفتہ ہوا تھا، کہ ایک روز وہ جلاد دیکھتے کیا ہین، کہ سارا مال، درخت کی جڑ کے پاس رکھا ہوا ہے!!

اصل یہ ہے، کہ قزاقون نے جب یہ سنا، کہ ایک بیجان درخت پر یہ سخت تعزیر جاری کی گئی ہے، تو یہ خیال کرکے لرز گئے، کہ اگر کہین ہمارا حال کھل گیا تو معلوم نہین ہمارا کیا حشر ہوگا، اور اس خوف سے جاکر مال وہان رکھ آئے۔ نادر کو جب اسکی اطلاع ہوئی، تو مسکرا کر کہا، کہ ،، مین جانتا تھا، کہ درخت پر تعزیر جاری کرنے کا کیا نتیجہ ہوگا[۱]،، ہان، بیشک نادر جانتا تھا، اور اسکی اسی نباضی

[۱] یہ حالات زیادہ تر میور کی ،، لائف آف محمد،، سے ماخوذ ہین (صفحہ ۲۲۹ تا صفحہ ۲۲۳) مزید احتیاط کے لیے ماخذ اصلی یعنے کتب حدیث سے بھی رجوع کرکے اُنکی صحت کا اطمینان کر لیا گیا ہے۔ مختلف کتب حدیث مین روایت مختلف طریقون سے منقول ہے، تاہم کسی مین کوئی اہم اختلاف نہین۔

فطرت کا یہ نتیجہ تھا، کہ اسکی قیادت اس قدر کامیاب رہی۔ لیکن کیا اگر وہ اسوقت
اس ڈاکہ کی باضابطہ تحقیقات شروع کرتا، تو اس قدر انکشاف حقیقت و واپسی
مال کی توقع کی جاسکتی تھی؟

حاضر دماغی و فطرت شناسی کی اس سے بھی زیادہ واضح و موثر مثال
پیمبر اسلام کی زندگی مین ملتی ہے، غزوۂ حنین کی فتح کے بعد جب نہایت افراط
سے مال غنیمت ہاتھ لگا، تو اعراب کو قدرتاً یہ طمع دامنگیر ہوئی، کہ اسکی تقسیم جلد
سے جلد ہو جاے۔ یہ خواہش بیتابی کی حد تک پہونچ گئی، یہانتک کہ پیمبرؐ جو اونٹ
پر سوار ہو کر اپنے خیمہ کی جانب جا رہے تھے، لوگون نے دفعتہً اس زور سے
یورش کی کہ انھین ایک درخت کی آڑ مین پناہ لینی پڑی، اور اس کشمکش مین انکی
ردا چھٹ گئی۔ اس پر انھون نے اپنے حملہ آورون کو مخاطب کر کے کہا، کہ مجھے
میری چادر واپس کر دو، مجھے اپنے رب کی قسم ہے، کہ اگر بھیڑ اور اونٹ شمار مین
اتنے ہی ہون، جتنے کہ جنگل مین درخت ہوتے ہین، تو بھی مین انھین تم ہی کو
تقسیم کر دون گا۔ تم نے ابتک، نہ مجھے کبھی بخیل پایا کاذب نہین پایا ہے۔" پھر اپنے
شتر کے کوہان سے ایک بال اُکھاڑ کر کہا، کہ "مین بجز اپنے خمس کے ایک بال
برابر بھی مال غنیمت سے نہ لون گا، اور پھر وہ اپنا خمس بھی تم ہی لوگون مین تقسیم
کر دون گا" اس سے لوگون کو تسکین ہو گئی، اور مطمئن ہو کر اپنی اپنی جگہ چلے گئے
اسکے بعد انھون نے اسباب غنیمت کی تقسیم کی، اور اس طرح پر کی کہ ۴/۵ مین
تو سب کے حصہ رسدی حسب دستور لگائے، مگر اپنے ذاتی خمس کی تقسیم اس
طرح پر کی، کہ بدوی سردارون (مثلاً اقرع و عیینہ) کو سو سو اونٹ دیدیے، اور انکے

مقابلہ مین انصار مدینہ کو گویا کچھ بھی نہین دیا۔ اس پر گروہ انصار مین سخت برہمی پھیلی، اور انھون نے آپس مین کہنا شروع کیا، کہ "دیکھو، محمدؐ نے آخر اپنے ہی عزیز دن وہموطنون کا ساتھ دیا، اور ہمین بُھلا دیا"، رفتہ رفتہ یہ برہمی تقریبًا بغاوت کے درجہ تک پہونچ گئی، اسوقت اس قاید اعظم نے بجاے باغیون کو سزا دینے یا اُن سے کسی ذلت آمیز طریقہ پر معذرت خواہی کے، انھین ایک جگہ مجتمع کیا اور انکے سامنے حسب ذیل تقریر کی:-

"اے گروہ انصار! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مجھ سے اس بات پر برہم ہو، کہ مین نے ان سرداران مکہ کو زیادہ عطایا دیے ہین، اور تمھین اسکے مقابلہ مین کچھ نہین دیا، لیکن ذرا مجھے ان سوالات کا جواب تو دو۔ کیا مین تمھارے درمیان ایسے وقت نہین آیا، جبکہ تم گم کردہ راہ تھے، اور خدا نے تمھین راہ ہدایت دکھائی؟ جبکہ تم محتاج تھے، اور میرے پروردگار نے تمھین مستغنی کر دیا؟ جبکہ تم باہم عداوت و بغض مین مبتلا تھے، اور میرے رب نے تمھارے دلون مین اتحاد و محبت پیدا کر دی؟ مین ان سوالات کا جواب سننے کے لیے توقف کرتا ہون"

تمام حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا، کہ

"جو کچھ ارشاد ہوا، حرف بحرف صحیح ہے، بیشک رحمت و فیاضی خدا اور اسکے رسول کے ساتھ مخصوص ہے"

اس پر محمدؐ نے پھر اپنی تقریر کا سلسلہ ان الفاظ مین جاری رکھا:-

"نہین، نہین، واللہ اگر تم میرے سوالات کا جواب ان الفاظ مین دیتے، کہ "تو جب مدینہ مین آیا، تو کوئی تیرا رفیق نہ تھا، ہم تجھ پہ ایمان لائے۔ تو پناہ جو تھا، ہم نے تجھے پناہ دی۔ تو بے خانمان تھا، ہم نے تجھ سے رشتۂ مواخاۃ قائم کیا۔ تو مفلس تھا، ہم تیرے کفیل ہوے"، تو یہ جواب بالکل صحیح ہوتا اور مین ذاتی طور پر اسکی تصدیق کرتا۔ لیکن ذرا سوچو تو سہی، کہ کیا تم کو یہ ناگوار ہونا چاہیے کہ مین نے بعض لوگون کی تالیف قلوب کے لیے انھین اس دنیاے فانی کی دولت مین زیادہ حصہ دیدیا حالانکہ تم صراط مستقیم پر ثابت قدم ہو؟ کیا تمھارے فخر کے لیے یہ امر بس نہین کرتا، کہ جسوقت دوسرے لوگ بھیڑون کے گلہ اور اونٹون کی قطار اپنے ساتھ لیے جاتے ہون، تو تم اپنے درمیان رسول خدا کو لیے ہو؟ مین سچ کہتا ہون، کہ مین تمھین کسی حالت مین اپنے سے جدا نہین کرسکتا۔ اگر تمام دنیا ایک راستہ پر جارہی ہو، اور مدینہ کی خلقت دوسرے راستہ پر ہو، تو مین واللہ اہل مدینہ ہی کی راہ اختیار کرون گا۔ اللہ کا فضل وکرم، اہل مدینہ اور انکی اولاد، اور انکی اولاد کی اولاد پر ہمیشہ شامل حال رہے"

راویون کا بیان ہے، کہ اس پر اہل مدینہ اس قدر متاثر ہوے، کہ زار وقطار ہو کر رونا شروع کیا، یہانتک کہ ان کی داڑھیان، آنسوون سے تر ہو گئین، اور سب نے متفق ہو کر پکارا، کہ

,, اے پیمبر ہم بالکل مطمئن ہین،،

رسمی تعلیم کے لحاظ سے پیمبر اُمّی محض، یا تقریباً اُمّی تھے، لیکن اس موقع پر بغاوت کے طوفان کو انھون نے جس خوشی اسلوبی سے فرو کیا، اسکی نظیر آسانی کے ساتھ نہ مصنفین کبار کی تاریخ پیش کرسکتی ہے، اور نہ مشاہیر مدبرین کی۔ یہی فطرت شناسی وحاضر دماغی کی وہ خصوصیت تھی، جس نے صحراے عرب کے ایک ان پڑھ کو، دنیا سے اسکی رسالت تسلیم کرانے اور قائدین عظام کی صف مین اسے اس قدر ممتاز جگہ دینے مین اسکی تمام خصوصیات سے زیادہ مدد دی۔

نفسیات قیادت کے بعض عنوانات اہم کا ذکر اوپر گزر چکا، اور یہ کسی قدر تفصیل سے بتایا جا چکا، کہ سطوت ذاتی اور فطرت شناسی، تشکیل قیادت مین کس قدر دخل عظیم رکھتے ہین، لیکن درحقیقت ایک قاید جن خصوصیات کا جامع ہوتا ہے، وہ اتنی مختصر نہین ہوتین، کہ صرف دو یا تین عنوانات کے تحت مین سما جائین۔ اور نہ پھر اس قدر ناقابل تغیر ہوتی ہین، کہ ریاضی کے قواعد کی طرح انھین قطعیت کے ساتھ کسی ایک کلیہ کی صورت مین بیان کردیا جاسکے۔ پس اس دقت پر غالب آنے کا واحد علاج یہ ہے، کہ متعدد قایدین کی سیرت کے نمایان خط وخال ناظرین کے سامنے کردیے جائین، جن سے مجموعی طور پر اُن کے ذہن مین ایک مکمل لیڈر کا خاکہ قائم ہوجاے۔ اسی بنا پر ہم نے صفحات بالا مین اپنے ہر بیان کے شواہد مختلف قایدون کی عملی زندگی سے پیش کیے۔ مزید توضیح کے لیے ہم ذیل مین، قائدین عظام مین سے

ایک آدھ اور شخص کی سیرت کی تفصیلات درج کرتے ہین جس سے، ایک مکمل لیڈر کے جزئی خصوصیات نفسی بھی نظر آجائین گے،

سب سے پہلے ہم نپولین کو لیتے ہین، مورخ کہتا ہے، کہ اسکی سیرت کے عناصر ترکیبی حسب ذیل تھے:-

(۱) خصایص عقلی:- محیر العقول قوت متخیلہ، اندازہ دانی کی بیحد وسیع اور اسی کے ساتھ اتنی ہی دقیق قوت (یعنے کلیات و جزئیات پر حاوی)، معاملہ فہمی، کسی شے کے اصولی و اساسی اور اس کے ضمنی و تبعی پہلوؤن مین امتیاز کرنے کا بیمثل ملکہ، ہر واقعہ کو اپنے منشا کے موافق ڈھال لینے کی قابلیت، جدت ذہن و تیزی فکر

(۲) خصایص اخلاقی:- حد سے بڑھی ہوئی بلند نظری، و حوصلہ مندی" کبھی نہ متزلزل ہونے والی خود اعتمادی، ناقابل تسخیر ہمت و قوت، عظمت حاصل کرنے، نام پیدا کرنے، اور عظیم الشان کام انجام دینے کی حرص، قوت فیصلہ کی مضبوطی، کیرکٹر کا ثبات و استحکام، دشواریون اور مشکلات پر غالب آنے مین تیزی و چابکدستی، غیر معمولی چالاکی، اپنے مقاصد اور ارادون کے اخفا کی خاص قابلیت عوام کی قابلیت کے بارہ مین سخت تحقیر آمیز خیالات، اس امر کا یقین کامل، کہ دنیا پر صرف قوت حکمران ہے، اور بڑا شخص جو چاہے کر سکتا ہے، بیجا ظلم و تشدد سے طبعًا احتراز کرنا، لیکن اپنے ارادون اور پیش نظر مقاصد کے سامنے کسی قہر

وظلم کی پروانہ کرتا۔[1]

خوش قسمتی سے جولیس سیزر کے جسمانی، عقلی واخلاقی خصائص کو تاریخ نے اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ محفوظ رکھا ہے:۔

"جسمانی حیثیت سے سیزر طویل القامت، اور دُبلا پتلا تھا۔ اسکے خط وخال بہ نسبت عام اہل روما کے زیادہ نازک تھے۔ پیشانی بلند ووسیع تھی، ناک بڑی اور پتلی تھی، آنکھین مثل عقاب کے تھین۔ گردن بہت موٹی تھی۔ رنگ زرد تھا، داڑھی مونچھ ہمیشہ بالکل صاف رکھتا تھا۔ بال چھوٹے اور بہت تھوڑی تعداد مین تھے۔ صحت ہمیشہ اچھی رہی، البتہ زندگی کے اخیر سال مین صرع کے دورہ آنے لگے تھے، آواز جب کبھی پبلک تقریر کرتا تھا، تو بہت بلند اور چیخنی ہوتی تھی۔ غسل کا بہت شایق تھا صفائی ہر شے مین ملحوظ رکھتا تھا۔ غذا کے بارہ مین بہت محتاط تھا۔ شراب کو کبھی ہاتھ نہ لگاتا۔ جسم ہر طرح کی ورزش بخصوصًا گھوڑے کی سواری کا عادی تھا۔

اسکے عادات واطوار بہت ہی شریفانہ ومتین تھے، جن سے اعلیٰ درجہ کی ابتدائی تربیت کا ثبوت ملتا تھا۔ لڑکپن ہی سے وہ ایک مخلص ترین دوست تھا، لڑائی جھگڑے سے حتی الامکان گریز کرتا تھا، اور جب ناخوش ہوتا، تو آسانی سے منالیا جاتا،

---

[1] مارس، "نپولین"، صفحہ ۴۰۴ و ۴۰۵۔

ایک مرتبہ کسی نے اسکی ضیافت کی، اتفاق سے کھانے مین
جو روغن پڑا تھا، اُس مین حد سے زیادہ بِسا ہند تھی، جو تمام
مہمانون کو ناگوار ہوئی، لیکن سپیزر محض اپنے میزبان کی خاطر شکنی
کے خیال سے اسے بلا ایک حرف کہے، کھاتا رہا۔ اسی طرح
وہ ایک مرتبہ جنگل مین اپنے ایک دوست کے ساتھ سفر کرتے
ایسی جگہ پہونچا، جہان صرف ایک ہی بستر تھا۔ اس بستر پر اس نے
اسپنے دوست کو لٹایا، اور خود زمین پر سویا۔

پبلک زندگی مین اسکے مقاصد ہمیشہ عملی ہوتے تھے۔ اور نہ صرف
مقاصد، بلکہ اسکا طریق عمل بھی ہمیشہ عملی ہوتا تھا۔ اُسے جب
کوئی کام کرنا ہوتا تھا، تو اسکے لیے ہمیشہ اُسی شخص کا انتخاب
کرتا، جو خاص اس کام کی اہلیت رکھتا، قطع نظر اس سے کہ وہ
دوسری حیثیات سے کیسا ہے۔ اسے نظم و نسق مین جو کامیابی
حاصل ہوئی، اُس کا بہت بڑا سبب اسکی یہی قوت انتخاب و امتیاز
تھی۔ وہ زود عمل ضرور تھا، لیکن اسکی زود عملی ہمیشہ سوچی سمجھی
ہوتی تھی اور نتائج خود بتا دیتے تھے، کہ اسکی زود عملی کہانتک حق بجانب
ہے۔ اسکے فتوحات عظیم اسکی اسی زود عملی کا ثمرہ ہین، جس کے
باعث وہ دشمن کے سر پر، قبل اسکے کہ اسے اطلاع ہو، پہونچ
جاتا تھا۔ بعض مرتبہ اُس نے ایک ایک دن مین سَو سَو
میل کا سفر کیا ہے، اس حالت مین کہ بغیر پل کے دریاؤن کو

عبور کرنا ہوتا تھا، جس زمین پر سفر کرتا تھا، وہان شرکین تک نہ تھین، اور وہ برابر اسی حالت مین اپنی گاڑی کے اندر بیٹھا ہوا مطالعہ یا تحریر مین مصروف رہتا تھا۔ جب وہ کوئی مقصد اپنے پیش نظر رکھ لیتا تھا، تو دنیا کے سخت سے سخت موانع بھی اسکے سعی حصول سے اُسے باز نہین رکھ سکتے تھے[۱]

سکندر اعظم کی سیرت کی خط و خال بھی تاریخ کے مرقع مین محفوظ ہین:۔

"ایک اعلیٰ ترین فوجی قائد مین جتنے اوصاف پائے جانا چاہئین، وہ سب کے سب سکندر کی ذات مین جمع تھے۔ غیر معمولی جراءت و بیخوفی (جو کبھی کبھی اپنے حدود سے متجاوز ہو جاتی تھی) ہر کارروائی کے لیے پیشتر سے تیاری و اہتمام، ہر ممکن حادثہ کے توڑ کی تدابیر، اور بالکل نئے حالات و مقتضیات کے مطابق اپنے تئین ڈھال لینے کی صلاحیت، اِن خصوصیات کی جھلک اُسکے ہر زمانہ مین نظر آتی ہے۔ اور بڑی سی بڑی کامیابی کے وقت بھی وہ ان تدابیر کی طرف سے غافل نہین ہوتا تھا[۲]"

وہ جو سطوت و نفوذ، ایک لیڈر کے لیے لوازم اصلی مین داخل ہے، اور جسکا ذکر اوپر گزر چکا ہے، سکندر اُسکا بہت بڑا حصہ دار تھا، پلوٹارک نے ایسے متعدد واقعات لکھے ہین، جن سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اس قوت کا ظہور

---

[۱] فروڈ "جولیس سیزر"، صفحہ ۷ ۴ ۵ تا ۰ ۰ ۵۔ یہ مسلسل ترجمہ نہین، بلکہ جابجا سے اقتباس ہے۔

[۲] گروٹ "تاریخ یونان"، جلد ۱۲۔ باب ۹۴۔

سکندر مین بچپن ہی سے ہونے لگا تھا، وہ ابھی بچہ تھا لیکن بڑی سی بڑی پُرشوکت مجلس اُسے مرعوب نہ کرسکتی، بلکہ وہی اپنے سے سب کو متاثر کرتا۔ بلند نظری کا یہ عالم تھا، کہ بچپن مین لوگون نے اس سے پوچھا، کہ ”گھوڑدوڑ مین گھوڑا دوڑائیے گا“ اس نے جواب مین کہا کہ ”ہان، بشرطیکہ میرے حریف سلاطین وقت ہون“ حوصلہ مندی کی یہ کیفیت تھی، کہ جب اسکا باپ کوئی نیا شہر یا صوبہ فتح کرتا، تو بجائے مسرت کے، یہ کمسن شاہزادہ بہ صد حسرت وافسوس کہتا کہ ”اباجان یون ہی فتوحات کو وسیع کرتے رہے، تو پھر مجھے تیغ آزمائی کا کہان موقع رہ جائے گا“ ہوشمندی وبیخوفی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ اسکے والد کے پاس لوگ ایک قیمتی گھوڑا فروخت کی غرض سے لائے، ارکان دربار نے اسکی چال دیکھنا چاہی، لیکن اس نے اس قدر شرارت شروع کی، کہ کسی کو اس پر سوار ہونے کی ہمت نہین پڑتی تھی، بڑے بڑے شہسوار عاجز آگئے، خود شاہ فلپ حیران وغضبناک تھا، مگر کوئی تدبیر نہین چلتی تھی، کہ یہ کھیلتا ہوا شہزادہ جرارت کرکے آگے بڑھا، اور کہا مین ابھی اسے درست کیے دیتا ہون۔ لوگون کو اس بچپن کی ناسمجھی پر ہنسی آگئی، لیکن دنیا کا ہونے والا فاتح ہنسی سے دبنے والا نہ تھا، اس کی ہٹ کو دیکھ کر فلپ کو غصہ آگیا، اور اُس نے جھنجھلا کر کہا، کہ تم اپنے دعوے کو اگر ثابت نہ کرسکے تو اس بدتمیزی کے دخل درمعقولات کی کیا سزا؟ اس نے جواب دیا، کہ مین گھوڑے کی قیمت (یعنے تقریباً ۳۷۰۰ روپیہ) جرمانہ مین دینے کو حاضر ہون۔ جانور دراصل اپنے سایہ سے بھڑک رہا تھا، اس

نکتہ کو اس سارے مجمع مین سکندر تاڑ گیا، اُسنے فوراً گھوڑے کا مُنھ آفتاب طرف پھیر دیا، جس سے اُسکی بھڑک جاتی رہی، اور فوراً اُس پر سوار ہوکر اُسے سرپٹ دوڑایا۔ بادشاہ اور تمام حاضرین اس واقعہ پر دنگ ہو گئے۔

اسکا سن ابھی سولہ سال کا تھا، کہ شاہ فلپ کو ایک مہم پر جانے کی ضرورت ہوئی۔ سلطنت اس شانزدہ سالہ لڑکے کے سپرد کی، اور خود عازم جنگ ہوا۔ سلطنت کا بار گران، بجاے خود ایک لڑکے کے لیے کیا کم ہوتا ہے، کہ ملک مین بغاوت شروع ہو گئی۔ لوگ سمجھتے تھے، بچہ ہتیارون کی چمک سے کانپ اُٹھے گا، لیکن اس بچہ کو دنیا کا ایک قاید اعظم بننا تھا، اس نے باغیون کی پوری طرح سرکوبی کی، اور صرف یہی نہین کہ معرکۂ جنگ مین انھین شکست دی، بلکہ اُن کے صوبہ کو بالکل مسخر کرکے اُسے اپنی سلطنت مین الحاق کر لیا۔ ان حالات کو دیکھ دیکھ کر خود بادشاہ پر اسکی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ ولیعہدی ہی کے زمانے مین اس وارث تاج نے ایک سے زاید بار مالک تاج کو علانیہ ٹوک دیا۔ بادشاہ دل مین تو بہت جھلایا، لیکن اتنی ہمت نہ پڑی، کہ ولیعہد کے خلاف کوئی سخت کارروائی کرسکتا۔ مقصود ان بیانات سے یہان یہ دکھانا ہے، کہ قیادت کا تخم، آغوش مادر ہی سے نشو و نما پانے لگتا ہے، اور قایدانہ خصایص ایسے نہین ہوتے جنھین انسان کسی ذریعہ سے کسب کر سکے۔

ایک پہلو سطوت قایدانہ کا یہ تھا۔ دوسرا یہ تھا، کہ جب سکندر نے وفات پائی، تو لوگون کو اسکی موت کا یقین نہین آتا تھا۔ جس شخص کے متعلق نفس کی

اندرونی و دقیق تہون مین یہ عقیدہ جما ہو، کہ وہ کوئی فوق الانسان قوت رکھتا ہے، اُسکے فانی ہونے کی خبر پر کیونکر جلد یقین آسکتا ہے؟ لوگ اس خبر کو سنتے تھے اور برابر انکار کرتے تھے، یہانتک کہ دارالحکومت یونان اتھینز کے مشہور خطیب ڈیمیڈس نے علانیہ کہدیا، کہ "ایسا ہونا ناممکن ہے، اگر بالفرض ایسا ہوا ہوتا تو ساری دنیا مین اسکی نعش کی خوشبو پھیل جاتی ہے" پیمبر اسلام کی خبر وفات کو باور کرنے سے، سب سے زیادہ جلیل القدر صحابی نے جس جوش و خروش سے انکار کیا، وہ بھی اسی قبیل کا واقعہ ہے۔ ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ قاید اپنے مقتدیون کو کس درجہ مسحور کر لیتا ہے وہ اپنی آنکھون سے ایک شے دیکھتے ہین، لیکن اپنے حواس اپنے مشاہدات کا غلطی پر ہونا آسان سمجھتے ہین، بہ مقابلہ اسکے کہ اپنے جذبۂ فرط عقیدت کو کوئی ٹھیس لگنے دین، یاد رہے کہ سطوت رحم مادر سے ساتھ آتی ہے، لیکن اسکا خاتمہ آغوش لحد مین چلے جانے سے نہین ہو جاتا۔ محمد و مسیح، گوتم بدھ و زرتشت سقراط و فلاطون، ارسطو و کنفیوشس کے ذرات مادی آج کہان مل سکتے ہین؟ لیکن کتنے سر ہین، جو آج بھی انکی پرستش مین سرگرم نیاز ہین! اور کتنی پیشانیان ہین، جو ان کے آستانہ پر سجدہ کرنے کو آج بھی اپنے لیے سب سے بڑا طغرائے امتیاز سمجھ رہی ہین! بت پرستی درحقیقت بتون کی نہین ہوتی بلکہ ارباب سطوت و نفوذ کی ہوتی ہے، اُن کی زندگی مین، اور ان کی موت کے بعد بھی۔

باب (۸)

اِدّعا و تحکم

پچھلے باب مین یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ایک قاید کو کِن کِن خصایص نفسی کا جامع ہونا چاہیے، لیکن یہ تصریح کے ساتھ کہین نہین بتایا گیا، کہ اپنے اثر سے کام لینے مین وہ کیا کیا ذرایع و وسائل عمل اختیار کرتا ہے۔ یہ مانا، کہ سطوت انسانی اور فطرت شناسی مع اپنے فروع کے، حیات قایدانہ کا اصل مواد ہین، لیکن یہ ظاہر ہے، کہ کوئی شخص محض اِن خصوصیات کی جامعیت سے لیڈر نہین بن سکتا تاوقتیکہ وہ انھین برتے نہین۔ اور انھین کے صحیح برتنے پر اسکے اثر و نفوذ کی اشاعت کا دارمدار ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے، کہ اظہار مدعا کے دو ہی ذریعہ ہین۔ تحریر و تقریر۔ پس اب دیکھنا یہ ہے، کہ قاید کی تحریر و تقریر مین کیا خصوصیات ہوتے ہین، جن کی بنا پر اُس کا اثر و نفوذ اس قدر پھیلتا ہے، اور اسکی باتین اس قدر موثر ہوتی ہین؟

مشاہدہ سے ثابت ہوتا ہے، کہ قایدین کی تحریرون اور تقریرون کی

سب سے بڑی خصوصیت ان کے لہجہ کا ادعا و تحکم ہے۔ نفس انسانی بہ لحاظ اپنی ساخت کے، اس طور کا واقع ہوا ہے، کہ اپنی سادہ و بسیط حالت مین وہ استدلال و ترتیب مقدمات کے بار کا متحمل نہین ہو سکتا، بلکہ صرف ہموار بیانات کو، جو بہ صورت اطلاعات ہون، قبول کرنے کے لیے آمادہ رہتا ہے۔ بچون اور اور وحشیون کے سامنے کوئی مستدل دعوی، کوئی قیاسی یا استقرائی نتیجہ پیش کرو۔ اکثر تو وہ ان کی سمجھ ہی مین نہ آئے گا، اور اگر سمجھ مین آ بھی گیا، تو عموماً انھین اسکا پختہ یقین ہرگز نہ ہوگا۔ بہ خلاف اسکے اگر ان کے سامنے کوئی ایسا دعوی پیش کرو، جو بہ طور کسی نتیجۂ بحث کے نہ ہو، بلکہ ایک واقعۂ مسلم و متعارف کی حیثیت رکھتا ہو، تو اسے وہ بلا تامل باور کر لین گے۔ تقلید، محاکات، و اثر پذیری انسان کے خمیر مین ہے۔ ہم انگڑائی لیتے ہین، اسے دیکھ کر ہمارے سامنے بیٹھا ہوا شخص بھی انگڑائی لینے لگتا ہے۔ ہم ہنسنے لگتے ہین، ہماری ہنسی دیکھکر، بلا کسی اور وجہ کے، ہمارے ہمنشینون کا بھی ہنسنے کا جی چاہتا ہے۔ ہم روتے ہین، اور ہمین روتا دیکھ کر خود بخود ہمارے ہم صحبت احباب کے آنسو نکل آتے ہین۔ یہ اثر پذیری و محاکات جس طرح ہماری زندگی کے جسمانی و عضویاتی شعبون پر محیط ہے، اُسی طرح ہماری حیات نفسی پر بھی حاوی ہے۔ ہم اگر کسی امر کا دوسرون کو یقین دلانا چاہتے ہین، تو ضرور ہے کہ ہمین خود بھی اسکا یقین ہو، یا کم از کم ہمارا مخاطب بھی سمجھتا ہو، اور اپنے کسی یقین کے اظہار کا طریقہ، لہجہ کا ادّعا و تحکم ہے۔ قایل کا اعتقاد اگر راسخ ہے، تو سامع کا اعتقاد بھی راسخ ہوگا، اور قایل اگر مذبذب ہے، تو

سامع بھی مذبذب رہے گا۔

نفس انسانی کی فطری و ابتدائی حالت، جیسا ابھی کہا جا چکا ہے، یقین، انقیاد و اعتماد کی ہوتی ہے، شک و شبہہ، انکار و نکتہ چینی، کا گزر پست ترین دماغون مین نہین ہوتا، ان چیزون کی پیداوار صرف اُن دماغون مین ہوتی ہے، جنکی سطح نسبتہً بلند ہوتی ہے، اور جو ایک کافی حد تک غور و استدلال کے عادی ہوسکتے ہین۔ اب جماعت بھی چونکہ ذہنی حیثیت سے نہایت پست سطح ہوتی ہے، اسلیے اسکے آگے دعاوی کو مستدل و منطقی اشکال مین پیش کرنا قطعاً بے سود ہوتا ہے۔ اسکے ذہن مین اگر کسی عقیدہ کو راسخ کرنا ہے، تو اسکی بہترین صورت یہ ہے، کہ تم اُسے اس پر یون ظاہر کرو، کہ گویا خود تمھین اسکا حد درجہ وثوق ہے، اور اس اظہار کا طریقہ وہی لب و لہجہ کا مدعیانہ و تحکمانہ ہوتا ہے، اس سے تمھارے مخاطبین خواہ مخواہ متاثر ہون گے اور جو تمھارا خیال ہے، وہ از خود تمھارے مخاطبین مین بھی سرایت کرجائیگا۔ درحقیقت، سریان خیال، تحکم ہی کا دوسرا نام ہے۔

لیکن خود، ادعا یا تحکم کا کیا مفہوم ہے؟ اسکا جواب یہ ہے، کہ یہ ایک وجدانی شے ہے، جسکی مثل دیگر ذوقی اشیاء کے، کوئی منطقی تعریف یا تحدید نہین کیجاسکتی، تاہم، زیادہ کاوش سے، اسکی تحلیل عناصر ذیل مین کیجاسکتی ہے:۔

(۱) لہجہ مین شک و تذبذب کا شائبہ تک نہ ہو، بلکہ متکلم کا اعتقاد کامل ظاہر ہوتا ہو۔

،،شاید،، ،،غالباً،، ،،ممکن ہے،، اور اس طرح کے تمام دوسرے الفاظ

جن سے متکلم کا شک و تذبذب ظاہر ہوتا ہے، دعوی کی قوت کو ضعیف کرتے ہین، اور مخاطبین کو خیال دلا دیتے ہین، کہ اس مین ضرور شک و شبہ کی گنجایش ہے یہی سبب ہے، کہ جن ارباب قلم کی تحریرین جماعات مین سب سے زیادہ مقبول ہوتی ہین، وہ وہی ہین، جن کے بیانات مین انتہائی قطعیت ہوتی ہے۔

(۲) دعاوی استدلال کی آمیزش سے پاک، اور بالکل واقعات مسلمہ کی شکل مین ہون۔

کسی دعوی کو ایک مستدل صورت مین پیش کرنے کے معنی ہی یہ ہوتے ہین، کہ وہ دعوی اپنے ثبوت کے لیئے دلیل و برہان کا محتاج ہے، اور یہ جماعات کی منطق مین صریحًا اسکی قوت کو ضعیف کر دیتا ہے، ان کے لیے وہی بیانات موثر ہوتے ہین، جو بہ طور نتائج مقدمات و ثمرہ بحث کے نہین، بلکہ ایسی صورت مین ہون، کہ گویا وہ بالکل مسلم واقعات ہین جن مین تنقید و تنقیح نکتہ چینی و تشکیک کی گنجایش ہی نہین۔ اپنے بیانات کو دلائل و براہین کے ساتھ پیش کرنا، مخاطبین کو اسکی دعوت دینا ہے، کہ وہ محل نقد و نظر بن سکتے ہین، اور ظاہر ہے کہ نظریات خواہ کتنے ہی قوی ہون، بدیہیات کا مقابلہ نہین کر سکتے،

(۳) حتی الامکان مفہوم جامع و مختصر الفاظ مین ادا ہو۔

ایجاز و اختصار جان بلاغت ہے، اور طوالت فی نفسہ کلام کے اثر کو گھٹا دینے والی ہے۔ مثلین، کہاوتین، اور مقولے جو زبان زد عوام ہوتے ہین، ان کی خصوصیت مشترک یہ ہوتی ہے، کہ گو ان کا مفہوم بہت وسیع و حاوی ہوتا ہے، لیکن ان کے الفاظ کا شمار بہت ہی محدود ہوتا ہے، جس شے کو

ہمارے علما ادب ”آمد“ سے تعبیر کرتے ہین، اسکا ایک اہم جزو اختصار ہے۔
طوالت بیانی مین ہمیشہ آورد و تصنع کی جھلک نظر آجاتی ہے۔ ایجاز مین جو سحر
یا مقناطیسیت ہوتی ہے، وہ تطویل مین قایم ہی نہین رہ سکتی۔

(۴) عمدہ تمثیلات کی تہ مین بھی ایک مخفی قوت تحکم ہوتی ہے۔

جن چیزون کی، قایدین عموماً مثال لاتے ہین، وہ وہی ہوتی ہین جن کے
متعلق جماعت مین ایک خاص خیال یا عقیدہ پختہ طور پر موجود ہوتا ہے،
پس جب کسی شے کی اُن سے مثال دی جاتی ہے، تو جو پختہ عقیدہ
ممثل لہ، کے متعلق شایع تھا، وہی اب شے مماثل کی جانب منتقل ہوجاتا ہے۔

جن اصحاب نے فرانس کے مشہور زعیم روسو کی کتاب ”معاہدہ
عمرانی“ (Social Contract) کا مطالعہ کیا ہے، وہ خوب سمجھ سکتے ہین،
کہ کسی تحریر مین ادّعا و تحکم کے کیا معنی ہوسکتے ہین۔ اس کتاب مین شروع سے
آخر تک ادّعا و تحکم کے جملہ اصناف کی بہتر سے بہتر مثالین مل سکتی ہین۔
آج ہندوستان مین بھی زعیمانہ انداز کے جن مصنفون کی تحریرین جماعات
مین سب سے زیادہ مقبول ہین، وہ وہی ہین، جو بجاے خود ایک پیکر ادّعا
ایک مجسمۂ تحکم ہین۔ اس طبقہ کے سب سے زیادہ مشہور شخص کی انداز تحریر
کے دو ایک نمونہ ملاحظہ طلب ہین:۔

(۱) موضوع تحریر۔ یورپین مال کے بائکاٹ پر مسلمانون کو آمادہ کرنا۔ شروع
مین چند آیات قرآنی مع ترجمہ، جن کا ماحصل یہ ہے، کہ یہودیون و عیسائیون
سے دوستی اور میل ملاپ رکھنے والے لوگ، خود بھی دشمنان دین وحق، اور

مستحق عذاب الیم ہین۔ اس موثر تمہید کے بعد اصل مضمون یون شروع ہوتا ہے،

"والصّافاتِ صفّاً فالزّاجراتِ زجراً فالتّالیاتِ ذِکراً (قسم ہے مجاہدین کے اُن گھوڑون کی، جو دشمنون سے لڑنے کے لئے صف بستہ ہوتے ہین الخ) کہ مہلتون کا خاتمہ، فرصتون کا وقت آخر، ہمتون کا امتحان، اور سعی وجہد کے انتہائی لمحہ درپیش ہین....

مین وہ صور کہان سے لاؤن، جسکی آواز چالیس کرور دلون کو خواب غفلت سے بیدار کرد ے؟ مین اپنے ہاتھون مین وہ قوت کیسے پیدا کرون، جنکی سینہ کوبی کے شور سے سرگشتگان خواب موت آور ہوشیار ہوجائین؟ آہ! کہان ہین وہ آنکھین، جن کو درد ملت مین خونباری کا دعویٰ ہے؟ کہان ہین وہ دل، جنکو زوال ملت کے زخمون پر ناز ہے؟ کہان ہین وہ جگر، جو آتشِ غیرت وحمیت کی سوزش کے لذت آشنا ہین؟ اور پھر آہ! کہان ہین اس برہم شدہ انجمن کے ماتم گسار، اس برباد شدہ قافلہ کے نالہ ساز، اس صفِ ماتم کے فغان سنج، اور اس کشتی طوفانی کے مایوس مسافر، جنکی موت وحیات کے آخری لمحہ جلد جلد گزر رہے ہین، اور وہ بیخبر ہین، یا خاموش روتے ہین، یا مایوسی سے چپ وراست نگران، مگر نہ ان کے ہاتھون مین اضطراب ہے

اور نہ پاؤن مین حرکت۔ نہ ہمتون مین اقدام ہے اور نہ ارادون مین عمل کا ولولہ۔ دشمن شہر کے دروازون کو توڑ رہے ہین اور اہل شہر رونے مین مصروف۔ ڈاکوؤن نے قفل توڑ دیئے ہین، اور گھر والے سوتے بھی نہین، مگر ابتک آنکھ ملنے سے مہلت نہین ملی ہے۔ جب کسی کے گھر مین آگ لگتی ہے، تو محلہ کے دوست دشمن سب ہی پانی لیکر دوڑتے ہین، لیکن اے رونے کو ہمت، اور مایوسی کو زندگی سمجھنے والو! یہ کیا ہے کہ تمھارے گھر مین آگ لگ چکی ہے، ہوا تیز ہے، شعلون کی بھڑک سخت، مگر تم مین سے کوئی نہین، جسکے ہاتھ مین پانی ہو! اگر اسی وقت کے منتظر تھے، تو کیا نہین سنتے، کہ وہ وقت آگیا ہے! اگر تم کشتی کے ڈوبنے کا انتظار کر رہے تھے، تو کیا نہین دیکھتے کہ اب اس مین دیر نہین؟ اور آہ مسلمانون کے عروج و زوال کی سیزدہ صد سالہ کشتی، جو بارہا ڈوبی، اور بارہا اُچھلی، اور نہین معلوم کہ اب ڈوبنے کے بعد ہمیشہ کے لیے سطح عالم سے ناپید ہو جاتی ہے یا اسکے ٹوٹے ہوے تختے، اور تار تار بادبان کے ٹکڑے سمندر کی موجون کا چند گھنٹے اور مقابلہ کرتے ہین"! اسکے آگے ایک آیت قرآنی ہے، جس مین عالم کی بے ثباتی پر عبرت دلائی گئی ہے ؎ اگر ہمکو مٹنا ہے، تو اسکا کوئی شکوہ نہین، رومۃ الکبریٰ اور بابل و نینوا کی عظیم الشان قومین جہان آباد تھین، وہان

آج خاک کے تودے، اور ٹوٹی ہوئی دیوارون کے کھنڈر بھی
سیاحون کو بڑی جستجو سے ملتے ہین۔ ہم نے تیرہ سو برس
تک دنیا مین حکمرانی کی ہے، اور مغرب و مشرق اگر ہمکو بھلانا نہ
چاہے، تو مدتون ہمارے افسانۂ حیات و ممات کو دُہرا سکتا ہے
لیکن غم ہے تو اسکا کہ موت دونون کو آتی ہے، سپاہی کو میدان
جنگ مین، اور مجرم کو سولی کے تختہ پر۔ پہلی وہ عزت کی موت ہے
جس پر ذلت کی ہزارون زندگیان قربان، اور دوسری وہ ذلت
کی موت ہے، جسکے بعد انسانی روح کے لیے اور کوئی ذلت نہین۔
اگر یورپ نے ہم سے آخری انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو
کاش ہمارے سینہ پر گولی لگی ہوتی، لیکن ہمارے گلے مین پھندا
نہ ڈالا جاتا۔ صلیب پرست قوم اسلام کو مصلوب کرنا چاہتی ہے
اللہ! اللہ! انقلاب و حوادث کی کیا نیرنگی ہے! جس قوم کی ابتدا دنیا
مین سولی کے تختہ سے ہوئی ہے، جسکی ہستی دنیا مین اس طرح
شروع ہوئی، کہ بت پرست رومیون کے حکم اور یہودیون کی
خواہش سے اسکے خدا کو سولی کے تختہ پر لٹکا دیا گیا تھا، اور
اسکے ہتھیلیون اور ٹخنون کو تختہ سے لگا کر بڑی بڑی میخین ٹھونک
دی گئی تھین، اگرچہ وہ بزدلی کی شدت سے بہت چیختا رہا تھا،
کہ "خدایا موت کے پیالہ کو میرے لبون سے ہٹا لے"، پر اسکو
سولی پر چڑھنا تھا، اور بے رحم چڑھانے والون نے چڑھا کر

چھوڑا جس قوم کی عزت کا پہلا دن یہ تھا، کہ اسکا جد اتین دن تک سولی کی لعنت مین گرفتار رہا۔۔ آج وہی قوم، سولی کے تختہ کو پوجنے والی قوم، ایک مصلوب لاش کی پرستش کرنے والی قوم اُس قوم کو میدان جنگ مین تلوار سے ہلاک کرنے کی جگہ سازشگاہ صلح مین پھانسی دینا چاہتی ہے، جسکا سب سے بڑا جرم یہ بیان کیا جاتا ہے، کہ اسکے بانی نے دنیا مین ظاہر ہوکر اپنے تئین مسیح کی طرح سولی پر نہین چڑھایا، بلکہ تلوار کے زور سے اپنے دین کی اشاعت کی،، (اسکے آگے مسیحیون پر مسلمانون کے احسانات گنائے گئے ہین)،، ہندوستان کے مسلمانون نے خواہ کتنا ہی اپنے تئین ذلیل و بے حقیقت سمجھ لیا ہو، اور خواہ داخلی و خارجی شیاطین کی وسوسہ اندازیون نے کتنا ہی ان کو معطل و مجبور ہونے کا یقین دلادیا ہو، لیکن ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کی تعداد سات کرور سے متجاوز ہے، اور وہ آج پیروان اسلام کی سب سے بڑی تعداد ہین، جو زمین کے کسی ایک ٹکڑے مین آباد ہین۔۔۔۔ (اسکے آگے اس پر زور دیا ہے، کہ انسان مین اگر ہمت ہو، تو باوجود بے بسی و بے سروسامانی سب کچھ کرسکتا ہے)،، مین کہونگا کہ مسلمانون کے بس مین سب کچھ ہے، بشرطیکہ وہ اپنی قوت کا اندازہ کرلین، کلمہ توحید کی حفاظت کے لیے اُٹھ کھڑے ہون، اور اپنے نفس کے مقابلہ مین الله

اور اُسکے رسول کی محبت کو ترجیح دین۔۔۔ صرف آنسو بہا کر کسی فوج نے ملک نہین فتح کیا ہے۔ یقین کیجیے، کہ تمام مسیحی یورپ اب اسلام کے فنا کر دینے کے لیئے آخری اتفاق کر چکا ہے، اور عرضداشتون ورزولیوشنون سے دنیا مین کبھی کام نہین نکلے ہین۔ پس اگر مسلمانان ہند اسوقت اپنی قوت سے کوئی نتیجہ خیز کام لینا چاہتے ہین، تو برائے خدا حالت کی نزاکت کو محسوس کرین، اور میدانِ کارمین چند قدم آگے بڑھائین۔ اس سلسلہ مین ان کا پہلا کام یہ ہے کہ تمام یورپین مال تجارت و مصنوعات کو بائیکاٹ کر دین۔۔۔۔ پس اب جو مسلمان یورپ کی تجارت و مصنوعات کو خریدتا و استعمال کرتا ہے، وہ دشمنان اسلام و توحید کی کھُلی ہوئی اعانت کرتا ہے۔۔۔ یہ کوئی ملکی و سیاسی مسئلہ نہین، بلکہ ایک خالص دینی معاملہ ہے، اور ہر مسلمان بشرطیکہ وہ مسلمان ہو، اسکی تعمیل پر مجبور ہے"

(۲) ایک اور موقع۔ مصنف کو کہنا یہ ہے کہ جس تحریک کی لوگ اب مخالفت کر رہے ہین، مین نے اسکی ابتدا ہی مین مخالفت کی، مگر اُس وقت کسی نے میری نہ سنی"

"آپ دیکھتے ہین، کہ سورج مشرق سے نکلتا، اور مغرب مین ڈوبتا ہے۔ والذی نفسی بیدہ، مین بھی بعینہ اسی طرح دیکھ رہا ہون کہ سچائی، غربت وکس مپرسی سے اُٹھتی ہے، اور فتح و کامرانی کا

علم بکر لہ رانی ہے۔ یہ میرا یقین اور میری بصیرت ہے۔ آپ کو
نظر نہین آتا، تو مین دکھلا بھی نہین سکتا۔ بہرحال مین نے
مخالفت مین تقریر کی، اور... صاف صاف لفظون مین اس
کارروائی کو ناقابل اعتماد بتلایا۔ یہ پیشتر سے معلوم تھا کہ اس کا
نتیجہ کیا ہوگا؟ مگر اظہار حق و امر بالمعروف نتیجہ کے خیال سے
بے پروا ہے۔ وہ ایک فرض ایمان و تعبد الٰہی ہے....
میرے لیے اس قدر کافی ہے، کہ آج جبکہ بڑی بڑی آوازین
ڈیپوٹیشن کی مخالفت مین اُٹھ رہی ہین، الحمدللہ کہ مین اپنے ضمیر
و ایمان سے شرمندہ نہین ہون۔ اور دلون کی عبرت اور نگاہون
کی بصیرت کے لیے یہ نشانی بس کرتی ہے، کہ جس جگہ لوگون کے
قدم آج پہونچے ہین۔ وہ عین اُسوقت بھی میرے قدمون کے
نیچے تھی، اور جو روشنی وقت گزر جانے کے بعد ان کو آج نظر
آئی ہے، وہ عین وقت پر مین دنیا کو دکھلا رہا تھا۔ اُس وقت تم نے
نہین دیکھا، اور اب اپنی آنکھون کو مل رہے ہو۔ بہتر ہے کہ اپنے
سرون کو پیٹو۔ ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون۔

(۳) ایک شخص نے اعتراضاً کہا ہے، کہ آپ کا رسالہ گمراہ کن ہے، اور آپ
اسکے ذریعہ سے جلب شہرت چاہتے ہین، اسکا جواب:-

"لیڈر بننے کی خواہش و سعی کی نسبت جناب نے لکھا ہے....
مشکل یہ ہے کہ لفظ "لیڈر" کے مفہوم و تخئیل ہی مین باہم اسقدر

اختلاف و تضاد ہے، کہ اگر اپنے تصورات و افکار عرض کرون تو آپ اس پر غور نہین فرما سکین گے، آپ معذور ہین، کہ آپ کو ہماری حالت معلوم نہین۔ آپ تو یہ دیکھتے ہین کہ ہم اس متاع کس مخر کے لیے للچا رہے ہین، یہان اگر مفت بھی ملے، تو تامل ہے۔ نیت و خلوص کو اگر فروخت ہی کرنا پڑا، تو کم از کم لیڈری سے تو زاید قیمت پر فروخت کرین گے۔۔۔ بہتر ہے کہ۔۔۔ کا معاملہ اب خدا کے سپرد کر دیجیے، وہ وقت دور نہین، جب زمانہ ہدایت و ضلالت کا فیصلہ کر دیگا، اور زیتون کے گھوٹ اگر ہین، تو دلون سے پشیانیون پر آجائین گے، آپ نہین دیکھتے لیکن مین الحمدللہ اُسوقت کو دیکھ رہا ہون۔ عنقریب کھل جائے گا، کہ مین قوم کو کس طرف بلا رہا ہون۔ اور دوسرے کس طرف لیجانا چاہتے ہین۔ خدا کا ہاتھ ہم سب سے بہتر فیصلہ کن ہے، اور وہ اپنے جس بندہ کو چاہتا ہے، اپنے ہاتھ کی نصرت کے لیے چن لیتا ہے، پھر اُس مین نہ آپ کا زور چل سکتا ہے نہ میرا، یا قوم اعملوا علی مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون من تکون لہ عاقبۃ الدار اسے لوگو تم بھی اپنی جگہ کام کیے جاؤ، اور مین بھی کر رہا ہون، عنقریب جان لوگے کہ اللہ کی نصرت کس کے ساتھ ہے اور کس کو آخر کی کامیابی نصیب ہوتی ہے؟۔

(۴) ایک اور موقع۔ مقصود یہ کہنا ہے کہ مسلمانون کے لیے ایسا پالٹیکس

بیکار ہے، جس مذہب کی آمیزش نہ ہو۔

"اگر مسلمانوں نے اپنے لیے ایک نہایت آزادانہ پولیٹیکل پالسی تیار کرلی، کانگرس سے بھی بہتر پروگرام ان کے ہاتھ میں ہوا، آئرلینڈ کے حکومت طلبوں سے بھی بڑھ کر جوش و سرگرمی پیدا کرلی، انکا ہر فرد گلیڈ اسٹن و مارلے ہوگیا۔ لیکن ساتھ ہی اگر انھوں نے اپنے معتقدات و اعمال کے اندر اسلام کی عملی روح نہ پیدا کی۔۔۔ تو میں اُس یقین کی لازوال طاقت کے ساتھ جسکے لیے کبھی موت و شکست نہیں، اُس بصیرت الٰہی کے ساتھ جس میں کبھی تزلزل و تذبذب نہیں، از سر تا پا صدائے ربانی بنکر کہتا ہوں، کہ اگر آگ جلاتی، اور پانی ڈبانا ہے، اگر آفتاب مشرق سے نمودار ہوتا، اور مغرب کی جانب غروب ہوتا ہے اگر مچھلی خشکی میں اور پرند دریا میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر قوانین طبعیہ و نوامیس فطریہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اور اگر یہ سچ ہے کہ دو اور دو پانچ نہیں، بلکہ ہمیشہ چار ہوتے ہیں، تو یہ بھی کبھی نہ مٹنے والی صداقت صفحۂ کائنات پر نقش سنگین ہے، کہ مسلمانوں کو یہ تمام سیاسی ہنگامہ آرائیاں، تعلیم و تربیت کا غوغائے محشر خیز، اور پولیٹیکل پالسی کے تغیر و تبدل کا ہیجان طوفان آور، ایک لمحۂ ایک دقیقہ، ایک عشر دقیقہ کے لیے بھی کچھ نفع نہیں پہونچا سکتا۔ ان کی تمام جد و جہد بیکار جائے گی،۔۔۔ ان کے گلوں میں

جو طوق مذلت، اور ان کے پاؤن مین جو زنجیر ادبار و تسفل پڑی ہے، وہ قیامت تک نہ ٹوٹے گی، جہالت و ضلالت، اسیرو غلامی، ذلت و خواری کی صفون مین ہمیشہ محصور رہین گے، اور دنیا مین ایک لمحہ کے لیے بھی انکو قومی عزت کا چہرہ دیکھنا نہ نصیب ہوگا، خسر الدنیا والاخرۃ ذٰلک ھو الخسران المبین

... مین نے کہا کہ "اگر آگ جلاتی اور پانی ڈبا تا ہے"۔ نہین، بلکہ کہتا ہون کہ یہ تو ممکن ہے کہ آگ نہ جلائے، اور پانی نہ ڈبائے مگر یہ کسی طرح ممکن نہین کہ خدا کا وہ قانون شقاوت و ہدایت بدل جائے، جسکے لیے ابتدائے خلقت بنی آدم سے آج تک تاریخ مین کوئی مستثنےٰ شہادت موجود نہین۔ یہ مین لکھ رہا ہون اور میرے اندر یقین و اعتقاد کی ایک آواز بیچین و مضطرب ہے، مگر افسوس کہ اسکی ترجمانی کے لیئے مجھے الفاظ نہین ملتے حیران ہون کہ کیونکر اپنا دلی یقین آپ کے دلون مین بھی پیدا کر دون"

ممکن ہے کہ ایک ہی شخص کی تحریرون کے بہ کثرت اقتباسات سے بعض ناظرین اُکتا گئے ہون، لیکن واقعہ یہ ہے، کہ مدعیانہ و حکمانہ طرز تحریر کے اس سے بہتر نظائر مصنف ہذا کو اردو لٹریچر مین کہین نہین ملے۔ اور اگر کسی دوسری زبان سے مثالین نقل کی جائین، تو ترجمہ مین اصل عبارت کا زور پوری طرح قائم نہین رہتا۔ تاہم جو اردو دان ناظرین اپنی زبان کے علاوہ

باہر والون کے طرز ادعا و تحکم کی بھی سیر دیکھنا چاہتے ہین، اُن کی دلچسپی کے لئے ہم ایک عبارت کا انگریزی سے ترجمہ درج کرتے ہین۔

مسز اینی لیسنٹ، اسوقت فرقۂ تھیاسوفسٹ کی مشہور و معروف لیڈر اور تھیاسوفیکل سوسائٹی کی پریسیڈنٹ ہین۔ کچھ عرصہ ہوا اُن کے طرز عمل سے خود ان کے گروہ کو کچھ شکایت پیدا ہو گئی تھی، اور بعض اتباع نے یہ علانیہ کہنا شروع کر دیا تھا، کہ ہم اپنے پریسیڈنٹ کے کورانہ مقلد نہین، ہم پر صرف انھین احکام کی تعمیل واجب ہے، جو ہماری عقل مین آتے ہین، ایسے موقع پر مسٹر لیڈ بیٹر نے جنھین اس پیمبر کا صدیق اکبر کہنا ناموزون نہ ہوگا، اپنی مخدومہ کی حمایت مین ایک تحریر شایع کی۔ جس کے مقتبس جملہ یہ ہین:۔

"برادران ملت! مین حیران ہون کہ اپنی پریسیڈنٹ صاحبہ کے وہ کون سے اوصاف آپ کے سامنے بیان کرون، جن سے آپ خود ہی واقف نہین ہین؟ اُن کا بے پایان فضل و کمال، اُن کی اتھاہ دانائی، اُن کی عدیم المثال فصاحت و بلاغت، اُن کا غیر محدود ایثار، اُن کی خارج از شمار خدمات قوم و ملک، ان مین سے مین کس چیز کا آپ کے سامنے ذکر کرون؟ آپ خود اُن تمام اُمور سے بخوبی آگاہ ہین۔ مجھے کہنا یہ ہے، کہ ہماری مخدومہ کی اصلی عظمت انھین چیزون پر موقوف نہین، یہ چیزین تو محض سطحی ہین۔ ان پر ہر شخص کی نظر پڑ سکتی ہے۔ البتہ اُن سے پرے، ہماری مخدومہ مین کچھ قوتین ایسی ہین، جن سے

آپ کو واقفیت نہ ہے، اور نہ ہوسکتی ہے، اور اُنھین مین
دراصل، ہماری مخدومہ کی عظمت کا راز مخفی ہے۔ سنیے اور
کان دھر کر سنیے، کہ آپ جس ذات کو اپنی جیسی انسانی ہستی سمجھ
رہے ہین، وہ براہ راست استفادہ کرتی ہے کارکنانِ قضاو
قدر سے۔ وہ اُن کے مشورون مین شریک رہتی ہے، اور
اُنھین کی تعلیمات سے مستفید ہو کر اپنے دنیوی ارادون کا
اسکیم بناتی ہے۔ پس اے اخوان طریقت، برائے خدا اس
حقیقت کو فراموش نہ کیجیے، اور یہ یاد رکھیے، کہ آپ کو جو احکام
دیے جاتے ہین، وہ گو بہ ظاہر ایک گوشت و پوست کی بنی
ہوئی زبان سے ادا ہو رہے ہین، لیکن درحقیقت وہ خاص،
کاتب قدرت کے ارشادات ہوتے ہین۔ یاد رکھیے، کہ جو احکام
آپ تک پہونچائے جا رہے ہین، اُن کی صادر کرنے والی
وہ ذات ہے، جو وہ جانتی ہے، جو آپ نہین جانتے، جو وہ
دیکھتی ہے، جو آپ نہین دیکھ سکتے۔ پس خدارا اپنی محدود
انسانی عقل کے لحاظ سے اُن پر اعتراضات نہ کیجیے، آپ کے
پیش نظر صرف "آج" ہے، لیکن جو ہستی آپ کو حکم دے رہی
ہے، اُسکے سامنے ازل سے ابد تک کا میدان کھلا ہوا ہے
آپ اُن مین طرح طرح کی حجتین نکالتے ہین، مگر یہ نہین جانتے
کہ اُس سے آپ خود اپنے ہی کو برباد کر رہے ہین۔ اگر ہر حکم کے ساتھ

اسکے اسباب ومصالح بھی بیان کیے جائین، تو یہ نظام عالم کیونکر برقرار رہ سکتا ہے ؟ ایسے احکام لامحالہ بیان کرنا ہون گے جن کے مصالح آپ کی نظر سے مخفی ہون گے۔ تو کیا ایسی حالت مین، آپ کی عافیت اسی مین نہین، کہ آپ ان ارشادات کو بغیر حیلہ وحجت، بے چون وچرا تسلیم کرتے رہیے، اور منتظر رہیے، کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور مین آتا ہے۔ مین یہ جو کچھ آپ کی خدمت مین گزارش کر رہا ہون، اٹکل اور اندازہ سے نہین کہتا ہون، اپنے مشاہدات وعینی تجربات کو بیان کر رہا ہون۔ برادران ملت، جس وقت آپ کی مخدوم ومحترم پریسیڈنٹ مقامات عالیہ کی سیر کر رہی تھین، اور کارکنان قضا وقدرت، الواح غیب اُن کے سامنے کھولے ہوئے تھے، تو اُسوقت یہ عاجز بھی اِن کے بازو پر کھڑا ہوا تھا۔ فلاح ہے اُن لوگون کے لیے جو میرے معروضات کو سُنتے اور اُن پر عمل کرتے ہین۔"

باب (۹)

تکرار

لیکن ادّعا و تحکم کی قوت بھی نا مکمل اور ادھوری رہتی ہے، تاوقتیکہ اُسے ایک دوسری طاقت سے تقویت نہ پہونچائی جائے، جسکا نام تکرار ہے، درحقیقت خطابیات کے اسلحہ خانہ مین سب سے زیادہ کارگر حربہ یہی تکرار دعاوی ہے۔ اسکی قوت اسقدر زبردست ہے۔ کہ دنیا کی کوئی شے تنہا اسکا مقابلہ نہین کرسکتی مادیات مین پتھر سے زیادہ سخت اور ٹھوس شے اور کیا ہوسکتی ہے؟ مگر آگ کی گرمی اُسے بھی گلا لیتی ہے۔ بالکل اسی طرح اعادہ و تکرار کی حرارت ضد و انکار کی سخت سے سخت چٹان کو آخر کار پگھلا ہی کر چھوڑتی ہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ معمولی سے معمولی بیانات، جو اپنے اندر ادعا و تحکم کی کوئی خاص قوت نہین رکھتے، اگر کثرت و تواتر کے ساتھ دُہرائے جاتے رہتے ہین، تو بالآخر دل مین اپنی گھر پیدا ہی کر لیتے ہین۔ اسی طرح کوئی بیان، خواہ کتنے ہی مدعیانہ و تحکمانہ لہجہ مین کیا گیا ہو، علی العموم تقریباً بے اثر رہتا ہے، جب تک بار بار اسکا اعادہ نہ کیا جائے

"نفسیات تکرار" کولی بان نے اِسقدر عمدہ و دلچسپ پیرایہ مین بیان کیا ہے، کہ ہم بھی اُسے اُسی کے الفاظ مین درج کرتے ہین فطرت بشری کا یہ نباض لکھتا ہے، کہ تکرار کا جماعات پر جس قدر گہرا اثر ہوتا ہے، اسکے اندازہ کے لیے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ بڑے بڑے ذی عقل و فہم افراد اس سے کہان تک متاثر ہوتے ہین، تکرار کی اس عظیم الشان طاقت کا راز یہ ہے، کہ مکررات اقوال رفتہ رفتہ ہمارے نفوس کے اُن غیر شعوری حصون کے اندر پیوست ہو جاتے ہین، جو ہمارے محرکات افعال کا اصل مبدأ و منبع ہوتے ہین، کچھ عرصہ کے بعد ہم یہ بھول جاتے ہین کہ ان بیانات کا اول ماخذ کیا تھا، لیکن ان سے ہمارے نفس مین یقین کی جو کیفیت پیدا ہو گئی تھی، وہ قائم رہ جاتی ہے اشتہارات کی زبردست تاثیر کا باعث بھی یہی ہے، فرض کرو کہ ہماری نظر سے سیکڑون ہزارون مرتبہ یہ اشتہار گزرا، کہ زید کی دوکان کی چیزین نہایت نفیس ہوتی ہین تو ہمارے ذہن کو رفتہ رفتہ اس دعوی کا تو یقین ہو جائے گا، مگر یہ ہم بھول جائین گے، کہ یہ یقین پیدا کس ذریعہ سے ہوا، یا فرض کرو، کہ ہم نے صدہا مرتبہ یہ اعلان پڑھا ہے، کہ عمر کی دوائین تیر بہدف اور نہایت مجرب و زود اثر ہین، تو اب جب ہم خود کسی مرض مین مبتلا ہون گے، تو ہم مین طبعًا یہ خواہش پیدا ہو گی کہ کم از کم انکی

آزمایش ہی کرین۔ یا اگر ہم کسی اخبار مین ہر روز یہ پڑھتے رہین، کہ الف ایک بدمعاش اور ب ایک دیانت دار شخص ہے تو ہمین اس بیان پر پورا اعتماد و وثوق حاصل ہوجاتا ہے، تاوقتیکہ ہماری نظر سے اُسکی کہین تردید نہ گزرے۔ ادعا و تکرار ایسی زبردست طاقتین ہین، جو خود ہی اپنا جواب ہوسکتی ہین"

مصنف ہذا کے ایک تعلیم یافتہ دوست، اشتہاری دواؤن سے سخت ناخوش رہتے، اور ایک خاص دوافروش کو، جسکے اشتہارات نہایت کثرت سے شایع ہوتے تھے خصوصیت کے ساتھ بددیانت و دغاباز کہا کرتے تھے لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب اُنھین ایک بار ضرورت پڑی، تو اسی اشتہاری دوافروش کی طرف اُنھون نے گویا اضطرارًا رجوع کیا۔ اس طرح کے واقعات غالبًا اکثر ناظرین کے تجربہ مین آئے ہون گے، ایسے موقع پر ہوتا یہ ہے، کہ تواتر کے اثر سے، اشیاء مشتہرہ کی خوبیان نظام عصبی کے اندرونی تہون مین اسقدر گہرے طور پر منقش ہوجاتی ہین، کہ خفیف سی خفیف تحریک پر انسان کا ذہن ازخود اُن کی جانب منتقل ہوجاتا ہے، اور اس مین اس کے عقل و ارادہ کو مطلق دخل نہین ہوتا۔

ناظرین غالبًا اسوقت تک نفسیات کے اس ابتدائی مسئلہ سے پوری طرح واقف ہوگئے ہون گے، کہ جو کیفیات نفسی کے مستقر، نظام عصبی کے مراکز اعلیٰ ہوتے ہین، وہ شعور کامل کے ماتحت، اور عقل و ارادہ کے قابو مین ہوتے ہین، لیکن جو کیفیات نفسی اپنا مستقر نظام عصبی کے حصۂ زیرین یا اس کے

مراکز اسفل مین رکھتے ہین، وہ شعور خفی کے حلقہ مین ہوتے ہین، جن پر عقل وارادہ کا دسترس نہین ہوتا۔ ان کے نقوش جب گہرے ہوجاتے ہین تو وہ گویا ایک جزو طبیعت بن جاتے ہین، جن سے انسان کبھی اپنے ارادہ وخواہش سے دست بردار نہین ہوسکتا۔ اوراد، وظائف، دعاؤن، ودیگر اعمال کے جو طریقہ مختلف بانیان مذہب نے ایجاد کیے ہین، ان سب کا حاصل یہی ہے، کہ مختلف معبودون کے نام وردزبان ہوتے ہوتے، شدت تواتر سے بالآخر جزو نظام عصبی ہوجائین۔

جب تکرار کا اثر افراد پر اسقدر قوی ہوتا ہے، جو علی العموم صاحب ہوش وارادہ ہوتے ہین، تو اسکا اندازہ بجاے خود کیا جاسکتا ہے، کہ جماعات جو نسبتاً محروم العقل، فاقد الشعور، ومسلوب الارادہ ہوتی ہین، وہ اس سے کس حد تک متاثر ہون گی۔ جماعات کے تکرار سے خصوصیت کے ساتھ متاثر ہونے کا ایک اور سبب بھی ہے، جسے نفسیات کی اصطلاح مین سریان خیال سے تعبیر کرسکتے ہین، اور جسکا ذکر ہم صفحہ ۲۵ پر کرچکے ہین جب کوئی فرد علیحدہ ہوتا ہے، تو وہ ہر خیال سے اُسی قدر متاثر ہوتا ہے، جتنی اُس مین انفرادی اثر پذیری ہوتی ہے لیکن جب وہ جزو جماعت ہوتا ہے، تو جس قدر مجمع کی تعداد کثیر ہوتی ہے، اُسی نسبت سے ہر مہیّج کی قوت مین اضافہ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ ہر فرد جب نظر اُٹھاتا ہے، تو دوسرون کو بھی اپنی ہی طرح متاثر دیکھتا ہے، اور اس سے خود اسکی اثر پذیری سیکڑون ہزارون گُنی بڑھ جاتی ہے،

فن انشاء وبلاغت کے ادنیٰ درجہ کے مصنفین کا یہ خیال ہے، کہ تکرار

ایک ادبی سقم ہے۔ لیکن یہ کوتہ نظر اس حقیقت سے بیخبر ہین، کہ سب سے زیادہ بلیغ کلام وہی ہے، جو دل مین اُتر جائے۔ اور کسی کلام کے دل مین اُتارنے کا بہترین ذریعہ اسکا بار بار اعادہ کرنا ہے۔ (یہ ایک بالکل علیحدہ بات ہے کہ کوئی بدسلیقہ شخص اس کام کو خوش اسلوبی سے نہ انجام دے سکے) چنانچہ آج جن جن کتابون نے اپنی بلاغت کا اعتراف دنیا کی زبان سے نہین، بلکہ زبان عمل سے کرالیا ہے، یعنے جنھون نے تاریخ عالم مین انقلابات پیدا کردیے ہین، جنھون نے لوگون کے دلون پر اپنا سکہ بٹھادیا ہے، اور جن کے موثر ہونے پر، اُن کے پیروون کا لاکھون کرورون کا شمار آج شہادت دے رہا ہے، اُن سب کی خصوصیّت مشترک یہ ہے، کہ بس چند مخصوص دعاوی ہوتے ہین، جنکی تکرار سے یہ اول سے آخر تک لبریز ہوتے ہین، ان کتابون کے مصنفین نے ہمارے علماء ادب وبلاغت کی ہدایات کے علی الرغم، تکرار کو جی کھول کر برتا، اور نتائج کی کامیابی نے خود فیصلہ کردیا، کہ صنائع بلاغت کی اس سب سے بڑی صنعت کو سقم ادبی قرار دینے والے حقیقت حال سے کس درجہ بیگانہ ہین!۔

"روسو کی مشہور کتاب "معاہدہ عمرانی" (Social Contract) جس نے اپنی تصنیف کے وقت موافقین ومخالفین دونون کو حیرت مین ڈال دیا تھا، جو ایک مدت تک شریعت "انقلاب" کے صحیفۂ آسمانی کا کام دیتی رہی، اور جو اسوقت بھی ایک بڑے گروہ مین خاص مقبولیت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے، اُسے غور کرکے دیکھو، تو معلوم ہوگا کہ اس کی ساری کائنات ابتدا سے لیکر

انتہا تک، مصنف کے چند مزعومہ دعاوی ہین، جن کی بہ تغیر الفاظ نہایت کثرت سے تکرار کی گئی ہے۔ شیکسپیر نے جولیس سیزر کے قتل پر انٹونی کی زبان سے جو تقریر کرائی ہے، اسکی سب سے زیادہ نمایان خصوصیت یہ ہے، کہ وہ ہر دو چار جملون کے بعد ایک خاص جملہ (یعنی ،، بروٹس شریف آدمی ہے) کا اعادہ ضرور کرتا ہے۔ کسی بڑے سے بڑے خطیب کے لکچرون کا مجموعہ اُٹھا کر دیکھ لو، ہمیشہ یہ پاؤگے، کہ اسکے پاس گنتی کے چند اصولی دعوے ہین، جنھین وہ گھما گھما کر مختلف اسالیب بیان کے ساتھ، اپنی ہر تقریر مین دُہراتا رہتا ہے۔

قرآن نے دنیا کی تاریخ پر جو اثر ڈالا ہے، وہ ہماری مُعرفی کا محتاج نہین، لیکن اس اہمیت اثر کے اسباب کی تفتیش کرتے وقت مکررات قرآن نظرانداز نہ کر جانا۔ جن مخصوص عقاید و احکام پر قرآن کو زور دینا مقصود ہے، انھین دو چار دفعہ نہین سیکڑون بار دُہرایا گیا ہے، اور زمانہ نے دیکھ لیا، کہ اس تکرار کا، جو بہ ظاہر ایک بے معنی سے شے معلوم ہوتی ہے، نفوس بشری پر کیا اثر پڑا، فہرست ذیل سے معلوم ہوگا، کہ بعض احکام و عقاید کی، قرآن مین کس کثرت سے تکرار کی گئی ہے،

(۱)	مذمت شرک و حکم توحید۔	تقریبًا ۳۵۰	مرتبہ
(۲)	ایمان و اعتماد علی اللہ۔	تقریبًا ۳۰۰	مرتبہ
(۳)	لذائذ و نعایم جنت۔	تقریبًا ۲۰۰	مرتبہ
(۴)	آلام جہنم۔	تقریبًا ۲۰۰	مرتبہ
(۵)	تاکید نماز۔	تقریبًا ۱۰۰	مرتبہ

بائیبل کے تکررات، گو قرآن کی طرح، ضرب المثل کی شہرت نہین رکھتے تاہم اس سے کون باخبر انکار کرسکتا ہے کہ اُن کا وجود ہے، اور کثرت کے ساتھ ہے۔ قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت مین یہ جملہ کہ ”اے جن والنس تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتون سے انکار کروگے؟“ بیس سے زاید بار آیا ہے، بالکل اسی کے متوازی توریت کی سورۂ ”احبار“ مین بھی ایک خاص جملہ نہایت کثرت سے دُہرایا گیا ہے، جیسا کہ اقتباس ذیل سے معلوم ہوگا۔

”پھر خداوند نے موسیٰ کو خطاب کرکے فرمایا بنی اسرائیل کی ساری جماعت کو کہ اور انھین فرما کہ تم مقدس ہو کہ مین خداوند تمھارا خدا اے قدوس ہون، تم مین سے ہر ایک اپنی مان اور اپنے باپ سے ڈرتا رہے، اور میرے سبتون کو حفظ کرے، مین خداوند تمھارا خدا ہون، تم بتون کی طرف رجوع مت ہو اور نہ اپنے لیے ڈھالے ہوئے معبودون کو بناؤ، مین خداوند تمھارا خدا ہون۔ ...... اور تم میرا نام لیکر جھوٹی قسم نہ کھاؤ۔ تو اپنے خدا کے نام کی تکفیر مت کر۔ مین خداوند ہون۔ ... تو بہرے کو مت کوس۔ تو وہ چیز جس سے ٹھوکر لگے اندھے کے آگے مت رکھ، پر اپنے خدا سے ڈرتا رہ، مین خداوند ہون ... تو عیب جوؤن کی مانند اپنی قوم مین آیا جایا نہ کر اور اپنے بھائی کے خون پر کمر نہ باندھ، مین خداوند ہون۔ تو اپنی قوم کے فرزندون سے بدلا مت لے اور نہ ان کی طرف سے کینہ رکھ۔ بلکہ تو اپنے بھائی کو

اپنی مانند پیار کر، مین خداوند ہون،... تم میرے سبقون کی محافظت
کرو، اور میرے مقدس کی تعظیم کرو۔ مین خداوند ہون، اور تم
ان کی طرف جن کا یار و یو ہے توجہ نہ کرو اور نہ جادوگرون کے
طالب ہو کہ اُن کے سبب سے ناپاک ہو جاؤ گے۔ مین خداوند
تمہارا خدا ہون۔ تو اسکے آگے جسکا سر سفید ہوا اُٹھ کھڑا ہو
اور بوڑھے مرد کو عزت دے، اور اپنے خدا سے ڈر، مین
خداوند ہون۔"

اس کثرت تکرار کا منشا یہ ہے کہ خداوند کی خداوندی، ناظرین کے ذہن پر بالکل
چھا جائے، اور وہ اس رنگ مین بالکل ڈوب جائین،

یہ نہ سمجھنا چاہیے، کہ قایدین تکرار کے اثر سے خود غافل ہوتے ہین،
جو لوگ جماعات سے کام لینے کے عادی ہوتے ہین، وہ خوب سمجھ لیتے
ہین، کہ تکرار کے کیا کیا اثرات پیدا ہون گے، اور قصداً اس قوت سے کام
لیتے ہین۔ ہمین یاد پڑتا ہے، کہ کئی سال ہوئے ہم نے ایک زعیم کا حال
کسی اخبار مین دیکھا تھا، جو مدارس مین نیشنلزم (قومیت کی گرم) تحریک کی
اشاعت کے لیے کہین سے وارد ہوا تھا۔ اس نے ایک جلسہ مین،
ہندوستان کی قوت و عظمت اور اسکے انگریز حکمرانون کی کمزوری پر ایک
پُرجوش لکچر دیا۔ لکچر کے دوران مین اُس نے اپنے مخاطبین سے جو زیادہ تر
مدارس کے لڑکے اور دوسرے نوعمر لوگ تھے، اس منتر کی تکرار کرانا
شروع کی:-

"ہم لوگ تیس کروڑ ہین اور وہ تین لاکھ ہین"

"ہم تیس کروڑ ہین، اور وہ تین لاکھ ہین" اس جملہ کی وہ تمام حاضرین سے تکرار کراتا تھا۔ اسکے بعد اُس نے حاضرین سے استدعا کی کہ جلسہ سے جانے کے بعد بھی برابر اس منتر کا اعادہ کرتے رہین، اور روزانہ اسکا ورد کرتے رہین، تاآنکہ ان الفاظ کی گونج خود اُنھین اپنے دماغ کے اندر سے شب و روز سنائی دینے لگے، اور ان کے معنے اُن پر روشن ہوجائین، یہ خطیب، غالباً بہ حیثیت فن نفسیات کے مبادیات سے بھی گوش آشنا نہ ہوگا، لیکن تجربہ نے اُسے نفس اجتماعی کی اس خصوصیت سے ضرور واقف کردیا تھا، کہ ایک بہ ظاہر بالکل بے ضرر جملہ کی تکرار، پہلے خیالات و افکار، اور پھر اعمال مین کتنا عظیم الشان انقلاب پیدا کرسکتی ہے اسی سے اوراد و وظایف کی قوت کا مسئلہ بھی حل ہوجاتا ہے،

نفسیات تکرار کی ضمن مین ایک دلچسپ سوال یہ بھی ہے، کہ تکرار معنوی کی اہمیت تو بہرحال مسلم ہے، لیکن اسکے ساتھ تکرار لفظی کہان تک ضروری ہے؟ لی بان کی یہ راے ہے، کہ "جہانتک ممکن ہو ایک مفہوم کو ایک ہی عبارت کے ذریعہ سے بار بار ادا کرتے رہنا چاہیے" لیکن ہمارے نزدیک محقق موصوف کی یہ راے صحیح نہین، کلام کو موثر، دلنشین، و بلیغ بنانے کے لیے یہ ضروری ہے، کہ اس مین تنوع ہو، نفس بشری اور خصوصاً نفس اجتماعی اس پر مجبول ہے، کہ کسی شے کے زیادہ عرصہ تک پیش شعور رہنے سے وہ اُکتا جاتا ہے، اور نئی شے کی تلاش کرنے لگتا ہے۔ کوئی غذا خواہ تمھین کیسی ہی مرغوب ہو، مگر کچھ عرصہ کے بعد اسکی طرف سے تمھاری طبیعت

یقیناً ہٹ جائے گی۔ کوئی مشغلہ خواہ کیسا ہی دلچسپ ہو، لیکن ایک مدت تک قائم رہنے سے تمھاری طبیعت از خود اُچاٹ ہو جائے گی۔ اس حیثیت سے انسانی دماغ معدہ کے بالکل مماثل ہے۔ ایک ہی غذا، اگر بغیر کسی طرح کے تنوع کے بدستور اسی شکل مین استعمال ہوتی رہے، تو کچھ عرصہ کے بعد معدہ اُسے قبول کرنا چھوڑ دے گا، لیکن اگر وقتاً فوقتاً اس کی صورتین بدل بدل کر اُسے استعمال کیا جاتا رہے، تو معدہ کو اس سے کبھی انکار نہ ہوگا[1]

---

[1] مارچ و اپریل ۱۳ء کے رسالۂ ادیب مین ہمارا ایک مفصل مضمون عادت کی نفسیات پر شائع ہوا ہے، جسے اگرچہ نفسیات تکرار سے براہ راست کوئی تعلق نہین، تاہم اگر ناظرین اُسے بھی ایک بار پیش نظر کر لین، تو بہت سے ضمنی مسائل روشنی مین آجائین گے۔

باب (۱۰)

نفس اجتماعی کے خصایص اساسی کی اہمیت

قبل اسکے کہ آگے بڑھین، یہ مناسب ہے، کہ اسوقت تک جتنی منازل سفر طے کر چکے ہین، اُن سب کو ایک ایک کر کے پھر پیش نظر کر لین۔ ہمین یہ معلوم ہو چکا ہے، کہ جماعت اگرچہ افراد کا مجموعہ ہوتی ہے، مگر اسکی حیات نفسی ایک خاص طرح کی ہوتی ہے، اور اسکا ذہن اسکے افراد کے ذہنون سے مختلف اور ایک مستقل ہستی رکھتا ہے۔ ہم اس سے بھی واقف ہو چکے ہین، کہ جماعت کا حکمران ہمیشہ کوئی خاص شخص، جسے اصطلاح مین قاید کہتے ہین، ہوتا ہے۔ جو ایک خود مختارانہ شان سے جماعت سے اپنی غلامی کراتا ہے، ہمین یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ قاید کے قوائے نفسی عام افراد سے بہت بالاتر و ممتاز ہوتے ہین، اور اپنے ان مخصوص خصایص نفسی کی بنا پر وہ دنیا مین اپنے محیر العقول کارنامون کی عجیب عجیب یادگارین چھوڑ جاتا ہے۔ تاریخ ہمین یہ بھی بتا چکی ہے کہ ان قایدین نے اپنے طلسمی اثر و قوت سے بارہا دفعۃً بلند قومون کو پست اور

پست قومون کو بلند کر دیا ہے، بار ہا واقعات عالم کی قدرتی رفتار کا بظاہر رخ پلٹ دیا ہے، بار ہا اُنھون نے چہرۂ کائنات کی ہموار سطح مین رخنہ اور شکنین ڈال دی ہین۔ صفحات تاریخ مین اس طرح کے مناظر بار ہا ہمارے سامنے گذر چکے ہین کہ بیت لحم مین ایک مجہول النسب بچہ پیدا ہوتا ہے، جسکی والدہ کی عصمت کو اسکے اہل وطن مشکوک نظرون سے دیکھتے ہین، وہ جوان ہو کر اپنے بعض مخصوص خیالات کی اشاعت چاہتا ہے، مگر اسے کوئی رفیق یا ہمدرد نہین ملتا، تمام اہل وطن عداوت پر آمادہ ہو جاتے ہین، صرف چند دنی ماہی گیر اُسکی آواز پر کان دھرتے ہین، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے یہ بے یار و یاور اس درجہ اقتدار حاصل کر لیتا ہے، کہ اقلیم افکار و معتقدات مین ایک پورا انقلاب پیدا کر دیتا ہے بڑے بڑے مصلحین و مجددین کے کارنامہ اسکے آگے ماند پڑ جاتے ہین، اور اپنی موت کے دو ہزار سال بعد متمدن دنیا پر اپنی عظمت کا یہ اثر چھوڑ جاتا ہے کہ کرورون اشخاص روزانہ اسکے مرتبۂ الوہیت کا اعتراف کرتے ہین۔ اسی طرح سرزمین حجاز مین ایک یتیم بچہ پیدا ہوتا ہے جسے مکتب کی معمولی تعلیم تک نہین نصیب ہوتی، اور آگے چل کر جب وہ اپنے بعض معتقدات کی منادی کرنا چاہتا ہے، تو اعزہ و اہل وطن کی طرف سے اس درجہ شدید مخالفت کا اظہار ہوتا ہے، کہ وہ ترک وطن پر مجبور ہوتا ہے، لیکن چند ہی سال کے بعد یہی مہجور وطن اُمّی ساری سرزمین عرب کو اپنے زیر نگین کر لیتا ہے، اسکے اتباع و جانشینون کا پرچم خلیج بنگال سے لیکر اندلس تک لہرانے لگتا ہے، اور گو اسکی وفات کو تیرہ صدیون کا زمانہ ہوتا ہے، لیکن آج بھی چالیس کروڑ ہستیان

اسکو خدا کا سب سے زیادہ مقرب رسول مانتی ہین۔ یا پھر اسی طرح فرانس کے ایک گمنام گھرانے مین ایک بچہ پیدا ہوتا ہے، جسکی شکل وصورت، قد وقامت کوئی شے اسکے آیندہ امتیاز کی غمازی نہین کرتی، اور نہ اسے کسی قسم کی اعلیٰ تعلیم وتربیت نصیب ہوتی ہے، لیکن باوجود اس بے سروسامانی کے باوجود ظاہری سازوسامان کے اس فقدان کے، اس نوجوان کا اُٹھان اس زور وشور کا ہوتا ہی کہ چند سال کے عرصہ مین نہ صرف قلمرو فرانس کا وہ فرمان روائے غیر مسئول ہوجاتا ہے بلکہ سارے یورپ کی متحدہ طاقت کو شکست پر شکست دیتا ہے، اور ایک فاتح اعظم کی حیثیت سے اپنی جگہ اعاظم رجال کی صف اول مین حاصل کرلیتا ہے، غرض تاریخ کے طلسمی فانوس مین قایدانہ سحر کاریون کے محیر العقول مرقع، نہایت کثرت سے ہماری نظر سے گذر چکے ہین، اور متعدد وپیہم شواہد نے اس راز کو آشکارا کردیا ہے، کہ قیادت کی کرشمہ سازیان بڑے سے بڑے انقلابات کی تخلیق کا سبب بن سکتی ہین۔

لیکن سخت خطرناک غلطی ہوگی، اگر قایدین کی اس عظیم الشان طاقت کو غیر محدود سمجھ لیا جاے، یہ سچ ہے کہ قائدین اپنی قوت سے بہت کچھ کرسکتے ہین، تاہم اُن مین یہ طاقت نہین ہوتی، کہ وہ سب کچھ کرسکین۔ دنیا کی ہر شے کی طرح قیادت کی قوت بھی محدود ہوتی ہے، اور نفسیات جمعیہ کے طالبعلم کا یہ فرض ہے، کہ اسکے حدود کی تعیین کرے۔

باب اول وباب ششم مین تم پڑھ چکے ہو، کہ تقلید واجتہاد، اقتدا وامامت، دونون چیزین خمیر انسانی مین داخل ہین، جن کے بغیر حیات انسانی قائم ہی نہین

رہ سکتی، لیکن مزید غور سے معلوم ہوگا، کہ جس حد تک یہ دونون قوائے متضاد افراد کی ترکیب حیات کے لازمی اجزا ہین، اس سے بدرجہا زاید یہ جماعت کی زندگی کے اجزائے غیر منفک ہین۔ خیال کرو، کہ اگر نوع انسان کی فطرت مین یہ دُہری خصوصیت روز ازل ہی سے نہ داخل ہوتی، یعنی ایک حد تک پُرانے نمونون پر قائم رہ کر اُنھین کا چربہ اُتارنے کی، اور ایک حد تک اُن سے انحراف کرکے جدید روش اختیار کرنے کی تو آج انسانیت کس منزل مین ہوتی؟ منازل ارتقائی کا کیا ذکر ہے، سرے سے ہیئت اجتماعی کا وجود ہی نہ ہوتا، اگر نوع انسانی کی ہر نسل، اپنے اندر، گذشتہ نسلون سے مستفید ہونے، اور پھر آیندہ نسلون کے لیے اپنے خصایص کا ترکہ چھوڑ جانے کی دُہری صلاحیت نہ رکھتی، تو آج حیات عمرانی کہان ہوتی؟ یقیناً عدم محض مین۔ یہ حقیقت اسقدر واضح و مسلم ہے، کہ اسکے ثبوت کے لیے کسی استدلال کی حاجت نہین ہر دماغ جو عقل و قوت مشاہدہ سے بہرہ اندوز ہے، اس حقیقت سے باخبر ہے، اور ہر ذہن جو صاحب بصیرت ہے، اس سے آشنا ہے۔ ہمین بھی اس کے ذکر سے اسکا ثابت کرنا مقصود نہ تھا، بلکہ محض اسکے بعض اہم نتائج و تفریعات پر توجہ دلانا منظور ہے، جیسا کہ صفحات ذیل سے معلوم ہوگا،

اگر یہ سوال کیا جائے، کہ بچہ اپنے والدین کے مماثل ہوتا ہے یا ان سے مختلف؟ تو اسکا صحیح جواب صرف ایک ہو سکتا ہے، یعنے ایک حد تک مماثل، اور ایک حد تک مختلف۔ قلب اسکے والدین بھی رکھتے تھے، یہ بھی رکھتا ہے۔ دماغ اُن کے بھی تھا، اسکے بھی ہے۔ سانس وہ بھی لیتے تھے

یہ بھی لیتا ہے ۔اعصاب و شرائین کا جال ان کے جسم مین بھی تھا، اس کے
جسم مین بھی ہے، غرض اس طرح کی بعض خاص حیثیات سے، اُن مین اور اس
مین توافق و اشتراک لازمی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ چند اور خصایص ہین
جن مین لازمًا اُن سے کسی نہ کسی حد تک مختلف ہوتا ہے، جو اُن کا قد وقامت
تھا، وہ اسکا نہین۔ جو رنگ اُن کی جلد کا تھا، وہ اس کی جلد کا نہین۔ جیسے
قویٰ اُن کے تھے، بعینہٖ ویسے اس کے نہین،

تو گویا انسان کی حیات جسمانی دو بالکل متباین اجزا سے مرکب ہوتی ہے
ایک جزو اُن چیزون پر شامل ہوتا ہے، جو تمام نوع بشری مین مشترک ہوتی
ہین، اور جو ایک فرد کو دیگر افراد سے، یا ایک نسل کو دیگر نسلون سے متحد کرتی
ہین، مثلاً نظام دموی و نظام عصبی کا وجود، حرکت قلب و تنفس وغیرہ، دوسرے
جزو کے تحت مین وہ تمام چیزین داخل ہین، جو ہر فرد کے ساتھ متغیر ہوتی رہتی ہین،
مثلاً قد کی بلندی و پستی، جلد کی سفیدی و سیاہی، قویٰ کی کمزوری و قوت وغیرہ،
اب جو خصوصیت ان ہر دو اجزا کی فارق، یا ان کے درمیان اصل مایۂ امتیاز ہے
وہ یہ ہے، کہ طبقۂ اول کے قویٰ و اعضا بمنزلہ اساس حیات و بنیاد کار کے ہوتے
ہین، جو نہایت درجہ ثبات و استحکام رکھتے ہین، اور کسی تغیر کو نہین قبول کرتے
یہانتک کہ اگر کوئی شخص ان کی ساخت مین تغیر و تبدل کرنا چاہے، تو وہ خود
فنا ہو جائے گا، مگر اس کوشش مین کامیابی نہین ہو سکتی، دل کو پہلو سے
نکال دینے، دماغ کو کاسۂ سر سے خارج کر دینے، اور نظامات دموی و عصبی کو
ان کے راستہ سے ہٹا دینے کی کوششون کے نتائج سوا موت کے اور کیا

ہو سکتے ہین ؟ بہ خلاف اسکے طبقۂ ثانی کے قویٰ و اعضا نہایت درجہ تغیر پذیر ہوتے ہین، جن مین ہر طرح کے حک و اصلاح، ردوبدل کی صلاحیت ہوتی ہے، بال خواہ بڑھائے جائین، خواہ صاف کر دیے جائین، انسانی زندگی ہر حال مین بدستور رہیگی، جلد کا رنگ خواہ کیسا ہو، پوڈر و صابن اُس مین تبدیلی پیدا کر سکتے ہین - بصارت یا سماعت اگر ضعیف ہے، تو دواؤن کی مدد سے قوی کی جاسکتی ہے، جسم مین اگر لاغری ہے، تو مقویات اسے دور کر سکتی ہین، پس اسے خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے، کہ انسان کی حیات جسمانی کے بعض عناصر (اساسی) مستقل و ناقابل تغیر ہوتے ہین، اور بعض (فرعی) عارضی و تغیر پذیر ہوتے ہین،

بعینہ یہی حال حیات نفسی کا ہے، جسمانی زندگی کی طرح انسان کی حیات نفسی کے اجزاے ترکیبی بھی دو بالکل مختلف طبقون مین تقسیم کیے جا سکتے ہین، طبقۂ اول ان خصایص نفسی پر مشتمل ہوتا ہے جو گویا اسکی ذات کے اجزاے اصلی ہوتے ہین، اور جو لاکھون کرورون سال کے عمل توارث سے اس کی سرشت مین اسقدر عمیق طور پر داخل ہو گئے ہین، کہ اب بڑی سی بڑی قوت کے لیے بھی اُن نقوش کو مٹانا آسان نہین، اسکے مقابل طبقۂ ثانی کے ماتحت وہ تمام خصایص داخل ہین، جو بطور عوارض و فروع کے ہوتے ہین اور جو معمولی خارجی موثرات سے متغیر ہوتے رہتے ہین جس طرح جسمانی حیثیت سے نوع انسانی اپنا ایک ماضی رکھتی ہے، اپنے قویٰ کی ایک مخصوص وضع و ترکیب رکھتی ہے، اور اپنے اعضا کی ساخت کے متعلق بعض متعین

خصایص رکھتی ہے، جو تقریباً ناقابل تغیر ہوتے ہین بالکل اسی طرح اپنی ذہنی
زندگی مین بھی ہر نسل لازماً بعض ایسے خصایص کی حصہ دار ہوتی ہے، جو بیشمار
سالون کے توارث متواتر کے اثر سے اسکی سرشت مین پیوست ہو گئے ہین
جنھین اس سے جُدا کرنے کی کوشش کرنا، گویا اسکی سعی کرنا ہے، کہ آفتاب
تو جون کا تون قایم رہے، لیکن اسکا نور و حرارت اُس سے سلب کر لیا جائے،
پھر، اس حقیقت کے ساتھ یہ نکتہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے، کہ علاوہ
اُن خصایص نفسی کے جو عام نوع انسانی مین مشترک ہوتے ہین، ہر نسل
و ہر قوم اپنے لیے کچھ جداگانہ مستقل خصایص نفسی رکھتی ہے، جو اس کے
ساتھ مختص ہوتے ہین۔ اور اس حیثیت سے بھی ہمین حیات نفسی کا زیادہ روشن
عکس حیات جسمانی مین نظر آتا ہے۔ ہم بداہتہً پاتے ہین، کہ آرین نسل کا رنگ
سفید ہوتا ہے، تورانی نسل کا رنگ زرد ہوتا ہے، سیماطیقی نسل کا رنگ سیاہی
مایل ہوتا ہے۔ بعض نسلون کے بال سیاہ ہوتے ہین، بعض کے بھورے
بعض کی ناک چپٹی ہوتی ہے اور بعض کی اونچی، بعض نسلین پستہ قامت ہوتی
ہین، اور بعض دراز قد، انگریز والدین کا بچہ ہمیشہ انگریزی ہی شکل و شباہت کا
پیدا ہوتا ہے، یہ کبھی نہین ہوتا کہ حبشیون کے رنگ و صورت کا پیدا ہو۔
جاپانیون کی اولاد ہمیشہ اُسی قطع کی ہوتی ہے، جو جاپانیون کی ہے۔ افغانون
کے بچے ہمیشہ افغان ہی ہوتے ہین، کبھی اہل چین کے سے نہین ہوتے۔
بس ٹھیک اسی طرح، جیسے مختلف قومین اور مختلف نسلین اپنے اپنے امتیازی
جسمانی خصایص رکھتے ہین، ہر نسل و ہر قوم اپنے مستقل و مخصوص، کیفیات

و قواے نفسی بھی رکھتی ہے، جو اُسے دوسری نسلون و قومون سے نفسی حیثیت سے ممتاز کرتے ہین،

یہ امتیازی خصایص نسلی و قومی نتائج ہوتے ہین دو قوتون کے،

(۱) ایک قوت ماحول کے، یعنے مناظر طبیعی، آب و ہوا، غذا، مرز بوم، و دیگر جغرافی خصوصیات کے، مثلاً جن ممالک مین بارش ہمیشہ وقت معین پر ہوا کرتی ہے، اور جہان کے باشندون کی گذر بسر کاشتکاری پر ہے، وہان کے لوگ عموماً کاہل، آرام طلب، قانع، کم حوصلہ، اور قوت ایجاد و اختراع سے معرّا ہوتے ہین، کیونکہ وہان کا طرز معاشرت قدرۃً خود ہی نہایت یسیر العمل اور آسان ہوتا ہے، یا مثلاً جن اقطاع عالم کے باشندون کے رزق کا مدار، قدرت کی فیاضیون پر نہین، بلکہ ان کی ذاتی جد و جہد پر ہوتا ہے، وہان کے لوگ عموماً محنت و ضیت کے عادی ہوتے ہین، تقدیر کے بجاے تدبیر کو وسیلۂ کامیابی سمجھتے ہین، حوصلہ بلند رکھتے ہین، صنعت، حرفت، و تجارت کی جانب مشغول رہتے ہین، اور صاحب ایجاد و اختراع ہوتے ہین، اسی طرح پہاڑی ملکون مین رہنے والون پر وہان کے طبعی طرز ماند و بود کا لازمی اثر یہ پڑتا ہے، کہ اُن مین جسمانی طاقت و مضبوطی کے ساتھ، ہمت، عزم، و خود اعتمادی ہو. اس قبیل کے خصایص نفسی کسی نسل یا قوم کے افراد اپنے قصد و ارادہ سے اخذ نہین کرتے، بلکہ اُن مین خود بخود پیدا ہو جاتے ہین،

(۲) دوسرے، قوت توارث کے، اس سے مراد یہ ہے، کہ افراد کی طرح، جماعات بھی اپنے اسلاف کے تجربات سے متاثر ہوتی ہین، اور اگر متواتر چند نسلین، کسی

یکسان تجربہ سے متاثر ہوتی رہین، تو اسکی کیفیت ان کے اخلاق کے نفوس مین
مستقل طور پر اضطرارا نقش ہو جائیگی، فرض کرو، کہ کوئی قوم کسی ملک کو فتح کر کے
اُس پر چند صدیون تک حکمرانی کرتی رہی، اور اسکے بعد خود بھی مفتوح ہو گئی، تو ایسے
موقع پر اس قوم مین باوجود مفتوح ہو جانے کے عرصہ دراز تک وہ خصوصیات
باقی رہین گے، جو اپنے عہد حکمرانی مین اُس نے اکتساب کیے تھے، یا مثلاً کسی قوم
کا اُٹھان جنگ و خون ریزی سے ہوا، اور اسے صدیون تک اپنے حریفون سے
برسرپیکار رہنا پڑا، تو توارث کا اثر یہ ہوگا کہ جنگجوئی اسکے خمیر مین داخل ہو جائیگی
اور گو کسی خاص زمانہ مین اس قوم کو خواہ کتنا ہی صلح و امن سے رہنا پڑے، تاہم
اسکے افراد مین بہ مقابلہ دوسری قومون کے افراد کے، جنگجویانہ خصوصیات یقیناً
بہت زیادہ پائے جائینگے،

ہم ابھی ان خصایص امتیازی کو ''خصایص مستقل'' سے تعبیر کر چکے ہین،
لیکن ''مستقل'' کے معنے کیا ہین؟ کیا یہ کہ یہ خصایص کسی قوم یا نسل مین فطرۃً روز
ازل سے موجود ہین، اور بعینہ اسی حالت پر ہمیشہ موجود رہین گے؟ لیکن اس
صورت مین (قطع نظر اسکے کہ اس عالم متغیر مین ایسی ناقابل تغیر شے کا وجود ہی
سرے سے ناممکن ہے) اثرات ماحول و توارث کے کیا معنے رہ جائینگے؟
پس ظاہر ہے کہ ہمارا یہ مدعا تو ہو ہی نہین سکتا،

دراصل ان سے ہماری مراد یہ ہے، کہ یہ خصایص کسی خاص قوم یا نسل مین
ماحول و توارث کے اثرات سے رفتہ رفتہ پیدا ہوتے گئے ہین، تاآنکہ صدیون،
بلکہ ہزارون لاکھون سال کی مدت مین اب وہ اس درجہ عمیق و مستحکم طور پر منقش

ہو گئے ہین کہ اس مادی دنیا کی کوئی بڑی سی بڑی قوت بھی آناً فاناً نہین مٹا سکتی
غیر ارادی و غیر شعوری موثرات کے تدریجی اجتماع سے، یہ خصایص، نظام عصبی کے
کے اُن قطعات مین جاگزین ہوجاتے ہین، جو شعور و ارادہ کی دسترس سے بالکل
باہر ہوتے ہین، اور اسلیے انسانی شعور و ارادہ ان کے مٹانے مین بالکل بے بس ہوتا
ہے۔ یہ اضطراری و غیر شعوری خصایص صرف امتداد زمانہ کے پیدا ہوتے ہین اور صرف امداد
زمانہ ہی انھین فنا کرسکتا ہے، ہر فرد انسانی جن چیزون کی ہزار ہا سال سے خوگر ہو گئی ہے
جو اطوار و اعمال ایک غیر محدود مدت سے گویا اسکی روزانہ غذا کا کام دے رہے
ہین، اور جو خصایص اسکی خمیر مین داخل ہو گئے ہین، انھین اس سے یک لخت
چھڑا دینے کی کوشش کرنا صریحاً انسانی ہستی کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے
ذرا خیال کرکے دیکھو، کہ ایک شخص اپنی حیات انفرادی مین کسی فعل کو اپنے پورے
قصد و ارادہ سے اختیار کرتا ہے، مگر کچھ عرصہ کی مزاولت کے بعد جب اس کا
عادی ہوجاتا ہے، تو پھر اسکا ترک کرنا کس قدر دشوار، بلکہ بعض حالتون مین محال
ہوجاتا ہے! اسی سے اندازہ کرسکتے ہو، کہ جن خصایص کا ایک ناقابل پیمایش
مدت سے نظام عصبی خوگر ہو رہا ہے، اور جو عواید ہزارون لاکھون سال کے
تکرار و تواتر کے اثر سے گویا نفس بشری کے اجزاے غیر منفک ہو گئے ہین، اُن
سے اکبارگی چھٹکارا پانا، یا اُن مین کوئی فوری انقلاب پیدا کرنا کتنا ناممکن ہے!
یہانتک جو کچھ گفتگو ہوئی، اسکے ماحصل کو ہم بدولت تفہیم کے لیے
دفعات ذیل کے ماتحت بھی رکھ سکتے ہین:-

(۱) عالم تشریح جانتا ہے، کہ انسان کی حیات مادی، دو مختلف النوع عناصر

مرکب ہوتی ہے، ایک اجزائے مستقل، جن مین کوئی اہم تغیر وتبدل کرنا زندگی کو ختم کردینا ہے، دوسرے اجزاء عارضی جن مین برابر تغیر ہوتا رہتا ہے،

(۲) اسی طرح ایک محقق نفسیات بھی واقف ہوچکا ہے، کہ حیات مادی کے بالکل متوازی ومماثل، حیات نفسی بھی دو مختلف النوع اجزا پر مشتمل ہوتی ہے، ایک اجزائے اصلیہ یا اساسی، دوسرے اجزائے فرعیہ یا تبعی،

(۲) (الف)، آخر الذکر، انسانی شعور وارادہ کے ماتحت ہوتے ہین جن مین انسان اپنے قصد وخواہش کے مطابق تغیر وتبدل کرسکتا ہے۔

(۲) (ب)، اول الذکر، شعور وارادہ کی دسترس سے باہر، اضطرار ولاشعوریت کے دائرہ مین ہوتے ہین، جو امتداد زمانہ کی وساطت سے صرف ماحول وتوارث کا اثر وتصرف قبول کرتے ہین،

اس قدر مُسلّم ہوجانے کے بعد اب راستہ بالکل صاف ہے، یعنی لیڈر کو اپنا دائرۂ عمل، کسی ہیئت اجتماعی کے صرف اجزائے عارضی یا فرعی مین سعی اصلاح تک محدود رکھنا چاہیے، اور اسکے خصایص اساسی مین تغیر وترمیم کے کام کو امتداد زمانہ کے حوالے کردینا چاہیے، رہا یہ امر، کہ کسی خاص جماعت کے خصایص نفسی مین، اصلی واساسی کون ہین، اور فرعی وتبعی کون ہین؟ تو اسکا فیصلہ صرف ذوق سلیم کرسکتا ہے، جسکے لیے کوئی اصول وقواعد نہین متعین کیے جاسکتے: البتہ اگر انسان کی نظر کسی قوم کی صحیح تاریخ اور اسکے ماحول کی طبعی خصوصیات پر ہو، تو اس فیصلہ مین بے شبہہ بہت مدد مل سکتی ہے۔ اور جس نسبت سے کسی شخص مین یہ قوت امتیاز زیادہ ہوگی، اسی قدر اُسی مین قیادت کی

صلاحیت ہوگی، بلکہ زیادہ صحیح طور پر یہ کہنا چاہیے، کہ یہی قوت امتیاز وہ معیار ہے جس پر مدعیان قیادت کی آیندہ کامیابی وناکامی کی بابت پورے وثوق واطمینان کے ساتھ پیشگوئی کی جاسکتی ہے،

ایسے عجلت پسند مصلحین کی ہر ملک اور ہر زمانہ مین تعداد کثیر پیدا ہوتی رہتی ہے، جن کا جوش وعزم بالکل غیر مشتبہ ہوتا ہے، اور جن کی نیک نیتی وخلوص مسلم ہوتی ہے، باایںہمہ اُن کے مشن کو کبھی کامیابی نہین نصیب ہوتی، جس کا اصلی باعث یہی ہے کہ یہ لوگ اپنی دھن مین اسکا مطلق لحاظ نہین رکھتے، کہ اُن کے مجوزہ اصلاحات کس حد تک قوم کے مایۂ خمیر کے موافق ہین؟ اگر کوئی خاص رسم یا دستور ان کے نزدیک عقلی حیثیت سے قابل اعتراض ہے، تو یہ لوگ بغیر قوم کے تاریخی ماضی پر لحاظ کیے بلا تامل اسکے مٹا دینے کی کوشش کرنے لگتے ہین، اور اس پر مطلق غور نہین کرتے، کہ وہ رسم کتنے عرصہ سے قوم کی گھٹی مین پڑی ہوئی ہے۔

فرض کرو، ایک جاپانی کے دل مین یہ خواہش پیدا ہوتی ہے، کہ اسکے ہمقومون کا رنگ، بجاے زردی مائل ہونے کے دفعۃً سرخ وسفید، اور ان کے قد وقامت مثل افغانیون کے بلند وبالا ہوجائین، یا کوئی حبشی یہ چاہنے لگتا ہے کہ اسکے ہموطنون کی صورت شکل اکبارگی مثل اہل چین کے ہوجاے، تو تم ان خواہشون کے بابت کیا راے قائم کروگے؟ یقیناً انھین خبط وجنون سے تعبیر کروگے۔ پس بعینہٖ اسی نوعیت اور اسی درجہ کے خبط مین وہ مصلحین بھی مبتلا ہین جو یہ چاہتے ہین کہ ان کے ہمقوم، جاپان مین رہ کر، دفعۃً افغانون کے ہم مزاج

وہم سطح ہوجائین، یا یہ کہ اہل حبش مین یک بیک اہل چین کے اطوار وخصائل
حلول کرجائین۔ جسمانی خصائص کی طرح، خصائص نفسی بھی کسی قوم یا نسل مین
ہزارون لاکھون سال کے عمل توارث اور ماحول کی متفقہ قوت کے اثرات کے
طور پر پیدا ہوتے ہین۔ پس اگر اُن مین کوئی تغیر پیدا کرنا ہے، تو اسکے لیے ہمین
اتنی ہی مدت دراز کا انتظار کرنا چاہیے، جتنے مین وہ پیدا ہوئے ہین، عجلت سے
سوا اسکے کہ بنا بنایا کام بگڑ جائے، اور کوئی نتیجہ نہین نکل سکتا۔ ارضیات کے مطالعہ
سے ہمکو معلوم ہوچکا ہے، کہ طبقات ارض کے دائرہ مین فوری و عاجلانہ تطابق
کا نتیجہ ہمیشہ طوفان، سیلاب، زلزلہ، یا اس سے بھی بڑھکر کسی مصیبت کبریٰ کی شکل مین ظاہر
ہوتا رہا ہے، بالکل اسی طرح نفسیات کا مطالعہ بتاتا ہے، کہ اقوام وجماعات کے
خصائص نفسی مین فوری وعاجلانہ تطابق کا لازمی نتیجہ غدر وبغاوت، بلوہ وفساد
یا جنگ وانقلاب کی صورت مین جلوہ گر ہوا کیا ہے۔ زندگی، خواہ شخصی ہو، خواہ
اجتماعی، نام ہے ہستی ذی عضو اور اسکے ماحول مین تطابق و توافق کا، لیکن تطابق
کی تعریف ہی یہ ہے کہ تدریجی ہو، فوری تطابق کو تطابق کہہ ہی نہین سکتے، اسکا نام
عدم تطابق یا موت ہے، اگر ہم کسی جسم ذی حیات کو دفعۃً ایک سرد مقام سے سخت
گرمی مین لے آئین، یا گرم مقام سے سخت سردی مین لے آئین، تو نتیجہ کیا ہوگا؟
یہ ہوگا کہ جسم و ماحول کے درمیان تناسب و تطابق قائم نہ رہے گا، نظام جسمی کا
شیرازہ اکبارگی پراگندہ ہوجائے گا، اور اس پر موت طاری ہوجائے گی۔ بعینہ
ایسے ہی افسوسناک نتائج اُن کوششون کے نصیب مین ہین، جو کسی جسم اجتماعی
کے ماحول مین دفعۃً سخت انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہین،

آج سے کوئی تین صدی پیشتر، انگلستان کے بعض حکما کا یہ خیال تھا کہ نفس انسانی مثل سادہ کاغذ کے ہوتا ہے، جس پر ہم خارج سے جو نقوش بھی چاہین، مرتسم کر دین، لیکن علم کی ترقی نے ان حکما کی سادہ دلی کا پردہ فاش کر دیا، اور یہ حقیقت اب بالکل آشکارا ہو گئی، کہ سیرت انسانی مین دخل عظیم، خارجی موثرات (یعنے تعلیم و تربیت) کو نہین، بلکہ توارث کو ہے، بچہ جسوقت پیدا ہوتا ہے، ہرگز خالی الذہن و سادہ دماغ نہین ہوتا، بلکہ اپنی جسمانی وضع و صورت کی طرح ایک خاص طرز کی دماغی ساخت اور ایک خاص نوعیت کی ذہنیت اپنے ساتھ لیکر آتا ہے، جو تعلیم و تربیت سے نسبتہً ایک حد قلیل ہی تک متاثر ہو سکتی ہے، علم کی موجودہ منزل مین یہ مسئلہ کوئی مابہ النزاع نظریہ نہین رہا ہے بلکہ ایک سائنٹفک مسلمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسی حالت مین اگر کوئی شخص اپنی عملی زندگی مین اسے نظر انداز کر دیتا ہے، تو سوا اسکے کہ اُسکی ناواقفیت پر تاسف کیا جاسے، اور کیا کیا جا سکتا ہے؟ آج سے نصف صدی پیشتر تک بھی، اس حقیقت سے جہالت، کسی قدر قابل عفو ہو سکتی تھی، کہ اس زمانہ تک توارث کے اثرات اسقدر قطعیت کے ساتھ ثابت و مسلم نہین ہو چکے تھے لیکن اب جبکہ مبادیات سائنس کے طلبہ تک اس راز کے محرم ہو چکے ہین، اب جبکہ مکتب علم کا ہر ابجد خوان اس حقیقت سے آگاہ ہو چکا ہے جو شخص اسکی اہمیت سے بیخبر و لاعلم رہ کر نفسیات فردیہ یا جمعیہ کے کسی شعبہ مین ہاتھ ڈالنا چاہتا ہے، نہین کہا جا سکتا، کہ اُسکی جہالت زیادہ قابل رحم ہے، یا اُسکی بیباکی زیادہ قابل مواخذہ؟ لیکن زعیمون کی صف مین کس کثرت سے ایسے

افراد ہوتے ہین، جو اس نکتہ سے نا آشنائے محض ہوتے ہین، یا کم از کم یہ کہ عملی زندگی مین اسے پیش نظر نہ رکھنے والے ہوتے ہین؟ یہ "لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین" کے مصداق، اصلاح و رفاہ کی ہنگامہ آرائی مین ان حقایق کو یکسر فراموش کر جاتے ہین، کہ ہر قوم اپنا ایک مخصوص ماضی رکھتی ہے اپنی ایک مخصوص تاریخ رکھتی ہے، اپنی مخصوص روایات قومی رکھتی ہے، اور مخصوص حالات و تجربات کی بنا پر اپنے ارتقا کی موجودہ منزل پر پہونچی ہے۔ اگر ایک خاص طرز کا نظام حکومت، فرانس کے لیے موزون ثابت ہوا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ اسے ہندوستان مین بھی جاری نہ کر دیا جائے؟ اگر ایک خاص آئین امریکہ کے لیے مفید نکلا ہے، تو کیون نہ اہل چین بھی اُس سے برابر درجہ کا فائدہ اُٹھائین؟ یہ نمونہ ہے زعیمانہ منطق و طرز فکر کا۔ درحقیقت نفس بشری سے متعلق، اس سے زیادہ بے بنیاد، اس سے زیادہ گمراہ کن، اور اس سے زیادہ غلط فہمی پر مبنی شاید ہی کوئی اور خیال ہو۔

اسی کے قریب قریب ایک اور خطرناک غلطی، جسکے شکار علی العموم زعیم ہوتے رہے ہین، یہ ہے کہ یہ لوگ کسی مسئلہ کے عقلی و جذبی، یا استدلالی و اعتقادی پہلوؤن مین فرق نہین محسوس کرتے، اور ایک پہلو کی بنا پر دوسرے پہلو کی اصلاح و ترمیم مین مشغول ہو جاتے ہین۔ حالانکہ نفس انسانی کے یہ دو شعبہ بالکل علحدہ متمایز بلکہ بعض حالتون مین باہم متضاد ہوتے ہین، یعنے ایسا اکثر واقع ہوتا رہتا ہے کہ ایک کی تضعیف دوسرے کی قوت، اور ایک کی تقویت دوسرے کے ضعف پر مبنی ہوتی ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ کوئی مسئلہ استدلالی و عقلی پہلو سے سخت

مہمل و مضحکہ خیز ہو لیکن بااینہمہ عملی کاروبار مین اس سے مفید نتائج مترتب ہوتے
ہون، یا یہ کہ ایک مسئلہ استدلالی حیثیت سے نہایت وقیع و مستحکم ہو تاہم اس سے
عوام مین بداخلاقی کی تحریک ہوتی ہو، تو ایک پہلو کی صحت دوسرے پہلو کی قیمت
کی مستلزم نہین، بلکہ اکثر دونون پہلوؤن مین تضاد و تصادم واقع ہوتا رہتا ہے، اور
ایسا ہونا بالکل مقتضائے قیاس ہے، گزشتہ ابواب سے ہمین معلوم ہو چکا ہے
کہ عوام دلائل و براہین سے متاثر نہین ہوتے، بلکہ ایسی چیزون سے متاثر
ہوتے ہین، جو ان کے جذبات کو برانگیختہ کرتی رہتی ہین، اس بنا پر یہ کیسی سخت
حماقت ہوگی، کہ ایک مفید و اخلاق افزا عقیدہ کو محض اسلیے مٹانے کی جدوجہد
کی جائے، کہ وہ غیر مستدل یا غیر معقول ہے! مذہب کے کتنے احکام ایسے
ہین، جو کسی عقلی تنقید کے متحمل ہو سکتے ہین؟ اخلاق کے کتنے قضایا ایسے ہین
جنکے وجوب پر کوئی استدلال پیش کیا جا سکتا ہے؟ معاشرت کے کتنے آداب
ایسے ہین، جو فلسفیانہ حیثیت سے معقول کہے جا سکتے ہین؟ بااینہمہ اس سے
کون انکار کر سکتا ہے، کہ اگر احکام مذہب، قضایاے اخلاق، و آداب معاشرت
موجود نہ ہوتے، تو آج تمدن و شائستگی کا کہین وجود نہ ہوتا، اور دنیا بدستور دور
توحش و بربریت مین پڑی ہوتی۔ سیکڑون ہزارون سال مین شاید ایک کینٹ
یا بل ایسا پیدا ہو سکتا ہو جو اپنی زندگی کو جذبات سے غیر متاثر رکھکر عقلی اصول
کے ماتحت کردے، لیکن جماعات سے اسکی توقع قیامت تک نہین ہو سکتی۔
استدلالی موشگافیان، فلسفیانہ نکتہ سنجی، حکیمانہ غور و تعمق، یہ سب جماعات کے لیے
غیر مفہوم ہے، پس اگر رفتار تمدن کو قائم رکھنا اور جماعات سے کام لینا مقصود ہے

توسوا اسکے چارہ نہین ہے، کہ بہت سے تعصبات وو ہم پرستیون کو قصداً برقرار رکھا جائے، ہان یہ کام صرف ایک صاحب نظر کر سکتا ہے، کہ مفید تعصبات واوہام کو غیر مفید سے ممتاز کر سکے۔ اسکے لیے زبردست قوت ممیزہ کی ضرورت ہے۔ یہ کام ہر بلند بانگ خطیب کے بس کا نہین،

عملی حیثیت سے، نفس اجتماعی کے ان خصوصیات کا علم جن لوگون کو سب سے زیادہ مفید و بکار آمد ہو سکتا ہے، وہ وہ لوگ ہین، جو کسی ملک کی حکمران جماعت سے تعلق رکھتے ہین، یا سیاسی حیثیت سے اہل حل وعقد کہے جا سکتے ہین۔ لیکن نسل انسانی کی بدنصیبی سے یہ مغرور وجاہل جماعت ہمیشہ ان قوانین فطری سے بیخبر رہی ہے، اسکے دانشمند سے دانشمند ارکان کی توجہ جن مسائل پر مبذول رہتی ہے، وہ آلات جنگ، سامان رسد، کثرت افواج قلعون کا استحکام، مورچون کا تحفظ، جہازون کی ساخت وغیرہ ہے، حالانکہ جو شے حقیقۃً ایک سپاہ کو دوسری پر کامیاب رکھتی ہے، وہ یہ خارجی موثرات نہین (گو ایک حد تک یہ بھی معین ہوتے ہین) بلکہ ایک اندرونی قوت ہوتی ہے۔ وہ اس امر کا باطنی احساس اور یہ پختہ اعتقاد ہوتا ہے کہ فتح اسی کی ہونا یقینی ہے۔ اب خواہ یہ احساس اُسکے اس عقیدہ سے ماخوذ ہو کہ تائید غیبی و نصرت الٰہی اس کے ساتھ ہے، اور خواہ اپنے جنرلون پر اعتماد کامل سے پیدا ہوا ہو مگر ہوتا کسی نہ کسی صورت مین یہ احساس ضرور ہے۔ وہ کیا شے تھی جس نے مٹھی بھر بادیہ نشینان عرب کو کسریٰ وقیصر کی ٹڈی دل قواعد دان فوج پر غالب کر دیا؟ صرف اعتقاد کی قوت۔ وہ کیا چیز ہے، جو افریقہ کے وحشیون کو انگلستان وفرانس کی

بہتر سے بہتر سپاہ پر وقتاً فوقتاً غلبہ دیدیتی ہے؟ محض عقیدہ کا استحکام۔ خود آج تمھاری آنکھون کے سامنے وہ کیا طلسم ہے، جو جرمنی کو ایک دنیا سے مردانہ وار لڑا رہا ہے؟ کیا کثرت افواج ہے؟ مگر تعداد کے لحاظ سے تو روس کی سپاہ اس سے بہت زاید بیان کیجاتی ہے۔ کیا سائنس دانی ہے؟ کیا روپیہ کی فراوانی ہے؟ کیا ملک کی اقتصادی خوشحالی ہے؟ لیکن ان مین سے کسی حیثیت سے انگلستان و فرانس کی متحدہ طاقت اس سے کمتر نہین، پھر آخر کیا شے ہے؟ وہ صرف جرمن آبادی کا وہ تعصب ہے، جو اُس مین انگریزی، فرنچ، و روسی قومون کے خلاف عرصہ سے جاگزین ہے، اور جسکی بنا پر وہ یقین رکھتی ہے کہ وہ اپنے مخالفین کا زور ہمیشہ کے لیے توڑ دیگی، ممکن ہے، کہ اتحادیین اپنے تدابیر کے ذریعہ سے بالآخر جرمنی پر غالب آجائین، تاہم اس یادگار حقیقت کو اُن کی کوئی اقتصادی برتری، کوئی تدبیر جنگ، کوئی ڈپلومیسی، نہین محو کرسکتی بلکہ ایک متعصبانہ اعتقاد راسخ نے مدتون ضعیف کو قوی سے، زیردست کو زبردست سے، اور ایک کو کئی سے، سرگرم آویزش رکھا۔ غور کرو، کہ یہ جوش تعصب و منافرت، اخلاقی نقطۂ نظر سے کس قدر مذموم ہے۔ لیکن جس جماعت مین ہے اُسکی بقا و ترقی کے لیے کیسا مفید ثابت ہو رہا ہے! الغرض، تاریخ، قدم قدم پر اپنے خونین کارنامون سے اہل سیاست کو اُن کی نادانی پر متنبہ کر رہی ہے لیکن غفلت و سرشاری کا یہ عالم ہے کہ یہ تازیانہ بھی ہوش مین لانے کے لیے کافی نہین ہوتے۔

تاہم ہر کلیہ، استثنا ضرور رکھتا ہے۔ جہان سیکڑون ہزارون سیاست دان

نامہ نگاران جنگ، ارکان پارلیمنٹ وکونسل، وزرا سلطنت، و رہبران فوج
مادی سامان کی تکمیل کے پھیر مین سرگردان ہین، وہان کبھی کبھی اتفاق سے
اسی حلقہ سے ایسی صدا بھی بلند ہو پڑتی ہے، جسکے الفاظ واقعیت کی تاثیر رکھتے
ہین، سنہ ۱۹۱۲ء مین جب ٹرکی و ریاستہاے بلقان سے جنگ شروع ہوئی، اور
اتحادئین کو پے در پے فتوحات حاصل ہونا شروع ہوئے، تو جو لوگ ترکون کی
ذاتی شجاعت سے واقف تھے، وہ حیرت مین آگئے۔ یہ مانا کہ ٹرکی کے پاس
سامان جنگ کافی نہ تھا لیکن کیا خود یہ ریاستین بھی بے سروسامان نہ تھین، وہی
ترکی فوجین جو صرف پینتیس سال پیشتر روس کے سے زبردست دشمن کا منھ پھیر
چکی تھین، اب چند حقیر ریاستون کے مقابلہ مین مسلسل شکست پر شکست کھا رہی تھین
اس عجیب واقعہ کی، سیاسی حلقون مین عجیب تر تاویلین و توجیہین کی گئین جنکو
اگر یہان نقل کیا جاے، تو ناظرین کو کشت زعفران کی سیر کا لطف آجائے، لیکن
ایک خاص انگریزی نامہ نگار جنگ نے اس اعجوبہ زار مین بھی اپنے ہوش و حواس
درست رکھے۔ اس نے اس باب مین جو کچھ لکھا ہے، درحقیقت اس حکیمانہ شان
سے لکھا ہے کہ اسکی نظیر اخباری لٹریچر مین بہت کم نظر آئے گی۔ اسکی تحریر کو بجنسہ
نقل کرنا تو طوالت کا باعث ہوگا، اسلیے ہم اسکے جستہ جستہ اقتباسات کو یہان
اپنی زبان مین درج کرتے ہین۔ ترکون کی غیر متوقع شکست پر اظہار تعجب کے بعد
نامہ نگار موصوف کہتا ہے، کہ

"مانا، اتحادئین بلقان نے باب عالی کو غافل پاکر دفعتہً حملہ کردیا،
یہ بھی سچ سہی کہ ٹرکی کا خزانہ خالی تھا، یہ بھی مسلم کہ آپس مین خانہ جنگیان

وارکان سلطنت کی باہمی مخالفت اس تغیر حالات کی ذمہ دار تھین، تاہم پوری گتھی نہین سلجھتی۔ میرے نزدیک ٹرکی کی شکست دو خاص اسباب کا نتیجہ تھی:۔ ایک تو جرمن افسرون اور جرمن طریقۂ جنگ کی تقلید کامل، اور دوسرے افسران فوج سے اس خالص اسلامی جوش کا فقدان جسکی موجودگی ترک سپاہیون مین ناممکن التسخیر قوت پیدا کر دیتی تھی، اور جس نے پچھلی جنگون مین اُنھین اپنے سے دوچند فوج کے مقابلہ مین ثابت قدم رکھا۔ ان مین سے پہلے سبب سے متعلق کہنے کی بات یہ ہے کہ گو جرمن نظام جنگ و قواعد فی نفسہٖ نہایت قابل قدر ہے، تاہم جب ایک مختلف نسل و قوم اور ایک بالکل مخالف مزاج و طبیعت کے سپاہی اسکے عادی کیے جاتے ہین، تو لامحالہ اسکی خوبیان بہت کم ہو جاتی ہین، فرانس بالکل جرمنی کا ہمسایہ ہے دونون کا طرز تمدن بھی ایک ہے، لیکن اگر خود فرنچ سپاہیون کو جرمن اسلوب پر تعلیم دیجائے تو ان کے بہت سے سپاہیانہ خصوصیات رخصت ہو جائینگے۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جب ایک مشرقی قوم کو جرمن نظام حرب کا عادی بنایا جائیگا تو اس تجربہ مین کہان تک کامیابی ہو سکتی ہے، اس طرز تعلیم سے ترک سپاہی، جرمنون کے محض نقّال رہ گئے۔

دوسرے سبب، متعلق بہ ضعف مذہبیت کی بابت گزارش ہے، کہ گو میرا یہ قول آج کل کے نوجوانون کو پسند نہ آئے، لیکن واقعہ یہ ہے

کہ مذہبی جوش برابر گزشتہ جنگون مین ترکون کی کامیابی ونصرت کا
ضامن رہا ہے. آج بھی جو چند کامیاب جنرل موجود ہین، وہ سب
قدیم اسکول (وضع) کے ہین۔ ان کے ماتحتون کو ان پر پورا اعتماد
ہے، اور یہ اپنے اسلامی جوش کو اُن مین حلول کر سکتے ہین، سترھوین
صدی مین جب سردار کرامول اور شاہ انگلستان مین جنگ ہوئی
تھی، تو ذاتی شجاعت یا فن حرب کے نقطۂ نظر سے کرامول کے
اتباع کو شاہی لشکر پر کوئی فضیلت نہ تھی، لیکن محض اپنے سپاہیون
مین مذہبی جوش پیدا کر دینے سے کرامول جیسا معمولی وفرو رتبہ
شخص عسکر سلطانی پر فتحمند رہا۔ آج کل مادہ پرستی کا دور دورہ ہے
اسیلیے ممکن ہے کہ لوگ ان اصلی محرکات عمل کو حقارت کی نظر سے
دیکھین۔ اتحادئین بلقان، خواہ اپنی زبان سے کیسا ہی مسیحانہ
خدا ترسی کا ادعا کرتے ہون، مگر اس مین شبہہ نہین وہ عقائد مین،
شدید، بلکہ بہ لحاظ عمل، سخت متعصب تھے، انھون نے اپنے
ظالمانہ افعال سے ثابت کر دیا، کہ صلیب کو ہلال سے کم مجرم
سمجھنا غلطی ہے،

افسوس سے کہنا پڑتا ہے، کہ نوجوان ترکون سے اطاعت اور
بزرگون کے ادب ولحاظ کا مادہ بہت کچھ سلب ہو گیا ہے۔ مذہب
واخلاق ان کے تمسخر کا آماجگاہ ہین، اور جائے حیرت ہے کہ یہ
سب چیزین تو انھون نے اجنبی قومون سے سیکھی ہین، لیکن

ان کی خوبیان کچھ بھی نہ سیکھین - ایسی حالت مین جبکہ ترک
افسرون کو نماز سے کوئی تعلق نہ ہو، بلکہ وہ نشہ مین مخمور رہتے
ہون شجاع فوج ردیف سے اسکی توقع نہین کی جاسکتی
کہ اسکے سپاہی ایسے افسرون کے زیر کمان جی توڑ کر لڑین گے
جیسا ابھی کہا جاچکا ہے، ان نوجوان ترکون کی بڑی شامت
یہ ہے کہ انھون نے غیر اقوام کے معایب چن لیے ہین، لیکن
اُن کے محاسن نہ لیے - کوئی ان سے پوچھے، کہ جس وقت
یہ مشکلات کے نرغہ مین ہوتے ہین، یا جب میدان جنگ مین
اظہار شجاعت کا موقع ہوتا ہے، تو اُسوقت یورپین لٹریچر سے
واقفیت اور یورپین دار السلطنتون کے گلی کوچون کی خاک بیزی
ان کے کس کام آتی ہے ؟"

یورپ کی موجودہ عالمگیر جنگ مین ترک جس شجاعت کا اظہار کر رہے ہین اس
سے یہ نہ خیال کرنا چاہیے، کہ اقتباسات بالا مین مرض کی تشخیص کی گئی اُسکی غلطی ثابت
ہو گئی - ہرگز نہین - ان کی موجودہ مردانگی کا باعث تو یہ ہے، کہ گزشتہ تلخ تجربات
سے متنبہ ہو کر انھون نے اپنے مین مذہب کا کم از کم ظاہری جوش بہت کافی
پیدا کر لیا ہے، جسکا نمونہ کم و بیش تمام عالم اسلامی مین نظر آرہا ہے، اور کچھ یہ
ہے، کہ اسوقت وہ مایوسی کی جنگ کر رہے ہین، انھین یقین ہو گیا ہے کہ یورپ
اُنھین مٹا دینا چاہتا ہے - پس انھون نے بھی اپنے دل مین ٹھان لی ہے
کہ اگر مرنا ہی ہے، تو کیون نہ اپنا نام کر کے مریے - بزدل سے بزدل شخص کو بھی

جب اپنی موت کا پورا یقین ہو جاتا ہے، تو وہ غضب کا جری ہو جاتا ہے۔ شدت یاس ہر بزدل کو رستم و نریمان بنا دیتی ہے، پس ترکون کی موجودہ جانبازی، کلیات بالا کی معارض نہین، بلکہ مؤید ہے،

ماحصل اس ساری تقریر کا یہ نکلا، کہ گو جماعات اپنے افکار و مشاعر کے لحاظ سے نہایت درجہ متلون طبع ہوتی ہین۔ انھین جس طرف چاہیے، گھما دیجئے تاہم اُنکا تمام تلوّن، اُن کی ساری لچک محدود و مقید ہوتی ہے، خصایص نسلی کے دائرہ مین۔ یعنے جس طرف چاہیے اُنھین پھرا دیجئے، لیکن شرط یہ ہے کہ نفس نسلی یا قومی کے دایرہ سے قدم باہر نہ ہونے پائے، پہلے ایک بہت بڑا دائرہ خصائص اساسی کا کھینچیے۔ پھر اُسکے اندر بہت سے چھوٹے چھوٹے دایرہ خصایص فرعی کے فرض کیجیے، اب لیڈر یا قاید کا فرض صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ اِن چھوٹے دایروں مین سے کوئی ایک دایرہ اپنی جماعت کے لیے مخصوص و منتخب کرے، اور اسکی قوت اس پر منحصر ہے کہ اُس خاص دائرہ مین پابند رہنے پر اپنی جماعت کو مجبور کرے۔

غور کر کے دیکھو، کہ دنیا کے بڑے سے بڑے لیڈر، بڑے سے بڑے مُصلح، بڑے سے بڑے شارع مذہب نے اس سے زیادہ کیا کیا ہے؟ اور اگر کبھی اس سے زاید کچھ کرنا چاہا ہے، تو اسکا نتیجہ بجز ناکامی کے اور کیا ہوا ہے؟ تاریخ مین شاید سب سے بڑی، سب سے زیادہ کامیاب اور سب سے زیادہ کامل اصلاح کی مثال پیمبر اسلام کے رفارم کی ملتی ہے، مشرک موحد ہو گئے، بت پرستی کی جگہ خدا پرستی رائج ہو گئی، زانیون مین پاکبازی آ گئی، جنگجو صلح کل

بن گئے، اور یہ سب کچھ ایک اُمّی کی کوشش سے گنتی کے چند سالون مین ہو گیا
اصلاح کی اس سے عجیب تر وکامل تر کیا مثال چاہیے؟ لیکن یہ واقعہ کا صرف
ظاہری پہلو تھا، زیادہ دقّت نظر سے کام لو، تو معلوم ہو گا کہ اس عظیم الشان اصلاح
کا اثر بھی سطح سے نیچے کبھی نہین اُترا، جو خصایص، سیکڑون ہزارون سال
سے اہل عرب کی سرشت مین داخل ہو گئے تھے، وہ جُون کے تُون رہے، نوعی
حیثیت سے اُن مین ذرہ بھر فرق نہ ہو سکا، صرف ہوا یہ، کہ قاید اعظم کی قوت
سے اُنکا رخ بدل گیا۔ جنگجو وہ بیشتر تھے، اب بھی رہے، مگر اب چونکہ اُن کے خارجی
دشمن بہت سے پیدا ہو گئے تھے، اسلیے بجاے خانہ جنگیون کے، وہ اپنی
جنگجویانہ فطرت کا اظہار بیرونی غنیم کے مقابلہ مین کرنے لگے۔ انتقام جوئی، و
کینہ پروری جیسی بیشتر جزو فطرت تھی ویسی اب بھی رہی، البتہ اب انتقام گیری
کے مواقع بجاے اپنون کے غیرون کے مقابلہ مین زیادہ حاصل تھے، لیکن جب
کبھی کچھ بھی موقع نکل سکتا، باہمی عداوتون کا پھر پورے جوش وخروش سے
ظہور ہونے لگتا، مہاجرین وانصار کی باہمی بے لطفیان کیا تاریخ اسلام کے
طلبہ کے لیے غیر معلوم ہین؟ یہ کیا تھا، محض اہل مکہ واہل مدینہ کی پشتہا پشت کی
قایم شدہ رقابتون کا اثر تھا، اپنے پیروؤن پر اسلام کی تاکید تھی کہ سب کو آپس
مین برادرانہ برتاؤ رکھنا چاہیے، اور ہر مسلمان ایک دوسرے کا بھائی ہوتا ہے
لیکن یہ زبانی احکام تھے۔ بے شبہہ پیمبر کا ذاتی سطوت ورعب ان احکام کی
ایک حد تک تعمیل بھی کرا لیتا تھا، لیکن جو بے لطفیان اور رنجشین خود پیمبر کی
زندگی مین آئے دن صحابہ کی مختلف ٹکڑیون مین پیدا ہوتی رہتی تھین، ان کی

روک تھام ناممکن تھی، اور پیمبر کی عین وفات کے وقت جو ناگوار سین، اکابر صحابہ کے درمیان پیش آیا، اُس نے تو ظاہری اتفاق، خلوص و یکجہتی کی اچھی طرح پردہ دری کردی وخیر، یہاں تک بھی مضایقہ نہ تھا، لیکن اسکے بارہ سال بعد خلیفہ ثالث کی جانشینی پر بغض و عداوت کی وہ آگ، جو مضری و حمیری قبایل کے درمیان صدہا سال سے مشتعل تھی[1]، اور جسکی چنگاریوں کو پیمبر نے اپنے انتہائی قوت و تدابیر سے

[1] اس موقع پر مضری و حمیری قبایل کی اجمالی تاریخ سے واقفیت خالی از دلچسپی نہ ہوگی۔ بعثت پیمبر کے وقت عرب مین جو لوگ آباد تھے، وہ دو مختلف نسلون کے تھے۔ ایک کا سلسلۂ نسب قحطان تک پہونچتا تھا، اور دوسرے اسمٰعیل بن ابراہیم تک، اول الذکر یمن مین آباد تھے، اور آخر الذکر حجاز مین۔ قحطانیون مین ایک سردار حمیار ابن عبدالشمس پیدا ہوا، اور اُسوقت سے یہ لوگ حمیری کہلانے لگے، ادھر عدنانیون یا اسمٰعیلون مین ایک سردار مضر پیدا ہوا، اور تب سے ان لوگون کو مضری کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ بنو حمیر بہت سی شاخون مین منقسم ہوکر شام، عراق، ہمدان و عمان وغیرہ دور دراز مقامات مین پھیل گئے، لیکن ان کے دو گروہ، اوس و خزرج نے مدینہ مین، اور ایک گروہ خزاعہ نے مکہ کے متصل سکونت اختیار کی۔ مضریون کی ایک شاخ، قریش، خاص مکہ مین آکر آباد ہوئی، اور باقی شاخین بنو تغلب، بنو بکر، بنو تمیم، وغیرہ اطراف حجاز مین پھیل گئین، ان دونون نسلون مین مخالفت پیدا ہوئی، اور ایسی پیدا ہوئی، کہ برابر بڑھتی ہی چلی گئی، اسکے اسباب و نتایج کو ہم ایک معاصر اسلامی مورخ، رایٹ آنریبل ڈاکٹر امیر علی کی زبان سے ملخصاً نقل کرتے ہین:۔

"بنو حمیر، ظہور اسلام سے صدیون قبل، تمدن کے اعلیٰ منازل طے کرچکے تھے، وہ جہان پہونچتے تھے، ایک باضابطہ نظام حکومت قائم کرتے تھے، عموماً زراعت پیشہ تھے اور فن کتابت سے واقف تھے، اسکے مقابلہ مین بنو مضر، باستثنا قریش، ایک خانہ بدوش و وحشیانہ طرز زندگی رکھتے تھے، ان کی مختلف ٹکڑیان قائم تھین (بقیہ برصفحہ ۲۱۰)

بارہ برس تک زیر خاکستر رکھا تھا، اب دفعۃً اس زور سے شعلہ زن ہوئی کہ اسلامی عظمت کو ہمیشہ کے لیے متزلزل کر دیا، اور گو اسکے بعد اسلامی تمدن نے نہایت وسعت حاصل کی، لیکن جس درخت مین دیمک لگ جاتی ہے، وہ لاکھ پھولے پھلے مگر استحکام و پایداری اُسے کبھی نہین نصیب ہو سکتی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے

(بقیہ از صفحہ ۲۰۹) ہر گروہ اپنے سردار کو علیحدہ منتخب کرتی تھی، اور اہل قبیلہ مین باہمی لطف و یکجہتی کا پتہ نہ تھا۔ اس اختلاف حالت کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ بنو حمیر نے انھین دبانا چاہا، اور گو انھون نے بھی بہت شجاعت سے مقاومت کی، لیکن بہ ناچار اطاعت قبول کرنا ہی پڑی، اور پانچوین صدی عیسوی تک حمیری ان سے خراج وصول کرتے رہے، اس کشمکش نے دلون مین منافرت پیدا کر دی، حمیریون کے سینے مین فاتحانہ غرور و ظلم، اور مضریون مین مفتوحانہ نفرت و حسد کا جذبہ برابر نشو و نما پاتا رہا۔ جسے قومی شعرا اپنی اپنی نظمون سے اور ترقی دیتے رہے، پیمبر نے اس آگ کو سرد کرنے کی پوری کوشش کی، اور اگر اُن کی عمر وفا کرتی، تو بہت قرین قیاس تھا، کہ ان کی تعلیمات اور اُن کی شخصیت کے اثر سے یہ جذبہ ماند پڑ جاتا، لیکن دس برس کی مدت نبوت اس مقصد کے لیے بہت ہی ناکافی تھی، خلفاء اول و دوم کے زمانہ مین مسلمانون کو جو فتوح حاصل ہوئین، انھون نے ہر دو قبائل کو دور دور منتشر کر دیا، مثلاً مضری بصرہ مین بس گئے، اور حمیری کوفہ مین، یا فلسطین و دمشق مین، بنو مضر کی تعداد غالب رہی، اور شام مین بنو حمیر کی، یا پھر شرقی علاقون مثلاً مصر و افریقہ مین دونون کی تعداد تقریباً مساوی رہی، لیکن خواہ کہین بھی آباد رہے ہون، وہ جہان جہان گئے اپنے ساتھ اس جذبۂ منافرت کو بھی لیتے گئے، خلیفہ عمر کے وقت تک کچھ تو اُن کے مضبوط نظام حکومت کے باعث، اور کچھ اسلیے کہ اسوقت تک قوم خود ہی اپنے اندرونی نشو و نما مین مصروف تھی، یہ شرارے زیر خاکستر رہے، لیکن عثمان کے کمزور عہد مین خاندان امیہ نے اپنے دامن سے اس زور سے ہوا دی، کہ صحرائے کابل و خراسان سے لیکر اسپین و سسلی تک (بقیہ بر صفحہ ۲۱۱)

کہ بت پرستون کی قلب ماہیت کرکے دفعۃً انھین پکا موحد بنادیا، یہ دعوی ممکن ہے،
کہ عرب کے شہریون کے متعلق کسی حد تک صحیح ہو، لیکن اہل بادیہ کے بارہ مین
تو متعدد سیاح متفق اللفظ مین، کہ بجز زبان سے کلمہ گوئی کے، علی العموم اُن مین
اور کوئی علامت موحد ہونے کی نہین پائی جاتی۔ ارکان اسلام کی پابندی
کا کیا ذکر، اکثر وہ ان سے واقف تک نہین ہوتے، بلکہ عبادت کے نام سے
جتنی رسمین اُن کے یہان جاری ہین، سب مُشرکانہ ہین، شاید بعض ناظرین
کو ان بیانات پر حیرت ہو، مگر وہ یا تو سیاحون کے مشاہدات کی سیر کرین، اور
یا اپنے کسی واقف کار عرب دوست سے اُن کی تصدیق چاہین، مختصراً ہم
یہان ایک سفرنامہ کا اقتباس درج کرتے ہین، مسٹر بنٹ، جنوبی عرب کی
بابت تحریر کرتے ہین:۔

"واقعہ یہ ہے، کہ بجز جنّات کے خوف، اور اُن کی رضا حاصل
کرنے کے اعمال کی ہم نے اُن مین (یعنی باشندگان عرب جنوبی
مین) کوئی ایسی علامت نہین پائی، جس سے ہم اُن کی مذہبیت
کا یقین کرسکتے، یہ لوگ جب ساحل کے مواضع مین رہتے ہین
تو نمائش کے لیے، اسلامی مراسم کی پابندی کرنے لگتے ہین،
لیکن جون ہی اپنے کوہستانی وطن مین آتے ہین، پھر انھین ترک

(بقیہ از صفحہ (۲)) یہ آگ یک بیک بھڑک اُٹھی، جو بالآخر مسلمانون ہی کے لیے بربادکن ثابت ہوئی،
مغرب کی حکومتین ان کے قدمون کے نیچے تھین، مگر وہ انھین فتح کرنا تو بڑی چیز ہے، خود اپنے ہی
مقبوضات کھو بیٹھے" (دہسٹری آف سیراسینس، صفحہ ۵، تا ۷)

کر دیتے ہین۔ ہم لوگ جتنے عرصہ تک ان کے درمیان مقیم رہے انھون نے نہ کبھی نماز پڑھی اور نہ کبھی وضو کیا۔۔۔۔ حضرموت کے بدویون مین بھی ہم نے ایسا ہی مذہب کا فقدان، اور راجتہ کا خوف پایا، لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ اپنے معابد و مراسم علیحدہ رکھتے ہین، جنھین حتی الامکان راسخ الاعتقاد مسلمانون کی نظر سے بالکل مخفی رکھتے ہین، رمضان مین نہ تو روزہ رکھتے ہین، اور نہ اور کسی طرح ماہ صیام کا احترام ملحوظ رکھتے ہین۔ البتہ جب ضرورۃً اُنھین ساحل پر جانا پڑتا ہے تو نمایش کے لیے مسجد مین جاکر نماز پڑھنے لگتے ہین۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اثناء سیاحت مین ہمین متعدد اسلامی ممالک مین اسی طرح کے مخفی غیر اسلامی اعمال و مراسم کی مثالین ملین۔ ایران کے پہاڑون مین جو فرقہ علی بن اللہی کے نام سے موسوم ہے، لبنان مین اوسیری و دروز کے لقب سے جو قبائل آباد ہین، ایشیاے کوچک مین یوروک جو خانہ بدوش ہین، وغیرہ، ان سب جماعتون کے بابت وہی روایات مشہور ہین، جنھین ہم عرب جنوبی کے بدویون کی بابت بیان کر چکے ہین۔" [بنٹ، "عرب جنوبی"، صفحہ ۲۹۰-۲۹۱]

عرب وغیر ممالک کا ذکر چھوڑو، خود ہندوستان مین اپنے گرد و پیش دیکھو یہان کیا حالت ہے۔ اُن لاکھون افراد سے بھی قطع نظر کرلو، جن کے نام سلار بخش سیتل خان، علی پرشاد ہوتے ہین، یا جنکے مذہب کی خانہ پری کرتے وقت

اہلکاران محکمہ مردم شماری چکر مین آجاتے ہین، بلکہ صرف اُن مخصوص گھرانون کو
پیش نظر رکھو، جو اپنے تیئن پکّے اور سچے مسلمان کہتے ہین، اور غور
کرو کہ اُن کا یہ دعویٰ ان کے عمل سے کہان تک مطابق ہے؟ شادی و غمی
ولادت و موت وغیرہ کی بیسیون تقریبات جو ہر فرد کو لازماً اپنی زندگی مین پیش
آتی رہتی ہین، اِن مین سے کتنے مواقع ایسے ہوتے ہین، جن مین ہندو
رسم و رواج کی آمیزش نہین ہوتی؟ مشکل سے معدودے چند ایسے نکلین گے۔

ان واقعات کے تذکرہ سے کسی مذہب کے متعلق اظہار خیال کرنا مقصود
نہین، بلکہ مقصد صرف یہ دکھانا ہے، کہ دنیا کی سب سے زیادہ پُرقوت و کامیاب
اصلاح بھی، قوم کے خصائص اصلی و اساسی کے سامنے کتنی بے بس رہی ہے
جو عقاید و اعمال، قوم کے مایۂ خمیر بن چکے تھے، جو مسلمات قوم کی سرشت مین داخل
ہو چکے تھے، انھین مٹانے اور ان کے بجاے دوسرے نکو دخیل کرنیکی جب جب کوشش
کی گئی ہے، تو بالآخر پُرقوت سے پُرقوت ہاتھ شل ہو گئے ہین،

مباحث بالا سے بطور تفریع کے ناظرین خود اس نتیجہ پر پہونچ گئے ہونگے
کہ کسی شخص کے لیے کسی قوم مین کسی ایسی تحریک کی بنا ڈالنا، جو اس قوم کے
خصائص اصلی کے منافی، یا کم از کم ان کے غیر موافق ہو، انتہائی ناعاقبت اندیشی
کا مرتکب ہونا ہے، لیکن ہر ملک و ہر زمانہ مین متعدد ایسے اشخاص، جنھین دنیا تدبر
و دانشمندی کا مجسمہ سمجھتی ہے۔ اس ناعاقبت اندیشی کے مرتکب ہوتے ہین۔ یہ تو
بذات خود اسقدر ناعاقبت اندیش نہین ہوتے، جتنے ان کے تلامذہ و اتباع ہوتے
ہین۔ یہ لوگ جس تحریک کو شروع کرتے ہین، عموماً وہ ایک وقت خاص کے لیے

قوم کے واسطہ مفید ہوتی ہے، قوم کے ارتقا کی ایک ضروری کڑی وہ بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس تحریک کو زیادہ وزن دار و کامیاب بنانے کے لیے انھیں لامحالہ یہ اسلوب بیان اختیار کرنا پڑتا ہے کہ قوم کے دائمی و ابدی فلاح کا راز اسی تحریک مین مضمر ہے۔ جب وہ تحریک کامیابی کے ساتھ چل پڑتی ہے، تو اسکے مویدین، جو استاد اول کے اقوال کو حرف بحرف وحی والہام سمجھتے ہین، اور اس خیال مین مست ہوتے ہین، کہ قوم کی زندگی اُسی تحریک کے دامن سے وابستہ ہے، اس پر مُصر ہوتے ہین کہ وہ تحریک ایک مدت لاانتہا کے لیے اپنے حال پر بدستور جاری رہے، حالانکہ اسوقت تک زمانہ اپنی کروٹ بدل چکا ہوتا ہے، اور اب ضروریات عصر کا اقتضا یہ ہوتا ہے، کہ اگر قوم کی رفتار ارتقا کو جاری رکھنا مقصود ہے، تو اس تحریک کی جگہ کوئی نئی تحریک لے۔ یہین سے دو مختلف طبقات مین کشمکش شروع ہوجاتی ہے۔ ایک گروہ دوسرے کو قدامت پرست، کنسرویٹو، اور لکیر کا فقیر بتاتا ہے، دوسرا اسکو طفل مزاج جلد باز، اور قبل از وقت شور مچانے والے لقب سے یاد کرتا ہے۔ اور ہر دو فریق اپنے فریقانہ کشمکش کے منظر سے اُن افراد کو جو ان جھگڑون سے اپنا دامن بچاکر مشاہدہ جزئیات سے کلیات قائم کرنے کے شغل مین مصروف رہتے ہین، نتائج اندوزی کا بہت بڑا مواد مہیا کردیتے ہین۔

اسی سلسلہ مین ناظرین کے سامنے ایک نہایت دلچسپ نظیر، تحریک علی گڈھ کی ہے، اس مین کوئی شبہہ نہین ہوسکتا، کہ اُسکا بانی ایک عظیم الشان شخصیت رکھتا تھا، لیکن اسقدر عظیم الشان نہین جتنی ایک اول درجہ کے

لیڈر کی ہوتی ہے، اسکی شخصیت دوم درجہ کی تھی، اور اسی کے بل پر اس نے ہندوستان
مین ایک انوکھے تجربہ کی بنا ڈالی، اس نے چاہا کہ مسلمان ایک طرف اپنے مذہب
و قومیت مین ترقی کرتے رہین، اور دوسری طرف اپنے مین مغربیت کے عناصر جذب
کرلین، اسکی تحریک کا تمامتر ماحصل ان دو متضاد عناصر مین توافق و اتحاد پیدا
کرنا تھا قدیم الخیال گروہ نے شدید مخالفت کی، لیکن زمانہ تحریک علی گدھ کی تائید
پر تھا، زیادہ تر تو سر سید احمد کی زبردست شخصیت، اور کچھ بعض خارجی مویدات (مثلاً
گورمنٹ کی نظر عنایت) سے، یہ تحریک چل نکلی، اب عقلی حیثیت سے دیکھیے،
تو یہ تحریک اس لحاظ سے بے شبہہ نہایت معقول و برمحل تھی، کہ اگر مغربیت پر
اُسوقت اسقدر زور نہ دیا جاتا، تو مشرقیت کے شدید غلو و تعصب مین پڑکر مسلمانون
کے لیے اپنی ہستی چندروز کے لیے بھی قائم رکھنا دشوار تھا، لیکن اگر اسکے یہ معنے
لیے جائین، کہ مسلمانون کو تا قیام قیامت برابر اسی کو اپنا نصب العین برقرار رکھنا چاہیے
تو اس سے زیادہ لغو و مہمل کوئی تحریک نہین ہوسکتی، ہر قوم کو اپنی طویل زندگی مین
متعدد تمدنون سے مقابلہ کرنا ناگزیر ہے، پس صحیح قومی زندگی کے حق مین یہ کسیطرح
مفید نہین ہوسکتا، کہ کوئی قوم اپنے تئین کسی ایک خاص اجنبی تمدن کے سانچہ
مین بالکل ڈھال لے، حیات کے لیے حرکت لازمی ہے، اور قوم کا یہ پہلا بنیادی
فرض ہے کہ جون جون اُسکے ماحول، اور نیز خود اسکی اندرونی زندگی قوت مین فرق
ہوتا جائے، اسی نسبت سے وہ اپنے پروگرام، اپنے نظام عمل، اور اپنے نصب العین
مین بھی تغیر کرتی رہے، ورنہ جمود پیدا ہوجائے گا، جو قومی موت کے مرادف ہے
زنگ خوردہ شمشیر کب تک کام دے سکتی ہے، ہان تو ہم کہہ یہ رہے تھے، کہ

سر سید احمد نے اپنا مقصد یہ قرار دیا، لیکن ان کے متبعین اس پر غور نہیں کرتے کہ اسکے دونوں متضاد اجزا میں کبتک توافق قائم رہ سکتا ہے؟ اسلامیت کو اگر پوری ترقی دیتا ہے، تو مغربیت کو لازماً گھٹانا پڑے گا، اور اگر مغربیت کو تکمیل پر پہونچانا ہے، تو اسلامیت کو دبانا پڑے گا، دو متناقض چیزوں میں کون انسانی کوشش مطابقت پیدا کر سکتی ہے؟ ہاں ایک صورت کسی قدر قابل عمل یہ ہو سکتی ہے، کہ دونوں اجزا، کو ناقص رکھیے، اور دونوں میں کسی کو نشو و نما کا موقع نہ دیجیے، چنانچہ جبتک یہ حالت قائم رہی، زیادہ کشمکش نہیں پیدا ہونے پائی، لیکن یہ لازمی تھا کہ جہان ایک جزو کو بھی نمو کا موقع ملا، خود اندر سے انقلاب نصب العین کی خواہش پیدا ہونے لگے گی، فرض کیجیے، کہ جس زمانے میں عام اسلامی ممالک شدید ترین مصائب (اور مسلمانوں کے نقطۂ خیال سے ایک گہری سازش) کے شکار ہو رہے ہوں، ایک ایسی درسگاہ کے طلبہ سے، جس کا خاص مقصد اُن میں اسلامیت و اخوت اسلامی کی روح پیدا کرنا بیان کیا جاتا ہو، کیونکر یہ توقع کیجا سکتی ہے، کہ وہ اس منظر کو بالکل بے تعلقی کے ساتھ دیکھیں گے، ان کا اظہار جوش خالص تعلیمی نقطۂ نظر سے، بے شبہہ سخت قابل اعتراض ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ خالص تعلیمی درسگاہ ہے کب؟ اگر آپ اسی پر قانع ہو جائیے، تو پھر اس میں اور عام سرکاری درسگاہوں میں کوئی شے مابہ الامتیاز بھی تو نہیں رہ جاتی؟ یہ کیا ستم ظریفی ہے، کہ پہلے خود ہی تو ایک درسگاہ کو امتیازی خصوصیات سے متصف بتایا جاتا ہے، اور پھر جب وہاں کے طلبہ اُنھیں امتیازی خصایص کا اظہار کرنے لگتے ہیں، تو اُن پر اظہار حیرت و غیظ و غضب کیا جاتا ہے! یہ کشمکش تو

روزِ اول سے ہر ایسی تعلیم گاہ یا مجلس کی سرشت مین داخل ہوتی ہے، جو فطرت کے قائم کردہ تناقضات مین مصالحت کی مدعی ہوتی ہے۔ اس کشمکش کا کیا انجام ہونے والا ہے؟ اسے ہر صاحب نظر جانتا ہے۔ اور جنکی آنکھون پر تعصب کے پردے پڑے ہوے ہین، وہ مطمئن رہین، کہ زمانہ کا زبردست ہاتھ عنقریب اُن کی آنکھون سے بھی ان پردون کو دور کر دے گا۔

باب ہذا کے خاتمہ سے قبل اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ قایدون اور زعیمون کے طبقہ مین بعض افراد خود بھی ایک بڑی حد تک نفسیات جمعیہ کے اس قانون سے واقف ہو گئے ہین، کہ کسی جماعت کے محض ظاہری نظام مین کسی انقلاب کے پیدا کر دینے سے اُس جماعت مین کسی قسم کی اصلاح ممکن نہین۔ قوانین و سیاسی نظامات، درحقیقت خود نتیجہ ہونا چاہیین، قوم کے اخلاقی، معاشری، تعلیمی، و تمدنی مرتبہ کا، اور متناسب ہونا چاہیین قوم کے درجۂ ارتقائی کے، یعنے ارتقاء ذہنی و اخلاقی مین افراد جماعت جس منزل مین ہوتے ہین، اسی کے مطابق اُن کے قوانین ملکی و نظامات سیاسی ہونا چاہیین۔ مثلاً جو جماعت ارتقائی حیثیت سے پست ترین سطح پر ہے، اسکے لیے یہی موزون ہے کہ وہ ایک عادل و دانشمند مگر مستبد و خود مختار فرمان روا کے زیر حکومت رہے، اور جو اس سے شایستہ تر ہے، اُسکے حاکمون کو بھی نسبتہً زیادہ آزاد خیال و مشورت پسند ہونا چاہیے، وقس علی ہذا۔ یہ موجودات عالم کے لحاظ سے فطری ترتیب ہے لیکن اکثر اس ترتیب کو اُلٹ دیا جاتا ہے، اور یہ سمجھا جانے لگتا ہے، کہ اگر کسی خاص جماعت کے سیاسی نظامات، بہ لحاظ اپنی نوعیت کے، دفعتہً زیادہ شایستہ

بنا دیے جائین، تو اس جماعت کا ارتقائی پایہ بھی اکبارگی بہت ارفع ہو جاتا ہے،
گویا نظام سیاسی ایک افسون ہے، کہ جہان کسی بازیگر نے اپنی زبان سے یہ کلمہ ادا
کیا، بس دفعتہً واحدۃً قوم مین اخلاقی، معاشرتی، و تعلیمی اصلاح کی لہر دوڑ گئی یہ خیال
گو از روے عمل بہت عام ہے، لیکن تجربہ بتاتا ہے، کہ اس مین واقعیت کی خفیف
سی بھی آمیزش نہین، زوال پذیر قومون مین بار بار اسکے تجربہ ہوتے رہتے ہین،
اور ہر تازہ تجربہ ایک تازہ ناکامی کا اضافہ کرتا ہے۔ عام زعیم اِن تجربات سے بھی
غیر مستفید رہتے ہین، لیکن جو صاحب بصیرت ہوتے ہین وہ ایک ہی ٹھوکر
کھا کر سنبھل جاتے ہین، اور اپنی آنکھون کو اس حقیقت سے کو نہین کھتے، کہ

"قومین، خطیبانہ بلند آہنگیون اور جذبات انگیز استعارہ طرازیون سے نہین
بلکہ اپنی تاریخی ماضی کے بعد افراد کی اعلیٰ ذہنی و اخلاقی قابلیتون سے بنتی ہین"
(دیباچہ فلسفۂ جذبات)

پھر جن کے دلون سے صداقت و سعادت کا نور بالکل رخصت نہین ہو چکا ہوتا
ہے، وہ ان حقایق کا کھلے لفظون مین اعتراف بھی کر لیتے ہین۔ اس طرح کے اعترافات
مین سب سے زیادہ سبق آموز اعتراف سے ہم ناظرین کو بھی روشناس کیے دیتے ہین،
چند سال پیشتر سے چین پر مغربیت کا جو پرتو پڑ رہا تھا، اُس نے اپنے حسب
دستور اہل چین مین قبل از وقت سیاسی ہیجان پیدا کر دیا، جسکا نتیجہ ۱۹۱۱ء مین ایک
عام شورش کی شکل مین ظاہر ہوا۔ دوران انقلاب مین جو کچھ گزرنا تھا گزرا، لیکن
اسکے ذکر سے یہان غرض نہین، بالآخر حامیان استبداد پسپا ہوے، اور میدان
جمہوریت پسندون کے ہاتھ رہا۔ سلطنت نے جمہوریت کی صورت اختیار کی،

اور ۱۹۱۳ء میں جمہوریت چین کا صدر نشین بالاتفاق وہ شخص منتخب ہوا جس نے
اس انقلاب میں سب سے بڑا حصہ لیا تھا، جو استبداد و شخصیت کا شدید ترین
دشمن تھا، اور حریت و جمہوریت سے جسکا خمیر تھا، لوگ اسکی افتتاحی تقریر کو سننے ذوق
و شوق سے جمع ہوئے، اور خیال یہ تھا کہ یہ تقریر جمہوریت کے مناقب سے لبریز
ہوگی، لیکن یہ توقع صحیح نہ نکلی۔ دو سال کے عرصہ میں پیہم تلخ تجربات نے یہ حقیقت
بے نقاب کردی تھی، کہ سیاسی انقلاب کوئی افسون نہین ہے، کہ جسے عمل میں لاتے
ہی دفعۃً تمام مشکلات کے دفع کرنے کی کلید ہاتھ آجائے، بلکہ اگر قوم تیار نہین ہے
تو جمہوریت، اور دستوریت اُسکے حق میں شاید استبداد و شخصیت سے بھی مضر تر
ہے مجلس شوریٰ کے اکثر ممبر مجتمع ہوئے، اور اُن کے سامنے میر مجلس نے جو تقریر
کی، اُس نے اُسکے پچھلے رفقا میں اسکی طرف سے سخت مایوسی پیدا کردی، وہ
یہ سننا چاہتے تھے کہ جمہوریت ہر درد کی دوا ہے، لیکن زمانہ نے انھین یہ سنوایا،
کہ جمہوریت فی نفسہ کسی مرض کی بھی دوا نہین، بلکہ اسکا جو کچھ بھی اثر ہوتا ہے، وہ
مریض کی حالت جسمی کے عین مطابق ہوتا ہے، اس تقریر کے اصل الفاظ، جو
لنڈن کے اخبار ٹائمز کی وساطت سے ہم تک پہونچے ہین، قابل ملاحظہ ہین:۔

"جمہوریت کو قائم ہوئے دو سال گزر چکے ہین۔ اس عرصہ مین اصول
و قوانین کو جی بھر کر پامال کیا جا چکا ہے، اور اخلاق انیک کرداری
و ضبط نفس کی بابت تو ہم نے یہ سمجھ لیا کہ گویا بردہ زمین پر یہ چیزین
موجود ہی نہین۔ دنیا مین بعض قومین اپنی جنگی قابلیت کی بنا پر
عظمت حاصل کرتی ہین، اور بعض تجارتی و صنعتی ترقی کے بل پر،

لیکن مین جب چین پر نظر کرتا ہون، تو مجھے اپنے ہموطن، حیوانات کے ہم سطح نظر آتے ہین، ایسی حالت مین ہمارا حشر سوا اسکے اور کیا ہوتا ہے کہ اغیار ہمین برباد کر ڈالین؟ پس اگر ہمین اپنا وجود باقی رکھنا ہے، تو چاہیے، کہ بلند آہنگیون کو چھوڑ کر شروع ہی سے اپنے تئین عملی تعمیر مین مصروف رکھین۔

آج کل "مساوات" کا لفظ ہر شخص کی زبان پر ہے، لیکن مساوات کے معنے صرف اسقدر ہین کہ ہر شخص قانون کی نظر مین مساوی ہے۔ اسکا یہ منشا ہرگز نہین، کہ سوسایٹی سے فرق مراتب مٹا دیا جائے، اور ہر شخص کی ذاتی خواہشات اُسکے لیے بمنزلہ قانون ہوجائین "حریت" کا لفظ بھی بہت مقبول ہورہا ہے، لیکن اسکا مفہوم بھی اسیقدر ہے کہ ہر شخص حدود قانون کے اندر آزاد ہے، ورنہ اگر اسکے معنے غیر محدود آزادی کے سمجھے جائین، تو یہ لفظ مہمل ہے۔ ایک اور لفظ، جو ہر کس وناکس کی زبان پر چڑھا ہوا ہے، وطن پرستی ہے۔ لیکن اسکا مفہوم سمجھنے مین ہمین غلطی نہ کرنا چاہیے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہین، کہ جس شخص مین وطن پرستی کا جوش ہے، وہ لامحالہ حکمرانی کے لیے بھی موزون ہے۔ یا یہ کہ اُس مین کافی قابلیت موجود ہے۔ اگر ہم بلا لحاظ قابلیت وموزونیت، افراد کے ہاتھ مین محض ان کے جوش حب وطن کی بنا پر، ملک کا انتظام سپرد کر رہے ہین، تو قومی بربادی کی خبر سننے کے لیے بھی تیار ہو

رہنا چاہیے۔"

اسکے بعد اُن بلند بانگ خطیبون کا، جن کا وجود اپنی جماعت کے لیے بدترین لعنت ہوتا ہے، ذکر ان الفاظ مین کیا:۔

"کون اپنے تئین ان شریر زعیمون کی رہنمائی مین دیگا، جن کی تمامتر کائنات اُن کی بلند آہنگی و بالاخوانی ہے، یہ بدمعاش اس فکر مین لگے ہین، کہ "جمہوریت" اور "انقلاب ثانی وثالث" کی آڑ پکڑ کر اپنی جیبون کو مالامال کرلین، اور جب مواخذہ کا وقت آوے، تو غیر سلطنتون کی پناہ مین چلے جائین، یہ لوگ ملک کے حق مین لعنت ہین، اور صرف اُس سلوک کے مستحق جو بدمعاشون و رہزنون کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ انھون نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جمہوری حکومت سے مُراد بدکارون کی حکومت سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس ملک پر بدکارون کی حکومت ہوگی، اس کا کیا حشر ہوگا۔"

خاتمے کے الفاظ یہ تھے:۔

"اس زمانہ مین اکثر وہ لوگ، جن کا دماغی نشو ونما محض کتابون کی فضا مین ہوا ہے، خالی الفاظ و نظریات پر بہت زیادہ اعتماد کرنے لگے ہین، اور فوری نتائج کے متوقع رہا کرتے ہین۔۔۔۔ حالانکہ، تاوقتیکہ آپ نے پبلک مین اپنا اعتماد نہ پیدا کرلیا ہو، آپ انھین اپنا ہمخیال نہین بنا سکتے۔۔۔۔ دنیا کی کسی قوم کی سرشست مین

آئینیت اسقدر سرایت نہین کیے ہوئے ہے جتنی انگریزون مین، لیکن باایںہمہ ہندوستان کی حکومت مین انھون نے پگڑی کے استعمال کو واجب الترک نہین قرار دیا، جاپان سے بڑھکر کس کو دعوائے اصلاح ہوسکتا ہے، لیکن جاپانی ابتک اپنی قدیم وضع کے نعلین چوبین (کھڑاؤن) استعمال کیے جاتے ہین کیا وہ اتنی موٹی بات نہین سمجھتے، کہ ان کی ساخت بھدی اور تکلیف دہ ہوتی ہے، لیکن پھر بھی وہ اسے اس اصول پر جاری رکھے ہوئے ہین، کہ قدیم رسم ورواج مین کلّی اور فوری انقلاب پیدا کردینا ہمیشہ مُضر وخطرناک ہوتا ہے ـ..... قومی ترقی کے لیے یہ کافی نہین، کہ کتابون کے رٹتے ہوئے خوشنما فقرون کا اعادہ کرتے رہیے ـ بلکہ اسکے لیے ضرورت ہے عمل کی ـ ضرورت ہے جان ومال سے ایثار کی،،

خوش قسمت ہین، وہ جماعتین، جن کے مقتدا ٹھوکر کھاکر سنبھل جاتے ہین، اور بدنصیب ہین وہ جن کے تنبہ کے لیے بڑی سی بڑی ناکامیان بھی ناکافی ثابت ہوتی ہین ـ فطرت سخت انتقام گیر واقع ہوئی ہے، وہ اپنے قائم کردہ حدود سے تجاوز کرنے والون کو کبھی نہین معاف کرتی ـ کالڈیا، واسیریا مصر وفارس، روم ویونان کے زبردست تمدن کیون مٹ گئے؟ اس لیے کہ ان کے اکابر اشخاص نے فطرت سے مقابلہ کرنا چاہا، فطرت کے قائم کردہ قوانین سے واقفیت کی کوشش نہ کی یہ سمجھتے رہے کہ نفس اجتماعی قوامین فطرت کی

پابندیون سے آزاد ہے۔ اور فطرت نے دکھادیا کہ انسانی عظمت و اقتدار کے بڑے سے بڑے مجسمہ، اُسکے ایک ہلکے طمانچہ کی تاب نہین لا سکتے آج یورپ و ہندوستان کی بھی بہت سی جماعتون کے مقتدا اسی غلطی کے مرتکب ہو رہے ہین، بغیر جماعات کی حیات نفسی کے قوانین سے واقفیت کے اُن کی قیادت کرنا چاہتے ہین، ممکن ہے، ان مین سے اکثرون کی نیت خالص ہو، لیکن انتقام گیر فطرت کی عدالت مین، اسکے قوانین سے لاعلمی یا نیک نیتی کا عذر مقبول نہین ہوتا۔

باب (۱۱)

قاید و زعیم مین فرق

ایک طویل بحث کا، جو کچھ اوپر دو سو صفحون مین ختم ہوئی، ماحصل بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ افراد کے لیے کسی جماعت کا رکن بننا لازماً اپنے تئین احمق و کم عقل بنا دینا ہے، یہ کہ جماعت کا اطلاق صرف نہایت پست دماغ افراد کے مجموعہ پر ہوتا ہے، اور یہ کہ لیڈر کا کام محض اسقدر رہتا ہے، کہ جماعات کی پست دماغی کی واقفیت سے فائدہ اُٹھا کر انھین اپنی ذاتی وجاہت یا خود غرضیون کے لیے ایک آڑ بنائے، اور جس طرف چاہے انھین پھرلائے۔

یہ نتیجہ اس حد تک بے شبہہ صحیح ہے، کہ جماعت (جس مصطلح معنی مین یہ لفظ اس کتاب مین مستعمل ہوا ہے)، کے ارکان کی دماغی سطح نسبتہً نہایت پست ہوتی ہے، لیکن اسکا یہ جزو ہرگز صحیح نہین، کہ ہر مجموعۂ افراد لازماً کم عقل و بدشعور ہوتا ہے، اور ہر وہ شخص جو اثر ڈالنے کے پُرفریب طریقون سے واقف ہے جماعت کا مقتدا بن سکتا ہے۔ اس طرز استنباط مین چند غلطیان ہین۔ اول یہ

کہ "جماعت" اور "مجموعۂ افراد" اس بحث مین مرادف الفاظ نہین، نفسیات کی اصطلاح مین "جماعت" کے لیے اشتراک خیال وغیرہ کا پایا جانا ضرور ہے، حالانکہ مجموعۂ افراد کے لیے اس طرح کی کوئی شرط ضروری نہین - دوسرے یہ کہ یہ جماعت کے وہ خصایص ہین، جو اس مین طبعًا اور بغیر کسی موثر خارجی کے پائے جاتے ہین، لیکن بالکل ممکن ہے کہ موثرات خارجی ان مین بہت کچھ ترمیم و ردو بدل کردین - دو قوانین فطری جب ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہین تو قوی قانون اپنے مقابل پر غالب آجاتا ہے، اور اسکو اپنی ماتحتی مین ڈھال لیتا ہے، پس ہوسکتا ہے، کہ کسی زبردست خارجی موثر کی قوت سے جماعت کے خصایص مذکورہ دب جائین، تیسرے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ واقعات اس نتیجہ کی قدم قدم پر تکذیب کرتے ہین - مشاہدہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ جس شخص کے حلق مین سب سے زیادہ زور ہوتا ہے، جو شخص بلند آہنگی و سخت کلامی مین خاص شہرت رکھتا ہے یا جو شخص نمایش و فریب دہی مین خاص ملکہ رکھتا ہے، اسکے لیے یہ ہرگز ضروری نہین، کہ وہ جماعت پر کوئی مستقل و دیرپا اثر ڈال سکے، اور ضروری ہونا کیسا، اکثر صورت حال اسکے برعکس ہوتی ہے - ان کے خطابیات سے ممکن ہے کہ چند روز کے لیے آنکھون مین خیرگی پیدا ہوجائے، لیکن یہ کبتک؟ ملمع سازی خواہ کتنی ہی ہوشیاری سے کی جاسے پھر بھی ملمع سازی ہی ہے، اور دنیا مین کون ملمع اپنا اثر دیر تک قائم رکھ سکی ہے؟

اصل یہ ہے، کہ جماعت کو متاثر کرنے والے دو بالکل مختلف دماغون کے اشخاص ہوتے ہین، اور ان دونون کے فرق و امتیاز کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے،

ان مین سے ایک کو قاید (یا لیڈر) کہنا چاہیے، اور دوسرے کے لیے زعیم کی اصطلاح رکھی جا سکتی ہے، قاید حقیقۃً اپنی جماعت کا آقا و رہبر ہوتا ہے، زعیم دراصل اُسکا ایک چالاک غلام ہوتا ہے۔ قاید کا مطمح نظر کوئی اصلاحی مقصد ہوتا ہے، زعیم کا منتہاے مقصود اپنی ذاتی وجاہت یا اور کوئی خود غرضی ہوتی ہے، قاید کی نیت مین خلوص ہوتا ہے، زعیم دیدہ و دانستہ اپنی زیر اثر جماعت کو بناتا اور اس سے اپنا کام نکالتا ہے، قاید جری و بیخوف ہوتا ہے، اور جن چیزون کو اپنی جماعت کے فلاح کے لیے بہتر سمجھتا ہے، اُنھین اسکے سامنے بے خطر و ہراس پیش کرتا ہے، زعیم باوجود ادّعاے بیخوفی شدت سے بزدل ہوتا ہے، اور کبھی زبان سے ایسی بات نہین نکالتا جس سے اسکو اندیشہ ہو کہ اسکی جماعت اس سے برہم ہو جائے گی۔ قاید کا چال چلن عموماً بے عیب و بے لوث ہوتا ہے زعیم کا پرایوٹ کیریکٹر (خانگی کردار) علی العموم ناپاک و شرمناک ہوتا ہے[1]۔ غرض اسطرح کے

[1] انقلاب فرانس کے زمانے مین ڈینٹن نامے ایک شخص، زعیمون کی صف مین خاص امتیاز رکھتا ہے اسکی سیرت کے خط و خال تاریخ کے مرقع مین یون محفوظ ہین:-

"ڈینٹن، ایک عظیم الشان انقلاب خواہ تھا، اسکے لیے کوئی ذرایع عمل ذلیل و پست نہ تھے، اگر وہ مقاصد کے حصول مین مفید ہوتے۔ اُسکے نزدیک انسان کے امکان مین سب کچھ تھا، البتہ جرأت شرط تھی! جسمانی حیثیت سے اس کا چہرہ بدقطع تھا، آواز قوی تھی، تقریر مین بیباکی تھی، لب و لہجہ پُر جوش تھا، بلحاظ خصائل، یہ آوارہ و عیاش طبع تھا، مزاج مین جوش تھا، قرض سے لدا ہوا رہتا تھا، کبھی اپنے ذاتی جذبات کی سیری مین منہمک رہتا، کبھی اپنی پارٹی کے لیے کوششون مین سرگرم ہو جاتا، جبتک دُھن سوار رہتی اُسوقت تک تو اس مین غایت انہماک و سرگرمی رہتی، لیکن اُسکے بعد اُس مقصد کی طرف سے بالکل غافل (بقیہ بر صفحہ ۲۲۸)

بہت سے فروق دونون کے درمیان پائے جاتے ہین، لیکن یہ تمام فروق علامات ہین ایک اساسی واصولی فرق کے، اور اسے سمجھنے کے لیے ہمین نفس اجتماعی کے جوہر اصلی پر ایک بار پھر نظر کر لینی چاہیے۔

صفحات گزشتہ مین ہم معلوم کر چکے ہین، کہ نفس اجتماعی کا خاصہ اساسی یہ ہے، کہ وہ نہایت سریع التاثر وزود الانفعال ہوتا ہے، جس کا طبعی رجحان تخریب وافساد کی جانب ہوتا ہے۔ اب اگر جماعت کو کوئی مصلح یا قائد نہین ملا، تو لامحالہ اُسکے افراد مین سے کوئی ایک فرد، جو اپنے مین زعیمانہ خصوصیات رکھتا ہوگا خود بخود اُسکی رہبری کرنے لگے گا، کیونکہ یہ مسلّم ہو چکا ہے کہ جماعت خود اپنے اوپر کبھی نہین حکومت کر سکتی، بلکہ ہمیشہ کسی نہ کسیکی محکومیت مین رہتی ہے، اور چونکہ وہ رہبری کی قابلیت سے معرّی ہوگا، اسیلیے یہ بالکل قدرتی ہے، کہ وہ جماعت کے انھین خصوصیات کو اُبھاریگا جو از خود اُبھرنا چاہتے ہین، کہ یہی سب سے آسان طریق عمل ہے۔ مگر یہ معلوم ہے، کہ جماعت کا رجحان طبعی تخریب وافساد کی جانب ہوتا ہے، اس واسطے نااہلون کی سیادت ورہنمائی کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جماعت، شور وشر، فتنہ وفساد، کشت وخون کا مجسمہ بن جاتی ہے،

(بقیہ از صفحہ ۲۲۷) وبے پروا ہو جاتا۔ اسکی ذات مین بالکل متضاد محاسن ومعایب جمع تھے، گو اس نے اپنے تئین دربار کے ہاتھ فروخت کر ڈالا تھا، تاہم اس مین دناءت نہین معلوم ہوتی تھی، بر اُن لوگون مین سے تھا، جو اپنی کمینہ پن کی حرکات مین بھی ایک طرح کی بلندی رکھتے ہین، اپنے فریق کے حقوق کی پاسداری کو وہ قانون کی پابندی بلکہ انسانی حقوق پر بھی مقدم سمجھتا تھا۔" [میگنٹ "ہسٹری آف فرنچ ریوولیوشن" صفحہ ۱۵۸]

نااہل مقتدا، اپنے مقتدیون کو اپنے ہاتھ مین ایک آلۂ بیجان پاکر اُن کے ذریعہ سے سخت سے سخت مظالم بڑے سے بڑے جرائم اور شدید سے شدید ذمائم اخلاق کے مرتکب ہوتے رہتے ہین، البتہ ان کا اثر و اقتدار بہت ہی عارضی و دفنا ہوتا ہے۔ اس طبقہ کے پیشواؤن کا اصطلاحی نام زعیم ہے۔ دنیا کی کوئی جماعت ان کے وجود سے یکسر خالی نہین ہوتی، لیکن مختلف جماعات مین ان کی تعداد کے کمی و بیشی کا فرق ہوتا ہے۔ جس جماعت مین ان کا شمار بہ کثرت ہو، اُسے اپنی زندگی کے دن پورے سمجھنا چاہیے، اگر کوئی زہریلا جانور جسم کے اوپر زخم لگائے، تو اس پر مرہم آسانی سے رکھا جا سکتا ہے، لیکن جو زہر جسم کے اندر ہی اندر پیدا اور بڑھتا رہتا ہو، اسکا توڑ دشوار ہے۔

دوسری صنف کے مقتدایان جماعت اس سے بالکل مختلف، بلکہ ایک بڑی حد تک، مخالف سیرت و طبیعت رکھتے ہین، وہ پہلے خلوص نیت و دیانت داری کے ساتھ اپنے پیش نظر ایک خاص مقصد متعین کرتے ہین، جسے وہ فلاح جماعت کے حق مین مفید سمجھتے ہین، پھر اُسے اپنی جماعت کے سامنے پیش کرتے ہین، جماعت، سریع التاثر و زود انفعال تو ہوتی ہی ہے، اب اگر وہ نصب العین، درحقیقت اسکے لیے مفید ہوا، اور اُس مقتدا مین کافی قوت و قابلیت ہوئی، تو اسکی مخاطب جماعت، اس اصلاح سے پوری طرح متاثر ہونے لگتی ہے، اور جماعت متاثر کیا ہونے لگتی ہے، یہ کہنا چاہیے، کہ وہ فرد واحد اپنی جماعت کے ذریعہ سے اصلاح و تعمیر کے بڑے سے بڑے کام انجام دینے لگتا ہے، اس صنف کے پیشواؤن کو قاید کہتے ہین، قیادت کا

کارنامۂ زرین یہ ہے کہ وہ نفس اجتماعی کے طبعی رجحان کو اپنی قوت سے دبا کر اُسکے بجائے اُسے اصلاحی و تعمیری کام کی جانب مائل کر دیتی ہے۔ یہ کام آسان نہین۔ اسنے بڑے پیمانے پر انجام دینے کے لیے انتہائی انسانی قوت و قابلیت درکار ہے۔ ایسی قوت جسکا جامع انسان، صدیون مین جا کر پیدا ہوتا ہے۔ محمدؐ، مسیحؑ، گوتم بدھ، سکندر، سیزر، ونیولین، (اور ایک خاص حیثیت سے فیثا غورس، فلاطون، ارسطو، کنیٹ، ڈارون) وغیرہ صرف گنتی کے چند اشخاص اب تک دنیا مین ایسے پیدا ہوئے ہین، جو اول درجہ کے قایدین کے لقب کے مصداق ہو سکتے ہین۔ کیا زمانہ اس پایہ کے اشخاص روز پیدا کر سکتا ہے؟ کیا تاریخ مین ان کی نظیرین آسانی سے مل سکتی ہین؟ بے شبہ اس سے کمتر درجہ کے مصلحین ہر صدی مین دو ایک پیدا ہوتے رہتے ہین، لیکن انکا دائرۂ عمل و دائرۂ اثر نسبتاً نہایت محدود ہوتا ہے، دنیا کی تاریخ پر ان کا اثر نسبتاً بہت ہلکا ہوتا ہے، اور ان کے کارنامہ اس پایہ کے نہین ہوتے، کہ انھین قایدین عظام کی صف مین رکھا جائے۔ ان لوگون کی اصلاح نہ خالص مجتہدانہ ہوتی ہے، اور نہ مستقبل بعید کی پیش بینی پر مبنی ہوتی ہے، بلکہ یا تو جو کچھ ان کے پیشرو چھوڑ گئے ہین، ان کی یہ لوگ کسی جدید طرز پر تفسیر و تعبیر کرتے ہین اور یا مقتضیات عصریہ و ضروریات حالیہ کی مناسبت سے یہ اپنی جماعت مین کسی خاص تحریک کی روح پھونک دیتے ہین جسکی زندگی انکی شخصی زندگی سے کچھ ہی زیادہ دیرپا ثابت ہوتی ہے[1]۔

---

[1] اس طرح کے مصلحین یا قائدین درجہ دوم مین بطور نمونہ کے یہ نام لیے جاتے ہین، (بقیہ بر صفحہ ۲۳۱)

قایدین عظام کی بڑی شناخت یہ ہے، کہ اپنے بعد آیندہ نسلون کے لیے وہ کوئی ترکہ چھوڑ جائین، لیکن ظاہر ہے، کہ یہ ترکہ کسی محسوس و موجود شے کی شکل مین ہونا چاہیے، معدومات کا ترکہ، ترکہ ہو ہی نہین سکتا، پس ضرور ہے کہ وہ ترکہ کسی محسوس و موجود شکل مین ہو۔ یہین سے اس امر کی ضرورت پیدا ہوتی ہے کہ قاید اپنے پیچھے کوئی بنی بنائی چیز چھوڑ جائے، اُسکی یادگار خواہ عظیم الشان مادی حکومتین ہون خواہ مذاہب فلسفہ و مطنریات سائنس ہون، اور پھر خواہ ادیان و شرایع ہون، اگر ہو بہر حال ان کی کوئی نہ کوئی ایجابی یا ثبوتی شکل محض سلبی یا منفیانہ یادگار ایک بے معنے شے ہے۔

زعیم، اکثر از راہ حسد یا کسی اور غیر شریفانہ نیت سے، کسی قدیم مسئلہ یا رسم و رواج کو مٹانے کی جد و جہد کرتا ہے، لیکن اس سے اُسکی اور کوئی غرض نہین ہوتی، بجز اسکے کہ شہرت حاصل کرے، یا اپنے کسی مخالف کی عظمت کو صدمہ پہونچائے، یا مالی نفع سے شادکام ہو، یا اسی قبیل سے اور کسی خود غرضانہ جذبہ کو سیر کرے۔ غرض یہ کہ وہ تخریب مین تخریب ہی کی غرض سے مشغول رہتا ہے، اور اس سے مسرت حاصل کرتا ہے، لیکن قاید کا طریق عمل اسکے بالکل مخالف ہوتا ہے۔ وہ تخریب کو کبھی اپنا منتہائے مقصود نہین بناتا، اور نہ اس سے مسرت حاصل کرتا ہے۔ وہ کسی شے کے بگاڑنے مین اگر ہاتھ ڈالتا ہے، تو صرف اس حد تک کہ جتنا اُسکے کار تعمیر کے لیے ضروری ہے، جس قطعۂ زمین پر عمارت بنانا مقصود ہے، اُسکی سطح کو تو بہر صورت ناہمواریون سے پاک

(بقیہ از صفحہ ۲۳۰) لسبارک، گیریبالڈی، گلیڈسٹن، ہولنگ، گلاڈیو، جمال الدین افغانی، بعد مسٹر سید احمد خان، رام موہن رائے، دیانند سرسوتی

کر دینا چاہیے۔ راستہ اگر سہولت سے طے کرنا مد نظر ہے، تو سڑک سے اُن چیزون کو بہر حال صاف کر دینا چاہیے، جو سد راہ ہون گی، بس قاید ین کا اسی اصول پر، اور اسی حد تک عمل رہتا ہے، انھین جو شے بنانا ہوتی ہے، جو شے تیار کرنا ہوتی ہے، اُس مین اُن کی مصروفیت کیا کم ہوتی ہے، جو وہ دوسری چیزون کے توڑنے اور بگاڑنے کے لیے وقت و قوت نکال سکین۔

تعمیر و اصلاح کے جتنے کام ہوتے ہین، اُن کی شرط اولین یہ ہے کہ جن لوگون سے کام لیا جاتا ہے، انھین ڈسپلن (یعنی انضباط و باضابطگی) کا خوگر ہونا چاہیے۔ جماعت بجاے خود اس وصف سے محروم ہوتی ہے۔ یہ فرض قاید کا ہوتا ہے، کہ وہ اپنی قوت اپنی مقتدی جماعت مین نفوذ کر دے۔ زعیم، کہ اسکے نفس مین خود ہی کسی قسم کی باضابطگی نہین ہوتی، اپنی جماعت مین کیا باضابطگی پیدا کر سکے گا۔ یہی سبب ہے کہ بہتر سے بہتر زعیم بھی تعمیر کا کوئی کام انجام نہین دے سکتا۔

ڈسپلن کا دوسرا نام انتظام و خوش ترتیبی ہے۔ اور یہی وہ شے ہے جو جماعت کا معیار ذہن و اخلاق بلند کر دیتی ہے، اور ایک مرتب و منتظم جماعت کے ارکان کو بہ نسبت عام افراد کے زیادہ باعقل، باشعور، و بااخلاق بنا دیتی ہے، لیکن یہ قلب ماہیت کیونکر ہو جاتی ہے؟ کیا نفس اجتماعی کی فطرت بدل جاتی ہے؟ کیا جماعت کی حیات نفسی کے جو قوانین ابتک بتائے جا چکے ہین، وہ بالآخر صحیح نہین اُترتے، اور شکست ہو جاتے ہین؟ اسکی پوری کیفیت سمجھنے کے لئے ہمین پہلے اسکے کسی ایسے نمونہ پر نظر کرنی چاہیے جو چھوٹے

پیمانہ پر اکثر ہمارے پیش نظر رہتا ہو۔ مثال کے لیے ہم کسی متمدن سلطنت کی
باضابطہ فوج کو لیتے ہین، فرض کرو، اسکی تعداد ایک آرمی کور، یا ۸۰۰۰۰ سپاہیون
کی ہی، لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہی کہ یہ محض اسّی ہزار افراد کی بھیڑ یا جماؤ ہے؟ ہرگز
نہین، بلکہ اس مین اعلیٰ ترین قسم کی ترتیب و تنظیم قائم ہی۔ یہ آرمی کور تقسیم ہی تین
ڈویژنون پر، اور ہر ڈویژن مشتمل ہی، متعدد بریگیڈ پر۔ ہر بریگیڈ مین متعدد بٹالین یا
رجمنٹ ہوتی ہین۔ فی بٹالین ایک ہزار سپاہیون کا پڑتہ بیٹھتا ہی۔ ہر بٹالین
کمپنیون مین تقسیم ہوتی ہی، اور ہر کمپنی مین تقریباً ۱۲۰ افراد ہوتے ہین۔ ابھی
بعض تقسیمین اس سے چھوٹی باقی ہین، مگر ہم انھین پر اکتفا کرتے ہین، اس سے
ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ اسّی ہزار کا کثیر التعداد مجمع، بالآخر، ایک سو بیس یا ان سے
بھی قلیل تر افراد کے متعدد طبقات مین تقسیم ہوکر رہ جاتا ہے۔ پھر افسرون کی ترتیب
پر خیال کرو۔ سب سے بڑا عہدہ فیلڈ مارشل کا ہوتا ہے، اسکے بعد جنرل، لفٹنٹ
جنرل، میجر جنرل، کرنل، لفٹنٹ کرنل، میجر، کیپٹن، سے ہوتے ہوتے آخری
عہدہ لفٹنٹ کا ہوتا ہی، اور نان کمیشنڈ عہدہ، کارپورل، سبالٹرن، سرجنٹ وغیرہ
کے نام سے جو ہوتے ہین، وہ ان کے علاوہ ہین۔ یہ تمام عہدے، بلحاظ تجربہ و اہلیت
کے ملتے ہین، جو شخص سب سے زیادہ تجربہ کار و قابل اعتماد ہوتا ہی، اُسے سب سے
بڑا عہدہ ملتا ہی، جو اس سے کم ہوتا ہی، اُسے اس سے چھوٹا عہدہ ملتا ہی، و
قس علیٰ ہذا۔ اب فرض کرو، کہ اس فوج کا کوئی ایک خاص سپاہی، بلحاظ سپاہیانہ
عقل و اخلاق، اپنے ہم سطح غیر فوجی افراد سے بہتر معلوم ہوتا ہی۔ مگر یہ غور کرو،
کہ اسکی یہ افضلیت کس چیز کا نتیجہ ہی؟ یہ نتیجہ ہی اس صورت حال کا۔ پہلے چند

ماہرین نے، فن حرب کے غائر مطالعہ کے بعد اسکے اصول وقواعد مقرر کیے۔ ایک شخص جسکو اس فن سے خاص مناسبت تھی، اُس نے سالہا سال تک ان اصول کی پوری تعلیم حاصل کی۔ مدتون ان اصول کے مطابق وہ عملی مشق کرتا رہا۔ متعدد لڑائیون مین شریک ہوا۔ بہت سے سبق ذاتی تجربہ نے دیے۔ انتہائی نازک مواقع پر اپنی قابلیت واہلیت کا ثبوت دیا۔ اسکے صلہ مین رفتہ رفتہ ترقی کرکے آخرکار فیلڈ مارشل کے مرتبہ تک پہونچا، اب ایک خاص فوج کی کمان اسکے سپرد ہوئی، تعلیم، تربیت، ذاتی تجربہ سب اُسے حاصل ہے پورا کام اُسے خود نہین کرنا پڑتا، بلکہ اُسکی اعانت کے لیے بہت بڑا اسٹاف موجود ہے، جسکا ہر رکن بجاے خود اپنے فرایض کے لیے پوری طرح تیار ہے، رسد وسامان جنگ کے پہونچانے، دشمن کی نقل وحرکت کی خبرین لانے، اور اس طرح کی متعدد چیزون کے لیے الگ الگ محکمہ ہین۔ ان سب سے اُسکے کام مین سہولت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ پھر اس کے گرد مشیرون کی ایک بڑی جماعت رہتی ہے، اور جو حکم اُسے دینا ہوتا ہے، اُس مین وہ اُن کے مشورون سے پورا فائدہ اُٹھاتا ہے، اتنے سارے شرایط کی جامعیت کے بعد وہ ہر سپاہی کو احکام دیتا ہے، اور ہر سپاہی بھی ایسا ہوتا ہے جو قواعددانی ودیگر ضروریات حربی کی برسون تعلیم حاصل کرچکا ہے پس ایسی صورت مین یہ نتیجہ نکلنا بالکل قدرتی ہے، کہ ہر سپاہی اپنے ہم سطح غیر فوجی مرد کے مقابلہ مین بہتر دل ودماغ کی خصوصیات کا اظہار کرے۔

اس مثال سے اندازہ ہوگیا ہوگا، کہ جماعت سے مفید وتعمیری کام

لینے کا اصلی راز اُسکی خوش ترتیبی، باضابطگی، وانتظام مین مضمر ہے، اور جو جماعت جتنی زیادہ مرتب، منتظم، اور خوگر انضباط ہوگی، اُسی قدر اُس مین اُس کی صلاحیت موجود ہوگی، بہ خلاف اسکے جو جماعت جسقدر غیر مرتب، غیر منتظم اور ڈسپلن سے گریز کرنے والی ہوگی، اُسی قدر اس کے عقل و اخلاق مین انحطاط کے آثار پائے جائین گے، اور اُسی قدر اُس مین وہ خصایص افراط کے ساتھ پائے جائین گے، جو نفس اجتماعی مین طبعًا موجود ہوتے ہین، آگ کو اگر بداحتیاطی سے ہوا دیجائے گی، تو چند منٹ مین وہ گرد و پیش کے جان و مال، بلکہ خود ہوا دینے والے کو بھی سلامت نہ چھوڑے گی، لیکن اُسی آگ کو قابو مین رکھ کر اگر دانشمندی سے کام لیا جائے، تو معمولی کھانا پکانے کے کام سے لیکر ریل و جہاز وغیرہ بڑی سی بڑی ایجادات تک کے ذریعہ سے دنیا کی انتہائی راحت کا سامان بھی اسی سے نکل سکتا ہے۔ زعیم پہلا راستہ اختیار کرتا ہے، اور قاید دوسرا۔ ان دونون کے اصول و منتہاے مقصود مین قدم قدم پر اختلاف ہوتا ہے، لیکن دونون مین جو شے ایک حد تک مشترک ہوتی ہے، وہ وسایط و وسایل ہین، یعنی اثر آفرینی کے جو اصول ابواب گزشتہ مین بیان کیے جا چکے ہین، (مثلاً تکرار دعاوی، یا ادعاء تحکم) انھین قاید بھی اختیار کرتا ہے اور زعیم بھی اسلیے بادی النظر مین لوگون کو ان کے درمیان شناخت مین دقت ہوتی ہے اور دنیا اکثر کچھ عرصہ تک زعیم کو قاید کے مرتبہ پر رکھتی رہتی ہے، لیکن یہ دھوکا عارضی ہوتا ہے۔ چند روز کے بعد واقعات اپنے چہرہ سے نقاب اُلٹ دیتے ہین، اور اُسوقت بڑے سے بڑے متعصب کو بھی نور و ظلمت مین فرق

نظر آنے لگتا ہے۔ یہ دِن جلد آئے یا بہ دیر، مگر آنا ضرور ہے، اور زعیمون کو
اس روز سے ڈرنا چاہیے، لیکن اسکے لیے انجام بینی کی ضرورت ہے، اور
انجام بینی زعیمون مین شاذونادر ہی ہوتی ہے۔

صفحات بالا مین مختلف مواقع پر الفاظ "مستقل" و "عارضی" مستعمل ہوے
ہین، امید ہے کہ ناظرین نے اس سلسلہ مین اس نکتہ کو ہرگز نہ فراموش کیا ہوگا
کہ یہ الفاظ محض اضافی حیثیت سے استعمال کیے گئے ہین، ورنہ حقیقی معنی مین دنیا
کی کوئی شے مستقل و پایدار نہین کہی جاسکتی، اور قیادت کی بڑی سے بڑی
ہی قوت بھی فطرت کے عالمگیر قانون فنا واجل کے سامنے بے بس ہے
حکومتین وسلطنتین، شایستگی و تمدن، مذاہب فلسفہ و نظریات سائنس، لطائف
ادب وکمالات شعر، ادیان وشرائع ان مین سے کون شے ایسی ہے، جسے بقا
وثبات حاصل ہے؟ نادانون کو اس پر ناز ہے، کہ ادھر دو چار ہزار سال کی تاریخ
علوم، تاریخ مذہب و تاریخ تمدن، زمانہ کی دستبرد سے ابتک محفوظ ہے، لیکن وقت کا
وہ بے پایان وغیر محدود سمندر جو ازل سے ابد تک روان ہے، اُسکے سامنے
چند ہزار سال کی مدت، ایک حقیر قطرہ کے برابر بھی تو وقعت نہین رکھتی۔
پس قایدون کی کوششین، خواہ کتنی ہی سرگرمی وخلوص نیت سے کیجائین
بالآخر فنا ومعدومیت ہی پر ختم ہونے والی ہین۔ یہ اور بات ہے، کہ کوئی تحریک
چند گھنٹہ زندہ رہتی ہے، اور کوئی چند سو یا چند ہزار سال تک۔ لیکن
بے ثباتی و بے حقیقی کی جانب جاؤ، تو یہ اور وہ دونون مساوی ہین۔ اور فنا

واجل وہ انجام ہے، جس سے کسی ہستی کو، خواہ ذی حیات ہو، خواہ غیر ذی حیات، کسی حالت مین مفر نہین۔ فقط

فرہنگ مصطلحات

ضمیمۂ " فلسفۂ جذبات " مین نفسیات کی کسی قدر تفصیلی فہرست دی جاچکی ہے — یہان وہ مصطلحات درج کئے جاتے ہین، جو یا تو بالکل نئے ہین، اور یا ایسے ہین، کہ گو ضمیمۂ " فلسفۂ جذبات " مین آچکے ہین، تاہم اُنکا سمجھہ لینا کتاب ہذا کے مطالب کے ذہن نشین ہونے کے لئے اسقدر ضروری ہے، کہ انکی تصریح کسی دوسری کتاب کے حوالہ پر ملتوی نہین رکھی جاسکتی —

شمار	انگریزی اصطلاح	اُردو اصطلاح	تصریح
۱	Brain.	دماغ	
۲	Cognition.	وقوف	
۳	Cognitive.	وقوفی	
۴	Collective Mind.	نفس اجتماعی	
۵	Conciousness.	شعور	
۶	Concious.	(۱) شاعرہ (۲) شعوری	
۷	Crowd.	اجتماع	
۸	Crowd Mentality.	نفس اجتماعی	
۹	Demogogue.	زعیم	
۱۰	Dogmatism.	(۱) ادعا (۲) تحکم	
۱۱	Emotion.	جذبہ	
۱۲	Emotional.	جذبی	
۱۳	Fealing.	احساس	
۱۴	Imagination.	(۱) تخئیل (۲) متخیلہ	
۱۵	Impulse.	تہیج	
۱۶	Instinct.	جبلت	
۱۷	Instinctive.	جبلی	
۱۸	Leader.	قاید	
۱۹	Leadership.	قیادت	

تصریح	اُردو اصطلاح	انگریزی اصطلاح	شمار
	(۱) نفسی (۲) ذهنی	Mental.	۲۰
	ذهنیت	Mentality.	۲۱
	(۱) نفس (۲) ذهن	Mind.	۲۲
نخاع کا وہ حصہ جو گردن کے بالائی حصہ مین پہنچکر کسي قدر چوڑا هو جاتا هے	نخاع مستطیل	Medulla Oblangata.	۲۳
	نخاعی	Medullar.	۲۴
	شخصیت	Personality.	۲۵
اثر ' اقتدار ' نفوذ ' رعب یا دهاک	سطوت	Prestige.	۲۶
کسی شے کو بار بار دهرانا	تکرار	Repetition.	۲۷
	نخاع	Spinal Cord.	۲۸
	مهیج	Stimulus.	۲۹
	(۱) نیم شعوری (۲) نیم شاعرہ	Sub-Concious.	۳۰
	(۱) نیم شعوریت (۲) شعور خفی (۳) تحت‌الشعور	Sub-Conciousness.	۳۱
	اثر آفرینی	Suggestion.	۳۲
	اثر پذیری	Suggestibility.	۳۳
	(۱) لا شعوری (۲) غیر شاعرہ	Unconcious.	۳۴
	ارادہ	Volition.	۳۵
	فعل ارادی	Voluntary Action.	۳۶
	ارادہ	Will.	۳۷

N. K. Press, Lucknow—No. 766 of 1915.

غلط نامہ فلسفۂ اجتماع

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
الف	۷	رنجش	رنجش،
۵۴	۱۲	جس	حسّ
۶۸	۱۱	دقیق تعلیل	دقیق تحلیل
۷۹	۱۹	ٹائم	قائم
ایضاً	ایضاً	بشری مین	بشری کی
//	//	اسرار شناسی کی	اسرار شناسی مین
۸۹	۵	ہم ذیل کا	ذیل کا
ایضاً	۱۴	ہیبت	ہیئت
//	۱۹	(بیالوجی)	(بیالوجی) کے
۹۳	۸	کہ یہ خبرین	یہ خبرین
ایضاً	۱۰	منسٹربرگ	منسٹربرگ
۱۰۳	۱۱	حاوی	عادی
۱۰۴	۸	بلکہ اس مین	اس مین
۱۰۶	۱۸	یادگاربین	یادگارین
۱۲۱	۳	لیکن اُن مین	لیکن ان مین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
ایضاً	۹	الارادہ قنّیان	الارادہ عِنّیان
۱۲۴	۳	اُسی سطوت	اِسی سطوت
۱۲۸	۶	کی بان	لی بآن
۱۳۴	۱۶	ترسول قران	نزول قران
۱۴۴	۵	مرغوب کن	مرعوب کن
۱۴۴	۸	ایک بلکہ وہی	ایک ملکہ وہبی
ایضاً	۱۲	اسقدر تو	اسقدر
۱۴۷	۵	نہایت اراط	نہایت افراط
ایضاً	۷	پیغمبر جو	پیغمبر پر جو
۱۵۰	+	+	صفحہ ۱۴۶ کا فٹ نوٹ ہونا چاہیے
۲۰۶	۱۴	باعث تو یہ ہے	باعث کچھ تو یہ ہے

مطبوعات انجمن ترقی اُردو

سلسلۂ جدید

(۱) **فلسفۂ جذبات** (مصنفۂ مسٹر عبد الماجد بی اے)۔ علم النفس پر اُردو میں سب سے پہلی کتاب۔ قیمت ۱۲ و ۱۰

(۲) **مقدمات الطبیعات** (مولفۂ مرزا مہدی خاں کوکب ایم۔ آر۔ ایس۔ ایم، ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ای، ایف۔ جی۔ ایس، سابق ناظم محکمۂ مردم شماری ریاست حیدرآباد دکن) علومِ طبعیہ کے لیے یہ کتاب بہترین دیباچہ ہے۔ قیمت عہ و ۱۲

(۳) **البیرونی** (مصنفۂ مسٹر سید حسن برنی بی اے (علیگ)۔ یہ علامہ ابوریحان برونی کی سوانحعمری ہے۔ قیمت ۱۲

(۴) **فلسفۂ اجتماع** (مصنفۂ مسٹر عبد الماجد بی اے)
قیمت ۸ و ۱۰

اور سابق کی مطبوعات کے لیے مفصل فہرست عند الطلب روانہ ہوگی

ملنے کا پتہ:۔ دار الاشاعت انجمن ترقی اردو۔ کٹرۂ سید حسین خان۔ چوک۔ لکھنؤ